

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

راهِ نجات

مرتب

الفقير إلى الله تعالى

بلقيس اظهر

جماعت عائشہؓ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

راہِ نجات

مرتب:

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

بلقیس اظہر

جماعت عائشہؓ

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
1	نجات کا راز	3
2	شیطان کے دشمن	3
3	راہِ نجات	4
4	ایمانِ حقیقی	8
5	رب کی بہترین تخلیق (انسان)	12
6	پردہ	17
7	غفلت	22
8	اخوت	27
9	ایصالِ ثواب	31
10	حج	34
11	حج کی ادائیگی کا طریقہ	38
12	فضائلِ حج	41
13	نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا سفر حج	45
14	مدینہ منورہ	49
15	جہاد فی سبیل اللہ	58
16	توبہ	61
17	موت کی تیاری	66
18	موت کی حقیقت (موت سے صورت تک)	75
19	موت کی حقیقت (صور سے آخری فیصلے تک کا بیان)	80
20	عزیزیل سے شیطان ابلیس تک	86
21	عداوتِ شیطان	91
22	شیاطینِ جنات	97
23	انسان کے موکلین	105

نجات کاراز

نجات صرف اور صرف رحمت الہی سے ہے۔ فضل الہی سے ہے، کرم الہی سے ہے۔ رحمت سے کرم کے دروازے کھلتے ہیں اور رحمت الہی کا دروازہ حب رسول خاتم النبیین ﷺ سے کھلتا ہے اور حب رسول کا دروازہ درود پاک سے کھلتا ہے۔ اسی درود پاک سے انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غصہ سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسے انسان کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ سے دوستی نصیب ہو جاتی ہے۔ نجات کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔ اور ہر گھڑی اس کی رحمت کا منتظر رہے۔ سب سے بڑی بات خوف خدا اور احکام الہی کا پابند رہنا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں "جب وہ پریشان ہوتے تو دن میں کم از کم ایک ہزار بار استغفار پڑھتے تھے۔"

اسی طرح محدثین نے لکھا ہے "لا الہ الا اللہ ہمیں بند دروازوں سے بھی نکال دیتا ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ مجھے کھینچ کر بلکہ آپ کہتے ہیں گھسیٹ کر کسی کے گھر لے گیا تھا (جس کو مدد درکار تھی)۔"

درویش شریف کے متعلق ہے کہ "اُس کو پڑھنے سے ہمارے دل کے اندر پیدا ہونے والی وہ دعا بھی قبول ہو جاتی ہے جو زبان پر نہ آئی ہو۔"

اس لئے نجات کے لئے یہ ضروری ہے کہ دل اُسی سے لگا یا جائے جس نے دل بنایا ہے۔

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام؟

یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خرد مند

تقدیر کے پابند نباتات جمادات

مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند

شیطان کے دشمن

حضرت فقہ ابو الیث سمرقندیؒ نے اپنی کتاب "تنبیہ الغافلین" میں وہب بن منبہؒ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے شیطان سے پوچھا کہ "اے ملعون تیرے دشمن کون لوگ ہیں؟" شیطان نے جواب دیا "پندرہ قسم کے لوگ میرے دشمن ہیں:

- 1- "اُولَھُم اَنتَ" سب سے پہلے دشمن تو آپ خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ 2- عادل بادشاہ یا عادل حاکم
- 3- سچا تاجر 4- خشوع کرنے والا عالم
- 5- خیر خواہی کرنے والا مومن 6- رحم دل مومن
- 7- توبہ کر کے ثابت قدم رہنے والا 8- حرام سے پرہیز کرنے والا
- 9- متواضع مالدار 10- ہمیشہ طہارت پر رہنے والا مومن
- 11- کثرت سے صدقہ کرنے والا مومن 12- لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا مومن
- 13- لوگوں کو نفع پہنچانے والا مومن 14- قرآن پاک کی ہمیشہ تلاوت کرنے والا۔ عالم۔ حافظ۔ قاری
- 15- رات میں ایسے وقت میں تہجد پڑھنے والا جب سب سو چکے ہوں۔" (تنبیہ الغافلین)

راہِ نجات

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں 2 دروازے رکھے ہیں، ایک دروازہ کھلتا ہے تو اسے عرش کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ دوسرا دروازہ کھلتا ہے تو اسے فرش کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ دل میں آنکھ، کان، ناک کے راستے سے جب آدمی دیکھے گا تو ظاہری چمک دمک اور پھول بوٹے سب نظر آئیں گے۔ اور ان آنکھ ناک کان کے دروازوں کو بند کر کے جب دل کا دروازہ کھلے گا تو اسے عرش کی چیزیں نظر آئیں گی۔ وہاں کے علوم و کمالات اترنے شروع ہوں گے۔ قلب کے اندر دونوں راستے ہیں نیچے کا دروازہ بند کر دو گے تو حقیقتیں کھلی شروع ہو جائیں گی۔ دل میں دونوں قسم کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اعلیٰ ترین صلاحیت یہ ہے کہ آدمی اوپر کی چیزوں کو جذب کرے، علمِ خداوندی کو، کمالاتِ خداوندی کو، معرفتِ خداوندی کو، اخلاقِ ربانی کو اور ملائکہ کی صفات کو جذب کرے تو صحیح معنوں میں کامل انسان اور کامل بشر بن جائے گا۔ ایک قول کے مطابق: "سب انسان ہلاک ہو جانے والے ہیں، اگر بچیں گے تو اہل علم"

یہی علم کی قوت ہے جو انسان کو اوجھ بھاتی ہے اور دنیا کے اوپر غالب کرتی ہے۔ یہ زمین بچاری علم نہیں رکھتی، رات دن جوتیوں میں پامال ہے۔ جانور علم نہیں رکھتے رات دن ہماری غلامی میں مبتلا ہیں۔ انسان نے اپنے علم کی بدولت کسی جانور پر بل رکھا اور جوت رہا ہے، کسی کی پشت پر سواری کر رہا ہے۔ یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے جانوروں کو علم و عقل نہیں دی ورنہ، نہ سواری ہوتی اور نہ کھیتی باڑی، وہ کہتا کہ دلیل سے ثابت کر کہ تجھ کو مجھ پر بیٹھنے کا حق ہے۔ یا پھر دلیل سے ثابت کر کہ میں تیرے لیے بنایا گیا ہوں وغیرہ۔ تو دنیا میں جتنی سجاوٹ ہے، جتنی زینت اور آرائش ہے وہ انسان کے علم کی وجہ سے ہے۔ آخرت جتنی منور ہوگی انسان کے علم سے منور ہوگی، عمل سے منور ہوگی، بدن کے ڈیل ڈول سے منور نہیں ہوگی۔ کھانے پینے سے منور نہیں ہوگی۔ اچھے اچھے لباس اور بہترین گھروں سے منور نہ ہوگی۔

اُمّتِ محمدی خاتم النبیین ﷺ کے نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام

معراج کی شب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں (ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے جس کو بیت المعمور کہتے ہیں۔ زمین سے لے کر ساتویں آسمان تک ایک وہی قبلہ ہے۔ وہ ایک ہی مرکز ہے جس کے ارد گرد ساتویں آسمان اور زمینیں گھوم رہی ہیں)۔

زمین پر بیت اللہ یا خانہ کعبہ کہلاتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ اپنی اُمّت کو میرا سلام کہہ دینا اور کہہ دینا کہ جنت تمہارے حق میں چٹیل میدان ہے۔ اس میں بیل بوٹے، پھول پھل تمہاری تسبیحات ہیں۔ اس میں مکانات، محلات تمہارے عمل اور عبادات ہیں۔ اس میں تمہارے لیے کوئی چیز نہیں جتنا کر لو گے وہ تمہارے لیے ہو جائے گا۔ ورنہ اس میں کچھ نہیں" تو جو آدمی کو ملتا ہے اپنی ہی محنت سے ملتا ہے، تمنا میں کرنے سے نہیں ملتا۔ دنیا کو دارالکسب بنایا گیا ہے جو محنت کرے گا وہ پائے گا۔ اگر ہم صبح سے شام تک دکان پر بیٹھ کر محنت نہ کریں تو ہم پیسے لے کر گھر نہیں آ سکتے، اگر کاشتکار کھیت پر جا کر محنت نہ کرے تو چار دانے لیکر اپنے گھر نہیں آ سکتا۔ اگر ایک صنّاع (کارگر) محنت نہ کرے، برتن نہ بنائے تو بازار میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو کرے گا وہ پائے گا۔ جو نہیں کرے گا وہ کچھ نہیں پائے گا۔

دنیا میں ہر انسان معمار ہے

درحقیقت جنت کی تعمیر ہم یہاں بیٹھ کر کرتے ہیں۔ ہر انسان معمار ہے کوئی دنیا میں بیٹھ کر جہنم بنا رہا ہے تو کوئی جنت بنا رہا ہے، اپنی اپنی محنت کر رہے ہیں۔ مگر جو کچھ کرے گا اسی کا نتیجہ سامنے آئے گا۔

سب سے زیادہ محنت طلب کام ایمان کا علم ہے، سب سے بڑی چیز جو انسان کے لیے محنت طلب ہے وہ علم ہی ہے دنیا میں اور آخرت میں بھی روشنی ہے۔ سائنس کا علم ہوگا تو دنیا سبجی اور ایمان کا علم ہوگا تو آخرت سبجی گی۔ دنیا کا سجانا بھی ایک حد تک ٹھیک ہے، اگر صرف اس کو سجاؤ گے تو بھی ایک دن ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اگر سراسر ایمان کے اوپر لگا دیا تو یہ تو ہاتھ سے چھنے والی ہے۔ تو پھر سرمایہ اس چیز میں کیوں نہ لگا یا جائے جو باقی رہنے والی ہے۔ بقدر ضرورت دنیا میں لگاؤ بقایا سرمایہ اس میں لگاؤ جس کی ابدال آباد تک ضرورت ہے۔ کیسی حکمت کی بات حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ "دنیا کے لیے اتنی محنت کرو جتنا دنیا میں رہنا ہے، آخرت کے لیے اتنی محنت کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے"۔ (سیرت ابن جوزی، ص 123)

دنیا میں 50 سال، 60 سال، 70 سال، 80 سال رہنا ہے۔ آخرت میں ابدال آباد تک کے لیے رہنا ہے۔ تو وہاں کی محنت زیادہ ہونی چاہیے، یہ ہم نہیں کہتے کہ یہاں

کے لیے کچھ نہ کریں۔ نہیں یہاں کے لیے بھی کریں، رہنے کے لیے گھر بنائیں، کپڑا بھی بنائیں، کھائیں بھی مگر سارا سرمایہ اسی میں نہ لگائیں، کچھ سرمایہ آگے بھیج دیں۔ کرنا دھرتا تو وہاں ہے، جب تک وہاں کی کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی وہاں کا کام نہیں بنے گا اور وہاں کی سب سے بنیادی چیز علم ہے۔ جب تک قلب کے اندر علم نہیں ہوگا کام نہیں بنے گا۔ تو "سارے انسان ہلاک ہونے والے ہیں تباہ ہونے والے ہیں مگر علم والے بچیں گے۔"

جو اہل علم ہیں ان کے لیے نجات ہے۔ جہالت کے ساتھ نجات نہیں ہے، جاہل کو بھی اگر نجات ملتی ہے تو علم کے ساتھ ملے گی۔

علم محض کا رآمد نہیں

مگر علم والے بھی مغرور نہ ہو جائیں، علم والے بھی ناز نہ کریں کہ بس ہمارے لیے تو نجات ہے۔ نہیں دوسرا جملہ بھی سنئے:

"علم والے بھی سب تباہ و برباد ہیں، بچیں گے وہ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔"

اگر عمل نہ ہو تو علم محض کا رآمد چیز نہیں ہے، بلکہ اور زیادہ وبال بن جاتا ہے، علم تب کارآمد بنتا ہے جب اس کا استعمال کیا جائے۔ اسکو عمل میں لایا جائے، علم محفوظ بھی جی رہتا ہے جب عمل میں آئے۔ ترقی بھی جی ہوتی ہے جب عمل میں آئے۔ اگر ہم ایک عمل سیکھ لیں لیکن استعمال میں نہ لائیں تو چند دن کے بعد بھول جائیں گے۔ کام کے اندر لاتے رہیں گے تو وہ ذہن کے اندر حاضر رہے گا۔ محفوظ رہے گا اور غالباً ہر طالب علم کو یہی تجربہ ہوگا کہ جن مسائل پر ہمارا عمل ہے انکا علم محفوظ ہے اور جن مسائل پر عمل کی نوبت نہیں آئی وہ یاد ہی نہیں رہتے، مثلاً نماز کے مسائل تو وہ ہیں کہ اگر کوئی پوچھے تو فوراً بتادیئے جاتے ہیں لیکن اگر حج کے مسائل پوچھیں گے تو ذرا کتاب دیکھنی پڑے گی۔ اس لیے کہ ہر روز عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ عمر میں ایک حج کر لیا یا دہی نہیں رہا۔ لیکن عمل کرنے والے بھی مغرور نہ ہوں۔ عمل اخلاص کے بغیر بے کار ہے۔

"عمل کرنے والے بھی سب تباہ و برباد ہیں ان کے عمل کو بھی پوچھا نہیں جائے گا خلوص والے بچیں گے۔"

جو اپنے عمل میں خلوص رکھتے ہیں۔ دکھلاوے کے لیے عمل کرے وہ وبال کی چیز ہے، شہرت پسندی کے لیے عمل کرے وہ تباہی کی چیز ہے۔ خالص اللہ کی رضا کے لیے عمل کرے وہی عمل کارآمد ہوتا ہے۔ اسی پر انسان کی نجات ہے۔ تو فرمایا کہ لوگوں کی نجات شکل و صورت پر نہیں ہوگی بلکہ علم سے ہوگی۔ پھر فقط علم سے نہیں ہوگی بلکہ عمل سے ہوگی۔ پھر فقط عمل سے نہیں ہوگی بلکہ اخلاص سے ہوگی، محبت سے ہوگی۔ دور نے پن سے عمل کرے کہ خدا کو بھی خوش کر لوں اور کچھ بندوں کو بھی خوش کر لوں، وہ عمل معتبر نہیں ہے۔ فقط اللہ کی رضا کے لیے ہو وہی عمل معتبر ہوگا۔ ورنہ نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ "عمل کرنے والے بھی تباہ و برباد ہیں، خلوص والے بچیں گے۔"

اگر کسی عمل کی شکل و صورت بڑی ہو لیکن اس میں اخلاص نہ ہو تو تباہی کا ذریعہ ہے اور چھوٹا سا عمل ہو بالکل معمولی سا ہو مگر خلوص اور محبت ہو تو وہ عمل نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔ حدیث میں خلوص کی تین مثالیں بیان فرمائی گئیں ہیں اور تین ہی مثالیں بغیر خلوص کے عمل کی بیان فرمائی گئیں ہیں اور نتائج الگ الگ۔ مثلاً بڑے بڑے عملوں کی مثالیں:-

حدیث شریف میں ہے کہ:

(1) "روزِ محشر علماء کی ایک جماعت بلائی جائے گی، حق تعالیٰ اپنا احسان جتلائیں گے کہ ہم نے تمہیں قسم قسم کے علم دیئے تو تم نے کیا کیا، جواب میں علماء کہیں گے ہم نے نصیحت کی، ہم نے درس و تدریس کیا۔ ہم نے تبلیغ کی، ہم نے تصنیف کی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے "مگر کیوں کی؟ صرف اس لیے کہ دنیا میں شہرت ہو جائے کہ تم بڑے عالم تھے۔ تو وہ شہرت ہوئی۔ تمہارا مقصد تمہیں مل گیا، اب کیا چاہتے ہو؟ یہاں اب تمہارے لیے کیا ہے؟"۔۔۔۔۔ انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(2) روزِ محشر مال داروں کی ایک جماعت بلائی جائے گی۔ جن کو لاکھوں روپے کی رقم اللہ نے دی تھی، حق تعالیٰ احسان جتلائیں گے کہ ہم نے تمہیں لکھ پتی، کروڑ پتی، لاکھوں کا مال دیا اور ایک ہی قسم کا نہیں بلکہ الگ الگ دیا۔ باغات الگ دیئے۔ تم نے ہمارے لیے کیا کیا؟ وہ کہیں گے "ہم نے صدقہ کیا، خیرات کی، ہم نے یتیموں کو بیواؤں کو دیا۔" حق تعالیٰ فرمائیں گے "بے شک تم نے یہ سب کچھ دیا مگر کیوں دیا؟ کیا میرے لیے کیا؟ نہیں۔ اس لیے کیا تاکہ دنیا میں شہرت ہو کہ تم بڑے سخی ہو، بڑے دینے والے ہو، تو وہ شہرت تو ہو چکی۔ اب ہم سے کیا چاہتے ہو؟"۔ یہ جماعت بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈالی جائے گی۔

(3) اس کے بعد حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ "ایک جماعت شہیدوں کی بلائی جائے گی۔" حق تعالیٰ فرمائیں گے "ہم نے تمہارے بدنوں میں طاقت دی، تمہیں پہلوانی کے بدن دیئے، تم میں قوتیں دیں، تم نے ہمارے لیے کیا کیا؟" عرض کریں گے "ہم نے جہاد کیا، ہم نے جانیں لڑا دیں، ہم نے گردنیں کٹا دیں، خون بہا دیا۔" حق تعالیٰ فرمائیں گے "یہ سب کیا مگر کیوں؟ تاکہ دنیا میں تمہاری شہرت ہو کہ تم بڑے بہادر ہو؟ تم بڑے جواں مرد ہو۔ وہ شہرت تو ہو چکی اب ہم سے کیا چاہتے ہو؟" اس جماعت کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 9714)

اب دیکھیں کہ علم سے تبلیغ کرنا کتنا بڑا عمل ہے۔ پیغمبروں کا عمل ہے مگر کارت ہو گیا صرف اس لیے کہ اس میں خلوص نہیں تھا۔ سخاوت کتنا بڑا عمل ہے، صدقہ خیرات لاکھوں کروڑوں دیا کتنا بڑا عمل ہے۔ مگر بے کار ہو گیا صرف اس لیے کہ اس میں خلوص نہیں تھا۔ شہرت پسندی کا جذبہ تھا۔ جہاد کتنا بڑا عمل ہے کہ آدمی نے جاں تک دے دی مگر عمل قبول نہیں ہوا صرف اس لیے کہ اس میں خلوص نہیں تھا۔ تو عمل کا ڈھانچہ کام نہیں دیتا۔ جب تک عمل کے اندر جان نہ پیدا ہو، اگر جان نہ ہو تو مردہ لاش کتنی ہی موٹی ہو، پہلوانوں جیسی ہو وہ تو دفن کرنے کے قابل ہوتی ہے، کارآمد نہیں ہوتی۔ کارآمد جیسی ہے جب اس کے اندر جان اور روح ہو۔ تو عمل کی شکل کتنی ہی بڑی ہو، اگر اس میں اخلاص کی روح نہیں ہے تو وہ عمل کارآمد ثابت نہیں ہوگا۔ تو بڑے بڑے اعمال کی تین مثالیں ہم نے دیکھیں جو خلوص نہ ہونے کی وجہ سے بیکار ہوئے۔

چھوٹا عمل خلوص کی وجہ سے ذریعہ نجات ہوا

تین مثالیں حدیث میں چھوٹے اعمال کی بیان کی گئی ہیں کہ خلوص کی وجہ سے نجات کا ذریعہ بنیں۔ حدیث میں ہے کہ:

"تین آدمی سفر میں نکلے بارش کی وجہ سے غار میں گئے اوپر سے ایک پتھر آیا اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ پریشان۔۔۔ آخر ہر ایک نے اپنی اپنی نیکی کے صدقے میں نجات کی دعا کی۔

(1) پہلے نے کہا "اے اللہ! میرے پاس صرف ایک بکری تھی اسی پر گزر اوقات تھی جس کا دودھ نکال کر سب سے پہلے اپنی ماں کو پھر بچوں کو اور پھر بیوی کو اور سب سے آخر میں خود پیا کرتا ہوں۔ اے اللہ! اگر میرا عمل تیرے نزدیک مقبول ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے"، پتھر تھائی کھسک گیا۔

(2) دوسرے نے کہا "اے اللہ! مجھے ایک حسین اور دولت مند عورت نے ایک دن اپنا جمال دکھا کر اپنی طرف مائل کیا مگر میں نے کہا مجھے اللہ کا خوف ہے۔ اگر یہ عمل تیرے نزدیک مقبول ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے"، پتھر مزید کھسک گیا۔

(3) تیسرے نے کہا "اے اللہ! میں ایک مفلس آدمی تھا میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ میرے ایک دوست نے میرے پاس 100 روپے امانت رکھوائے اور کہا کہ ضرورت ہو تو تم استعمال بھی کر سکتے ہو، مجھے جب ضرورت ہوگی تو میں لے لوں گا، میں سفر کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے بکریاں خریدیں دودھ بیچنا شروع کر دیا منافع ہوتا گیا اور بکریاں خریدتا گیا۔ چند سال گزر گئے میرا دوست واپس آیا، اُس نے مجھ سے 100 روپیہ مانگا تو میں نے تمام روپے اُس کے حوالے کر دیا کہ اس کے 100 روپے کی برکت تھی، وہ پورا روپہ لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر میرا عمل تیرے نزدیک مقبول ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے"۔ غار کا پورا منہ کھل گیا اور انھیں نجات مل گئی۔ تینوں دوست باہر آئے اور اپنے رب کا شکر ادا کیا"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2333)

دیکھیے سخاوت، تبلیغ، شہادت اور علم پڑھانے جیسا عمل بیکار ہو گیا۔ جنم سے نہیں بچا۔ اس لیے کہ اس میں خلوص نہیں تھا اور یہ چھوٹے چھوٹے اعمال تھے لیکن خلوص سے کیے گئے تو دنیا میں نجات کا سبب بن گئے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا سبب بن گئے۔ تو چاہے کتنا ہی سنوار کر ہم نماز پڑھیں نیت ہو کہ لوگ نمازی کہیں، وہ نماز قبول نہیں ہوگی۔ اور گندے کپڑے میں لپیٹ کر منہ پر دے ماری جائے گی۔ تو بنیادی اور اساسی چیز انسان کے لیے خلوص اور اللہ کی رضا ہے۔ تو اب تک تین اصول نجات کے لیے ضروری چیزیں کیا ہیں: علم، عمل، اخلاص۔

انسان میں علم نہ ہو تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اگر علم آ گیا تو روشنی آ گئی۔ عمل نہیں تو کورا علم کسی کی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا کیونکہ "عمل کرنے والے بھی سب کے سب برباد ہیں، خلوص والے بچیں گے، جنہوں نے سچائی اور اخلاص سے عمل کیا"۔

گویا تین بنیادی چیزیں فرمائی گئیں کہ "انسان ہلاکت اور بربادی سے بچنے والے نہیں ہیں مگر علم والے بچیں گے، علم اور عمل ہی نجات کا ذریعہ بنے گا، خلوص یا محبت نجات کا ذریعہ بنے گا، گویا علم بھی ہوا اسکے ساتھ عمل بھی ہوا اور اس کے ساتھ اخلاص بھی ہو تب جا کر نجات کا ثمرہ پیدا ہوگا"۔

مگر اخلاص کے بعد ایک چیز اور بھی ہے کہ خلوص ہو تو آدمی غور نہ کرے، اترائے نہ، متکبر اور مغرور نہ ہو کہ میں کوئی چیز ہوں، میں نے کوئی عمل کیا اس لیے کہ مدارِ نجات صرف اللہ کا فضل ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا بہت زاہد اور عبادت گزار۔ اُسے خیال آیا کہ بچے اور گھر بار اس کی عبادت میں رکاوٹ ہیں لہذا اُس نے گھر بار چھوڑ کر ایک سمندر کے ٹیلے پر بسیرا کیا اور عبادت کرنے لگا۔ اللہ نے اس جزیرہ پر ایک انار کا درخت اگادیا، وہ عابد ایک انار روز کھا لیتا اور اللہ نے ایک چشمہ ٹھنڈے پانی کا جاری کر دیا، ایک کٹورا پانی روز پی لیا کرتا۔ اُس نے 500 برس ریا سے پاک عبادت کی کہ وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ مرتے وقت اس نے خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ مجھے سجدے کی حالت میں موت دینا تاکہ روزِ محشر تک تیرے حضور سجدے کی حالت میں پڑا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول کر لی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "موت دینا تاکہ روزِ محشر تک تیرے حضور سجدے کی حالت میں پڑا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اُس کی دعا قبول کر لی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ"

اب تک اسکا جسم سجدے کی حالت میں ہے۔" جب اس کی روح اللہ کے پاس پہنچی تو اللہ نے فرمایا کہ "میرے بندے کو میرے فضل سے جنت میں داخل کر دو۔" اس عابد کے دل میں خیال آیا کہ 500 برس کی عبادت اور سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کیا اب بھی اپنے فضل سے جنت میں داخل ہونے کا فرما رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما دیتے کہ اس لیے جنت میں لے جاؤ کہ اس نے اپنا گھر بار بیوی بچے چھوڑے تو کیا حرج تھا۔ میرا دل بڑھ جاتا۔ یہ خیال آنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لے جاؤ میرے بندے کو فلاں طرف"، تھوڑی دیر بعد پیاس کی شدت سے بے حال ہو گیا، ایک ہاتھ نمودار ہوا اور ایک پانی کا پیالہ دکھایا گیا، وہ عابد چلایا، "پانی؟" کہا "قیمت ہے اس کی؟" عابد نے کہا "کیا قیمت ہے؟" کہا گیا "500 برس کی عبادت"، عابد نے کہا "منظور ہے"۔ اور پانی پی لیا۔ حکم الہی ہو "الے آؤ میرے بندے کو میرے پاس"۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا "500 برس کی عبادت تو ایک پیالہ پانی کے عوض ختم ہوئی۔ اب ان بے شمار کنوروں کا حساب دو، جو تم روز دنیا میں پی کر عبادت کیا کرتے تھے اور انار کے ایک ایک دانے کا حساب دو جو تم روز کھاتے تھے اور اس ہوا کا حساب دو جو چلا کرتی تھی اور اس روشنی کا حساب دو جو دنیا میں تمہیں میسر تھی"۔ اب اپنی غلطی کا احساس ہوا اور فوراً پکارا "یا رب یہ ٹھیک ہے انسان صرف تیرے فضل ہی سے جنت میں جاسکتا ہے اور یہ بھی تیرا فضل ہی تھا کہ تو نے 500 برس کی عبادت پانی کی قیمت بنادی اگر تو ایک ہزار برس کی عبادت کہتا تو میں کیا کرتا؟" پھر حکم ہوتا ہے "لے جاؤ اسے اللہ کے فضل سے جنت میں"۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف نجات اللہ کے فضل سے ہے اگر وہ توفیق نہ دے تو آدمی عبادت نہیں کر سکتا، بدن میں جان ہو سب کچھ ہو مگر دل میں ارادہ ہی پیدا نہ ہو ہمت نہ ہو۔ سستی بڑھ جائے۔ وہی تو توفیق دیتا ہے۔ وہی ہمت دے تو ہم سجدہ کر سکتے ہیں، وہ ہمت نہ دے تو سجدہ کیسے کریں؟ تو غرور اور اترانے کے کیا معنی؟ تو حاصل یہ ہے کہ عبادت ہمارے عمل سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے ہے اور فضل کی علامت یہ ہے کہ ہم عمل کر رہے ہیں۔ تو یہ عمل کرنا علامت ہے کہ فضل ہماری طرف متوجہ ہے۔ تو عمل ضروری ہے چونکہ وہ فضل خداوندی کی علامت ہے نجات بے شک اللہ کے فضل سے ہوگی۔ ملائکہ قیامت کے دن یوں کہتے ہوں گے کہ "اے اللہ ہم نے کوئی حق تیری عبادت کا ادا نہیں کیا، ہم تجھے پہچان بھی نہ سکے۔ جیسا کہ تجھے پہچاننے کا حق تھا"۔

تو فرشتے جو لاکھوں برس سے عبادت کر رہے ہیں وہ بھی کہیں گے کہ ہم کچھ نہیں کر سکے اور ہم 24 گھنٹوں کی نعمتوں بھری زندگی میں ایک دو گھنٹے کی عبادت کر کے اگر عبادت پر فخر کریں تو بے کار اور پھر جیسی ہم عبادت کرتے ہیں یہ تو مالک کا فضل و انعام ہے کہ وہ ہماری اس عبادت کو عبادت مان لیتا ہے اس پر غرور کیسا؟ بلکہ اس پر جتنا بھی ہو شکر ادا کرے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم میں سے کسی کا عمل نجات نہیں دلائے گا، اللہ کا فضل نجات دلائے گا"۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! آپ خاتم النبیین ﷺ کا عمل بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کو نجات نہیں دے گا؟"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "مجھے بھی میرا عمل نجات نہیں دلائے گا، جب تک اللہ کا فضل دستگیری نہ کرے اور مجھے اپنی رحمت میں نہ ڈھانپ لے"۔ (صحیح مسلم، جلد 6، حدیث نمبر 7117)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرا عمل نجات دلانے والا نہیں فضل خداوندی نجات دلانے والا ہے"۔

حق تعالیٰ کے سامنے اعترافِ قصور ہی شکر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے حکم دیا "اے داؤد علیہ السلام ہمارا شکر ادا کیا کرو"۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ "اے اللہ جب میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں تو یہ تو ایک نئی نعمت کا اضافہ ہو جاتا ہے جس پر دوبارہ شکر واجب ہے تو تیرا شکر کیسے ادا کروں؟" اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "اب تو نے شکر ادا کر دیا"۔

نجات کے گویا 4 عناصر ہیں: (1) علم (2) عمل (3) إخلاص (4) فضل خداوندی اور فکرِ آخرت

یہ چار بنیادی اصول ہیں جن سے آدمیت بنتی ہے۔

اس طرح انسان کی حقیقی زندگی ان چار چیزوں سے ہے۔

1۔ علم: علم درس گاہوں میں، مکاتیب میں اور علماء کے پاس ملے گا۔

2۔ عمل: عمل کرنے والوں کی ہیئت دیکھ کر ملے گا۔

3۔ خلوص: خلوص والوں کی جماعت دیکھ کر ملے گا۔

4۔ فکر: متفکروں کی جماعت میں بیٹھ کر ملے گا۔

غافل لوگوں کی صحبت غفلت پیدا کر دے گی، بد عملوں کی صحبت بد عملی پیدا کر دے گی، جاہلوں کی صحبت میں جہالت ملے گی۔ تو جیسی صحبت ویسا انجام ہوگا۔

ایمانِ حقیقی

ایمان کیا ہے؟

ایمان اللہ کی وفاداری اور آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصدِ زندگی بنالینے کا نام ہے۔

دین اسلام کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔

1- ایمانیات کا پہلا مجزہ:- اس بات کا ماننا ہے کہ اس دنیا میں انسان کا ایک خالق و مالک ہے۔ جس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے انسان کو تنہا اس معبود کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کی پسند کی راہ پر چلنا چاہیے۔

2- ایمان کا دوسرا مجزہ:- اس بات کو ماننا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چند کہ آج غیب میں ہے مگر ایک روز وہ انسانوں کے سامنے آجائے گا یہ وہ دن ہوگا جب تمام انسانوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس بات کو دیکھا جائے گا کہ انہوں نے گزری ہوئی زندگی میں کیسے اعمال کیے؟ اچھے اعمال والوں کو جنت کی پُر فضا وادی میں ہمیشہ کے لیے بسا دیا جائے گا اور بدکاروں کو جہنم کے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

3- ایمانیات کا تیسرا مجزہ:- یہ ہے کہ غیب کے اس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ انسانوں سے بے تعلق نہیں رہتا۔ بلکہ انسانوں کو اپنی مرضی سے آگاہ کرنے کے لیے انہی میں سے کچھ لوگوں کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ یہ لوگ پیغمبر کہلاتے ہیں۔ جن پر وہ ایک مخلوق فرشتوں کے ذریعے سے اپنا کلام اتارتا ہے۔ پھر یہ پیغمبر اس کلام کو کبھی اپنے الفاظ میں اور کبھی کتابوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اپنے معبود کی مرضی جان سکیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جنہیں توحید، آخرت، رسالت، فرشتے، اور کتابوں پر ایمان کہا جاتا ہے۔

مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے آئیڈیل نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں جس شخص کی زندگی ایمانیات کی بنا پر بدل جائے وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل مومن ہے اور جس کی زندگی نہ بدلے وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوگا۔ چاہے وہ خود کو کتنا ہی مسلمان سمجھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے تک پہنچنے کا ایک نقشہ بھی عطا کر دیا ہے۔ یہی نقشہ پیغمبروں کی راہنمائی کے ذریعے سے انسانوں کو ملتا رہا اور آخری مرتبہ یہ نقشہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے قرآن پاک کی شکل میں تحریری طور پر محفوظ کر کے انسانوں کو دے دیا گیا۔ اس نقشے میں علامات نہیں بلکہ الفاظ کی شکل میں بتا دیا گیا ہے کہ کون لوگ ہیں جو اُس خزانے تک (جنت) پہنچنے میں کامیاب رہتے ہیں؟ سیدھا راستہ کیا ہے؟ اس پر چلنے میں کیا کیا مشکلات آتی ہیں؟ اس راستے کا زور راہ کیا ہے؟ راستہ بھٹک جائیں تو کیا کرنا چاہیے؟ یہ سب اس میں تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا ہے۔

مگر آج بد قسمتی سے انسان اس نقشے کو چھوڑ کر خواہشات کے صحرا اور ابلیس کے چنگل میں بھٹک رہا ہے۔ انسان یہ بھول چکے ہیں کہ وہ عالمِ زیست (دنیا میں) ایک مہم پر بھیجے گئے ہیں۔ اس مہم میں ان کا مقصد زندگی کے اس پار ایک اور دنیا میں موجود فردوس کے خزانے تک پہنچنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کے اس جنگل سے وہ محتاط انداز میں گزریں کیونکہ یہاں قدم قدم پر گناہ کی دلدل ہے۔ ابلیس کے چھوڑے ہوئے شکاری ہیں۔ خزانے کے اس نقشے کو چھوڑ دینا ہر چند کہ تمام انسانیت کی بد قسمتی ہے مگر سب سے بڑھ کر یہ ان لوگوں کی بد قسمتی ہے جن کے حوالے کر کے پیغمبر علیہ السلام دنیا سے گئے تھے۔ اس لیے کہ دوسروں کو یہ سب کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے مگر مسلمانوں کو تو اس بات پر یقین ہے کہ واقعاً یہ قرآن جنت کے پوشیدہ خزانے کا نقشہ ہے۔ دنیا کے دوسرے لوگ تو کل قیامت کے دن یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس خزانے کا یہ نقشہ نہ تھا مگر مسلمان قیامت کے دن کیا عذر پیش کریں گے؟

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور محمد خاتم النبیین ﷺ کا دیا ہوا سب سے عظیم تحفہ ان کے پاس موجود ہے مگر توفیق نہیں کہ اس کو کھول کر پڑھ لیں۔ جنہیں یہ توفیق ہوتی ہے وہ بے سوچے سمجھے اس کو پڑھ کر اور ادب سے کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں اس کو اس طرح پڑھنے کا بھی ثواب ہے۔ کم از کم مالک کے کلام کو پڑھا تو سہی۔ لیکن سمجھ کر پڑھنے والے ہی مقصدِ حیات کو پاسکتے ہیں اور اس چھپے ہوئے خزانے کو پا کر اس کی نشاندہی دوسروں کو بھی کرا سکتے ہیں۔ آج اللہ اور انسانوں سے محبت کرنے والے لوگوں کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اللہ کی اس کتاب کی طرف بلا لیں۔ رسول خاتم النبیین ﷺ کے اس کلام کی طرف بلا لیں۔ اس لیے کہ وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ یہ مہلت عمل ختم ہونے کو ہے اس لیے اس نقشے کی مدد سے اگر فردوس کو نہ پایا تو انجامِ حسرت، نامرادی اور پشیمانی ہوگا۔ اور پھر جہنم کی گہری کھائی ہوگی وہ کھائی جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رونا اور چلانا ہوگا۔ قرآن پاک میں فرمان الہی ہے ترجمہ: "بیشک راہ دکھانا ہمارا ذمہ ہے"۔ (سورۃ اللیل، آیت 12)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کے لیے جو منصوبہ بنایا ہے اور اس حوالے سے جو مطالبات انسانوں سے مطلوب ہیں ان کی طرف انسانوں کی راہنمائی کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ یہ ہدایت ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے اس فطری ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان خالق اور مخلوق کے بنیادی حقوق جان لے اور ان کے معاملے میں درست رویہ اختیار کرے۔ قرآن پاک نے اس فطری ہدایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ توحید کا تصور روز ازل ہی سے انسانی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اَلْکُتُبُ بِرُکْنِہُ (اعراف: 172-7) اسی طرح ہر نفس انسانی میں یہ بات ودیعت کر دی گئی ہے کہ کن چیزوں کو خیر سمجھ کر اختیار کرنا ہے اور کن چیزوں کو شر ہونے کی بنیاد پر ترک کرنا ہے۔ ترجمہ: ”قسم ہے نفس کی اور اسے درست بنانے کی۔ پھر سمجھ دی اسکو بدکاری اور پرہیزگاری (بچ کر چلنے) کی“۔ (سورہ الشمس 7-8)

اسی ہدایت کا نتیجہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان تمام تر انحرافات کے باوجود ایک برتر ہستی کا اعتراف کرتے اور کسی نہ کسی اخلاقیات کی پیروی ضرور کرتے ہیں۔ لیکن فطرت کی یہ پکار چونکہ خاموش ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک زیادہ محکم اور واضح اہتمام بھی کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض انسانوں کو منصب نبوت پر فائز کیا اور انسانیت تک اپنا پیغام پہنچایا اور پھر حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے آخری درجہ میں اپنی ہدایت کے سچا ہونے کا ثبوت پیش کر دیا مگر چونکہ آپ خاتم النبیین ﷺ خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین بھی ہیں اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے سے رونما ہونے والے تمام واقعات کو اپنی لائی ہوئی کتاب قرآن اور حدیث کے صفحات دونوں میں قیامت تک کے لیے رقم کر دیئے۔ ختم نبوت کے بعد اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم آپ خاتم النبیین ﷺ کی سچائی کے ثبوت کو دنیا کے سامنے پیش کریں اب یہی اجتماعی اور انفرادی طور پر ہم سب کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

تمثیل:-

ہو تمام مخلوقات کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک غیر معمولی نعمت ہے۔ مگر جب یہ ہوا تیزی سے چلنا شروع کر دے اور آندھی کی شکل اختیار کر لے تو ایک عظیم قدرتی آفت میں تبدیل ہو جاتی ہے اس کی طاقت کے آگے تمام مخلوقات بے بس ہو جاتی ہیں۔ یہ آندھی انسانوں کو پناہ گاہوں میں چھپنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے قد آور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ سب سے بڑھ کر اس آندھی سے وہ پرندے متاثر ہوتے ہیں جو عام حالات میں ہوا کے دوش پر پر پھیلائے اڑتے پھرتے ہیں۔ مگر آندھی کے بعد یہی ہوا ان کے لیے وبال جان بن جاتی ہے جن لوگوں نے کبھی آندھی کو آتے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہوا کی تیز و تند یلغار ان پرندوں کو بے کسی کی ساتھ گھسیٹتی ہوئی لے جاتی ہے اور آ کر کسی پتھر لی رکاوٹ سے ٹکرا دیتی ہے۔

تاہم پرندوں میں ایک پرندہ ایسا بھی ہے جسے یہ تیز و تند آندھی بے بس کرنے کے بجائے مزید بلند کرنے کا سبب بن جاتی ہے یہ پرندہ عقاب ہے۔ دیگر پرندوں کی طرح عقاب بھی اتنا طاقتور نہیں کہ آندھی جیسی عظیم قدرتی آفت کا مقابلہ کر سکے۔ مگر عقاب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صفت یہ ہے کہ یہ آندھی سے پہلے آنے والے سکوت کو محسوس کر لیتا ہے۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے کہ آندھی آنے سے پہلے ہوا بند ہو جاتی ہے اور ایک گھمبیر خاموشی چھا جاتی ہے۔ عقاب اس اشارے کو سمجھ کر بلندی کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ پھر ہوا کے تیز و تند جھکڑ چلنا شروع ہو جاتے ہیں مگر ان کا زور سطح زمین کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور بلندی پر کم ہوتا ہے۔ عقاب اس نسبتاً کمزور ہوا میں اپنے پر پھیلا دیتا ہے اور پھر یہ ہوا اسے بلند تر کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بلندی کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ تیز ہواؤں کی دسترس سے نکل جاتا ہے اور پھر اپنی مرضی کے مطابق اڑنا شروع کر دیتا ہے۔ عقاب اور دوسرے پرندوں میں یہ فرق نہیں کہ دیگر پرندے آندھی کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور عقاب کر سکتا ہے اصل فرق یہ ہے کہ عقاب کو فطرت کی طرف سے پیش بینی کی وہ صلاحیت نصیب ہے جس کی بنا پر وہ تند و تیز آندھی کے آنے سے قبل ہی اس کی زد سے نکل جاتا ہے اور قابل برداشت ہوا کو استعمال کر کے بلند تر ہو جاتا ہے۔

انسان بھی مصائب اور حوادث کی آندھی کے مقابلے میں اتنا ہی کمزور ہوتا ہے کہ جتنا کہ ایک عام پرندہ۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیش بینی کی ایک غیر معمولی صلاحیت دی ہے جس کے مدد سے انسان اگر چاہے تو اپنے کل کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کے پاس مصائب سے بچنے کا نقشہ موجود ہے یعنی قرآن مجید، موت، بیماری، حادثات اپنی اور بچوں کی آنے والی ضروریات کو اور جوانی اور پھر آخرت کو کوئی بھی انسان زندگی سے نکال تو نہیں سکتا۔ مگر ان کا ایک عمومی اندازہ ضرور قائم کر سکتا ہے اور پھر اس بنا پر انسان کچھ نہ کچھ تیاری کر سکتا ہے۔ مثلاً انسان اپنی غذا کو بہتر بنا سکتا ہے تاکہ بیماریوں سے محفوظ رہے، بچوں کے مستقبل کے لیے بہتر تعلیم کا بندوبست کرتا ہے۔ حادثات و بیماری کے لیے رقم پس انداز کرتا ہے۔ نقشہ کی مدد سے آخرت کی بلندیوں کی نشاندہی کر سکتا ہے انسان کے لیے مصائب کی آندھی سے قبل اگر وہ راستہ درست ہے جو عقاب اختیار کرتا ہے تو اس آندھی کے آجانے کے بعد بھی وہی راستہ درست ہے جو عقاب کا ہے۔ یعنی ہوا کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے پر پھیلا کر خود کو اس کے حوالے کر دینا۔

یعنی حالات جو رخ اختیار کریں ان میں ممکنہ حد تک کوشش کرنے کے ساتھ اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ اس عمل کے نتیجے میں انسان ہمیشہ پر سکون رہتا ہے۔ اس کا نقصان کم ہوتا ہے۔ اور پھر قدرت اپنے قانون کے تحت اس نقصان کی کسی نہ کسی طور پر تلافی کر دیتی ہے۔ قرآن ہمیں مصائب میں ہمت اور صبر کی تلقین کرتا ہے جس کے برعکس پریشان ہونے کا راستہ انسان کو نہ تو کچھ کرنے دیتا ہے بلکہ مزید مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پیش بینی اور صبر کے ساتھ اچھے حالات کا انتظار کرنا، انسان کی اعلیٰ ترین خصلت میں سے ہے۔ یہ صفات نہ صرف زندگی کی مشکلات سے انسان کو بچاتی ہیں بلکہ مشکلات آنے پر بھی انسان کو ثابت قدم رکھتی ہیں۔ ایک اچھا مومن حق کو سمجھنے کے بعد اسے فوراً دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے وہ بلاشبہ زبردستی دوسروں کے سر پر سوار نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت انہیں بات سنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ ان کی مصروفیات اور دلچسپی کی چیزوں میں مغل نہیں ہوتا۔ وہ جابجا لوگوں کے سامنے وعظ و تفریر نہیں کرتا لیکن وہ اپنا عملی نمونہ پیش کرتا ہے اور بات سنانے کا کوئی موقع خالی نہیں جانے دیتا۔ وہ حکمت کے ساتھ ہمیشہ اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے مستعد رہتا ہے۔ یہی ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔ بہترین دعوت تبلیغ کرنے والا ہی بہترین داعی ہوتا ہے جو زندگی میں ہر موقع پر لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کا کام اپنا ذاتی کام سمجھ کر کر دیا۔ کسی کی مالی مدد کر دی، کسی کو سواری پیش کر دی وغیرہ۔ ایسے تمام مواقع پر لوگوں کے دل میں ان کے لیے ایک نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے لوگ دل کی گہرائیوں سے ان کے مشکور ہو جاتے ہیں۔

اب دیکھنا ہے کہ آج کے انسان کا مسئلہ کیا ہے؟

مسلمانوں کے زوال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے پیغام کو بھلا بیٹھے ہیں۔ دولت دنیا اور عیش کو سجدے کر رہے ہیں۔ عیش و عشرت میں ایسے گم ہو چکے ہیں کہ اب لوگ انہیں علم کی بجائے دولت سے ہی پہچانتے ہیں اور ان کی دولت ہی کو سلام کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی دولت پرستی کی روش نے انہیں اب تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ قرآن مجید کا علم حقیقت میں علم کا سمندر بحر بیکراں ہے۔ قرآن مجید کے علوم کا حصول ہر انسان پر واجب ہے اور اس کے علوم کسی ایک انسانی زندگی پر ختم نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ آج کے انسان نے ایمان کی قدر نہ جانی اور صراطِ مستقیم کھودی ہے۔ آج کا انسان اپنا مقصد زندگی اور ایمان کا مفہوم بھول گیا ہے۔ اس طرح یہ زندگی کی شاہراہ پر بے مقصد گھوم رہا ہے۔ اس نے قرآن پاک کے نقشے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ گھوم رہا ہے اس آوارہ گرد کی طرح جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی، جس کا کوئی گھر نہیں ہوتا، جس کا کوئی مقصد نہیں، انسان ایسا کیوں ہو گیا ہے؟ وہ ایمان کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ میں نے اللہ سے کیا عہد کیا تھا؟ اس نے اقرار کیا تھا کہ صرف اللہ ہی اس کا معبود ہے لیکن پھر اس نے اپنی زندگی کی کہانی کے آغاز اور انجام دونوں کو ہی فراموش کر دیا۔ وہ اس کہانی کے صرف اس حصہ سے واقف ہے جو آج اس کے سامنے موجود ہے۔ آج کے انسان کے سامنے صرف اور صرف یہ دنیا ہے۔ اسی دنیا کی خوشیاں، اسی دنیا کے غم، اسی کی لذتیں، اسی کی تلخیاں، اسی کی آسائشیں، اسی کے مسائل، اس کی نعمتیں، اسی کی محرمیاں، اسی کا پانا اور اسی کا کھونا۔ ہم اپنے ایمان کی آزمائش میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟

قرآن پاک کو بھلا کر ایمان کو فراموش کر کے، اس کے نقشے کو نظر انداز کر کے اور اس صراطِ مستقیم سے بھٹک کر انسان نہ دنیا میں بھیجنے والے رب کو یاد رکھتا ہے اور نہ ہی اس آخرت کو جس کی طرف انسان نے ہر حال میں لوٹ کر جانا ہے۔ آج دنیا پرستی کے فتنے نے ہمیشہ سے بڑھ کر انسان کو اپنی منزل مقصود اور اس تک پہنچانے والی صراطِ مستقیم سے غافل کیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو صراطِ مستقیم کا امین کہتے ہیں خود دنیا پرستی کے فتنے کا شکار ہیں۔ ”مجھے پیسہ کمانا ہے تاکہ اچھا سا گھر بنا سکوں۔ مجھے پیسہ کمانا ہے تاکہ اچھی جگہ میری شادی ہو جائے اور میرے بچے اچھی تعلیم حاصل کر سکیں۔ تاکہ معاشرے میں مجھے باوقار مقام مل جائے، تاکہ میری اولاد کا مستقبل سنور جائے۔“ یہ باتیں ہی آج ہمارے معاشرے کے ہر فرد کا نصب العین ہیں۔ ان تمام چیزوں کے حصول کے لیے وہ ہر حد کو توڑ دیتا ہے۔ ہر اصول کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ ہر قدر کو پامال کر دیتا ہے۔ اسے یہ یاد ہی نہیں ہوتا کہ ایک روز اسے مرنا ہے۔ اس کی قبر اس کی منتظر ہے۔ اسے حشر کے روز اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ اسے اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ اور پھر زندگی میں کئے گئے نیک و بد کا حساب دینا ہے جس کی جزا ابدی جنت ہوگی یا پھر خدا نخواستہ جہنم۔ یاد رہے اس دنیا میں ہم ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، سائنس دان ہیں لیکن اگلی دنیا میں یا تو ہم جیتنے والے ہیں یا ہارنے والے۔ دنیا میں اپنی ضروریات، سہولیات اور آسائشوں کے لیے جدوجہد کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ جرم یہ ہے کہ انسان دنیا کے لیے کوشش کرتے وقت اپنی آخرت کو بھول جائے۔ وہ اس کلام کو نظر انداز کر دے جو ہمیں ہمارا مقصد حیات واضح کرتا ہے اس کے مطابق صراطِ مستقیم کیا ہے؟ ہم نے ایمان کا اقرار کن الفاظ میں کیا تھا؟ کیا ہم اپنے ایمان پر قائم ہیں؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جس پر چل کر بندہ اپنے رب کی رضا اور جنت حاصل کر لیتا ہے۔ اس سے مراد لغوی معنوں میں کوئی سیدھا راستہ نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر شخص روزانہ باہر نکلتا ہے۔ آفس، سکول، بازار اس نکلنے میں یہ نہیں ہوتا کہ ہم گھر سے نکلے اور ناک کی سیدھ میں مقرر جگہ پر پہنچ گئے۔ ہمیں کئی موڑ مڑنے پڑتے ہیں۔ نشیب و فراز عبور کرنے ہوتے ہیں۔ بار بار ہموار سڑک چھوڑ کر ناہموار

راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ ہر اچھا اور ہموار راستہ ہماری منزل کی طرف نہیں جاتا۔ جنت کے مسافر بھی اپنے صراطِ مستقیم پر ایسے سفر کرتے ہیں جب حلال و حرام کا کوئی موڑ آئے تو حرام کی تمام تر آسانی کے باوجود اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ خواہش و عریانی کی شاہراہ خواہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو وہ اسے چھوڑ کر پرہیزگاری کی مشکل چڑھائی چڑھتے ہیں۔ جنت کے مسافر راستے کی رنگینوں میں الجھ کر کبھی اپنی منزل کھو یا نہیں کرتے۔ وہ اپنے پاس رکھے ہوئے نقشہ کی پوری طرح پیروی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ”صراطِ مستقیم اپنے نفس کو پاکیزہ کرنے کا نام ہے“۔ نفس کی یہ پاکیزگی کسی کو غار میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ شاہراہ زندگی کو چھوڑ کر مسائل زندگی سے فرار اختیار کر کے یہ پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی۔ یہ پاکیزگی زندگی میں پیش آنے والے اچھے برے حالات میں تقویٰ اختیار کرنے سے ملتی ہے۔ قرآن پاک ہی ہمیں بتاتا ہے کہ یہ پاکیزگی ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے جڑے رہنے سے ملتی ہے۔ پرہیزگاری ایمان پر قائم رہنے سے ملتی ہے۔ جب غصہ آتا ہو، جب حرص کا زور ہو، جب طمع کی بھٹی دیکے، جب ہوس کا غلبہ ہو، جب خواہش ناگ بن کر پھنکارے، جب شیطان اپنے لشکر سمیت دوڑ چڑھے تو جان لینا چاہیے کہ زندگی کے راستے پر کوئی موڑ آ گیا ہے۔ اب فیصلہ کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ جذبات کی پیروی کرنی ہے یا قرآن پاک کی بتائی ہوئی راہ کی؟۔ ہو سکتا ہے یہ راہ مشکل ہو لیکن یہ بہت عارضی سی مشکل ہوگی۔ پہلی صورت میں صراطِ مستقیم سے بھٹک جائیں گے اور دوسری صورت میں ہماری ابدی منزل اللہ کی جنت اور اللہ کی ذات ہمارے قریب آ جائے گی (ان شاء اللہ) اس طرح صراطِ مستقیم جنت کے راستے کا نام ہے جنت سے قریب کر دینے والی ہر شے صراطِ مستقیم ہے۔ زندگی کی ہر آزمائش میں جسے یہ بات یاد رہے کہ وہ مومن (ایمان والا) ہے وہ صراطِ مستقیم پر ہے جسے یہ یاد نہ رہے وہ صراطِ مستقیم سے دور ہے۔ قرآن پاک میں بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ”جنت ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ہے“۔

جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ تک دین کی یہ دعوت پہنچائی تو اس کے جواب میں وہ ایمان لے آئے اور اپنی زندگی کو عمل صالح کے مطابق ڈھالنے لگے۔ آج بھی اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرتا ہے تو ایمان اور عمل صالح کی شرط پوری کرنا اس کے لیے لازم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں وہ ایمان کی شرط سے ہمیشہ خود کو مستثنیٰ (بالا) سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے ایمان کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے خود ہی طے کر دیا۔

قرآن پاک کہتا ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت، وفاداری دکھانے اور آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصد زندگی بنالینے کا نام ہے۔ ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے صرف اور صرف حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے راستہ کو درست سمجھنا ایمان کا دوسرا بنیادی جز ہے۔ مگر بد قسمتی سے ہمارے ہاں کلمہ طیبہ کا زبانی ورد (زبان سے اقرار) ہی ایمان کا ہم معنی سمجھ لیا جاتا ہے یا بہت ہو تو سابقہ اعمال سے توبہ کے بعد تجدید ایمان کا ایک تصور کہیں مل جاتا ہے۔ ظاہر ہے یہ دونوں چیزیں ایمان سے متعلق تو ہیں لیکن اصل ایمان نہیں ہیں۔ اصل ایمان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ کو سامنے رکھا جائے۔ صحابہ کرامؓ ایک ایسی سوسائٹی کے فرد تھے جہاں مذہب کے نام پر ایک عقیدہ موجود تھا۔ اس عقیدہ سے وابستہ مذہبی لوگ کوئی اور نہیں حرم پاک کے متولی اور اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے تھے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تیرہ برس تک ان لوگوں کے سامنے ایمان کی دعوت رکھی۔ دلائل کی بنیاد پر ثابت کیا کہ ان کی عبادت، محبت اور وفاداری کا تنہا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے میرے طریقے کی پیروی کریں گے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حق دار ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے اس دعوت کو قبول کیا اور پھر ہر طرح کی قربانی دے کر اسلام کو اختیار کیا۔ صحابہ کرامؓ کی یہ مثال بتاتی ہے کہ ایمان اصل میں ایک فکری دریافت ہے۔ یہ خدا کی بڑائی میں جینے کا نام ہے۔ یہ پیغمبروں کو اپنا راہ نما سمجھنے کا نام ہے۔ عمل صالح اگر عمل کی آزمائش ہے تو ایمان فکری کی آزمائش ہے۔ جنت اگر عمل صالح کے بغیر نہیں مل سکتی تو ایمان بھی خدا کی بڑائی میں جینے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے بغیر ناممکن ہے۔ اس میں کامیابی کا طریقہ بھی وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ یعنی اپنی ہر وفاداری کا رخ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی طرف کر لیا جائے۔ مسلمان اہل علم کو اپنا راہ نما سمجھا جائے۔ یہی وہ طریقہ ہے جو قیامت کے دن ہمارے ایمان کا سب سے بڑا ثبوت بن جائے گا۔ یہی وہ ایمان ہے جو ہمارے معمولی اعمال کو بھی اللہ کی نظر میں بہت قیمتی کر دے گا۔ کلمہ پڑھ لینا حقیقی ایمان نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے احساس کا وجود پر طاری ہو جانا، اصل ایمان ہے اور حقیقی ایمان اللہ تعالیٰ کی حضوری میں ہر وقت جینے کا نام ہے۔ اور ایسے ہی اللہ کی یاد میں جینے والے مومنین ہیں جنہیں عنقریب اللہ کے پڑوس میں بسادیا جائے گا۔

جنت کا حقیقی مستحق وہ ہے جو قربانی کے درجے میں اس کا طلب گار بنے۔ افسوس آج کا مسلمان تو خواہش کے درجے میں بھی اس کا طلب گار نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان سے بہرور کر دے۔ (آمین ثمرہ آمین)

رب تعالیٰ کی بہترین تخلیق (انسان)

انسان کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا شاہکار ہے۔ انسان کچھ بھی نہیں ہے اور سب کچھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھنا کیسا مشکل کام ہے۔ مگر اس کی صناعتی اور کاریگری کا پیکر جمیل انسان کو سمجھنا کیا کوئی آسان کام ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ناک، کان، آنکھ، سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی قوتیں عقل و شعور کی دولت انسان کو عطا فرمائی ہے۔ دنیا میں اربوں انسان ہیں لیکن خالق کائنات کی مصوری کا کمال ہے کہ ایک آدمی کی سیرت و صورت ناک نقشہ دوسرے سے مختلف ہے۔ ناک، کان، اور آنکھ تو سب کے ہیں لیکن ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ انسان کو دل اور دماغ بھی دیا گیا ہے۔ مگر ہر شخص کے قلب و دماغ کی بصیرت و بصارت، سیرت و کردار جدا ہیں۔ انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک ایسا شاہکار ہے۔ جسے دیکھ کر اس کے بنانے والے کی عظمت و کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (سورہ المؤمنون، آیت نمبر 14)

قرآن مجید میں انسان کے مدارج پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے۔ نطفہ (پانی کی بوند) پھر علقہ (خون کا لوتھڑا) پھر مخلقہ سالم اعضاء بچہ، پھر طفل۔ اس نوع کے انقلابات سے گزار کر جاندار آدمی بنا دیتا ہے۔ پھر اگر وہ اس مرے ہوئے انسان کو دوبارہ زندہ فرما دے تو یہ بات اس کی قدرت سے کس طرح بعید ہے؟ سبحان اللہ رب کائنات ایک بے جان قطرے پر تصویر بناتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔ پھر اس میں روح ڈال دیتا ہے وہ وہی بڑا برکت والا ہے۔ انسان کی یہ زندگی آزمائشوں کی زندگی ہے یہ زندگی انسان کے لئے ایک مشکل امتحان ہے۔ ایک کڑی منزل سامنے ہے۔ آج کے انسان کا یقین متزلزل ہے۔ اس کا ایمان ختم ہو گیا ہے۔ یہ بھوکا ہے مال کا، اسے ڈر ہے غریب ہونے کا، اسے مقابلے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسے مقابلے کی اہمیت سکھائی گئی ہے۔ اور اس تعلیم میں اس کی صفات عالیہ ختم ہو رہی ہیں۔

جب تک انسان اپنے عقیدے کی اصلاح نہیں کرتا وہ اسی طرح سرگرداں رہے گا۔ انسان غور ہی نہیں کرتا کہ بنانے والے نے اسے کیوں بنایا؟ کیا بنایا اور کیسے بنایا؟ انسان غور ہی نہیں کرتا کہ اس کا مقصد زندگی کیا ہے؟ انسان دولت اکٹھی کرتا ہے تا کہ غربی سے بچ سکے اور پھر اس دولت کو خرچ ہی نہیں کرتا کہ غریب نہ ہو جائے۔ اور اس طرح دولت کی موجودگی میں غریبہ زندگی بسر کرتا ہوا آخر ہلاک ہو جاتا ہے۔ انسان ترقی کرنا چاہتا ہے، فیکٹریاں لگاتا ہے، مکان بناتا ہے اور پھر زندگی کو عیش سے گزارتا ہے پھر ایک دن وہ اس فیکٹری اور مکان کو چھوڑتا ہوا ایک مٹی کے تاریک گھر وندے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو جاتا ہے۔ عقیدے کی اصلاح نہ ہو تو انسان زندگی کو بے معنی طریقے سے دوسروں کا مقابلہ کرتے ہوئے گزارتا رہتا ہے۔ عقیدے کی اصلاح یہ ہے کہ ہم یقین کر لیں کہ زندگی دینے والے نے ان تین باتوں کا فیصلہ کر رکھا ہے۔

- 1- عزت اور ذلت کو کشش کے درجے نہیں نصیب کے مقامات ہیں۔ ذرے کو آفتاب کب بننا ہے؟ اور آفتاب کو گرہن کب لگنا ہے؟ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پیدائش کے ساتھ ہی نیک نامی اور بدنامی کے ایام پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب مقابلہ کس بات کا ہے؟
- 2- زندگی کتنا عرصہ قائم رہے گی؟ اور کب ختم ہوگی؟ اسے کوئی حادثہ وقت سے پہلے ختم نہیں کر سکتا اور کوئی احتیاط اس وقت کے بعد قائم نہیں رکھ سکتی۔ جب عرصہ قیام مقرر ہو چکا ہے تو مقابلہ کیا؟ زندگی کا مقام جب موت ہے تو پھر اس دنیا کے لئے اس قدر کوشش اور ہمیشہ کی زندگی سے بے خبری؟ عجب ہے انسان کی یہ بے پرواہی۔
- 3- رزق مقرر ہو چکا ہے۔ مال کا رزق، بینائی کا رزق، عقل کا رزق، ایمان کا رزق، ہر چیز کا رزق۔ ہمیں تو آخرت کی کمائی کے لئے کہا گیا ہے۔ ہمیں تو یہ کہا گیا ہے کہ ”جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے؟“ (سورہ الحشر، آیت نمبر 18) ہمیں تو بتایا گیا ہے کہ ”میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے“ تو اے انسان یہ زندگی ایک مختصر عرصہ ہے۔ ایک محدود قیام ہے۔ ایک قلیل دور ہے۔ اسے بے مقصد دوڑ میں ضائع نہ کرو۔ یہ اتنی محبت سے بنایا جانے والا انسان، یہ محبت سے ملنے والی زندگی، یہ محبت سے ملنے والے انعامات، محبت ہی کے لئے ہیں۔ اسے نفرتوں اور جھگڑوں میں برباد نہ کیا جائے۔ یہ خالق کی اطاعت اور پہچان کا زمانہ ہے۔ اسے مخلوق سے مقابلے، روزی کے مقابلے میں خرچ نہ کیا جائے۔ یہ ایثار اور خدمت کے لئے ہے۔ اسے ہلاکت کی نظر نہ کیا جائے۔ یہ متاع قلیل ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے کہ ”جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھ نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے؟“ (سورہ الحشر، آیت نمبر 18) اسے کافرانہ طرز عمل، کافرانہ طرز حیات کی تمنا میں صرف نہ کیا جائے۔

اے انسان تو اتنا نہ پھیلا نا کہ سمیٹا تیرے لیے مشکل نہ ہو جائے۔ اتنا حاصل کرنا کہ چھوڑنا مشکل نہ ہو جائے۔ اے انسان سکون قلب کے متلاشی، سکون قلب، آسائشوں کے حصول سے نہیں اصلاح ایمان سے حاصل ہوتا ہے۔ ترقی کسی ایسی دوڑ کا نام نہیں جس کے آگے آگے لاچ ہو اور اس کے پیچھے خوف و ندامت، ترقی تو

ٹھہرنے، دیکھنے اور سنبھل کر چلنے کا نام ہے۔ یہ دنیا کی دوڑ کے مقابلے، یہ گردشیں، یہ کوششیں، یہ ہلاکتیں، یہ دنیا کے دھندے کل ایسے ہی چھوڑ کر جانے کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ - ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ

ترجمہ: ”میں نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ پھر کمترین درجہ میں ڈال دیا۔“ (سورہ التین، آیت نمبر 4-5)

کیوں؟ تاکہ جان سکوں کہ کون کیسا عمل کرتا ہے؟ ترقی تو آخرت کی ترقی ہے۔ یہ ایمان کی بڑھوتی ہے جو ایثار اور عمل صالح سے بڑھتی ہے۔ اعمال صالحہ ہی ہمارے خوبصورت اثاثے ہیں۔ اعمال صالحہ رکھنے والے انسان خوبصورت دل رکھتے ہیں۔ خوبصورت دل رکھنے والے خوبصورت احساسات کے مالک ہوتے ہیں۔ مکانات ترقی یافتہ نہیں ہوتے۔ لیکن ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور لیکن انسان ہیں اور انسان کبھی سکون نہیں پاسکتا مگر مالک اور خالق کے تقرب میں تو دنیا کی کوشش اور دنیا کے لئے مقابلے لا حاصل ہوتے ہیں۔ اشیاء کا تقرب ہمیں افراد سے دور لے جا رہا ہے۔ اور اشیاء کے حصول میں مقابلہ کرتے کرتے ہم اپنے آپ سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔ آج کا انسان بہت پریشان ہے۔ یہ بڑے ہی کرب میں مبتلا رہتا ہے۔ زندگی اپنی سادگی کھو چکی ہے۔ ہمارے پاس آسمان کا پیغام آیا۔ ہم نے غور ہی نہیں کیا۔ ہم نے مجبوریوں سے آزاد کرنے والی راہ اختیار ہی نہیں کی۔ انسان جانتا ہے کہ اس کا قیام عارضی ہے اور یہ بھی کہ اس نے ہر شے، ہر شخص، ہر بات اور ہر ادارے کو چھوڑ جانا ہے۔ اسے بتا دیا گیا ہے کہ یہ دنیا کی بستی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ انسان کی اس ہستی کا شجر اس کے اپنے سانس کی آری سے کٹ جائے گا۔

انسان بھول گیا ہے اس عہد کو جو اس نے اپنے رب سے کیا تھا۔ انسان ہر مقام پر سرنگوں ہوتا ہے۔ ہر خوانش پر مرتا ہے۔ ہر جگہ آرزو کا دامن پھیلاتا ہے۔ ہر کوشش کرتا ہے اور اگر نہیں مانگتا تو اس سے نہیں مانگتا جس کے پاس سب خزانے ہیں۔ زمین اور آسمان کے خزانے۔ تقدیر پیدا کرنے والا ہمیں اپنی طرف سے شفقتوں اور رحمتوں کے پیغام بھیجتا ہے۔ اس نے ہمارے لئے اپنی رحمت کی انتہا کر دی ہے۔ اپنے ہی محبوب کو ہمارے لیے ہماری راہنمائی کے لئے بھیجا تاکہ ہم اس زندگی کے کرب اور اس کے بے معنی مجبوریوں اور بے مصرف مصروفیتوں سے نکل کر ”آزادی دل“ کی آزادی کی طرف گامزن ہوں۔ ہم زمین پر رہتے ہیں۔ ہم اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں۔ اور ہمیں جواب آسمان سے آتا ہے۔ لیکن ہم تو ہر وقت گلہ ہی کرتے ہیں۔ ہم تو ہر وقت یہ دنیا ہی مانگتے ہیں۔ ہم تو شکوہ کرتے ہیں۔ شکایت کرتے ہیں۔ خواہشات کا انبار سامنے رکھتے ہیں اور پھر بھی یہ گلہ کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ مجھے سکون نہیں ہے۔ یہ سکون قلب نہ ہونے کا کیسا شکوہ؟ ہم کیوں اس راہ پر نہیں چلتے جو سیدھی راہ ہے؟ ہم اس کے حکم کو کیوں نہیں مانتے؟ زندگی کا حسن خاتم النبیین ﷺ نظروں سے کیا اوجھل ہوا کہ ہم اپنے عظیم محسن خاتم النبیین ﷺ کا احسان بھول گئے۔

ہم اپنے راہنما، اپنے محبوب راہنما کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے؟ یہ دین صرف اور صرف سچے انسانوں کا ہے۔ سچے انسانوں کے لئے ہے۔ یہ سچ کا راستہ ہے، آزادی کا راستہ، ہر جھوٹ سے آزادی، ہر نفرت سے آزادی، ہر مکاری سے آزادی، ہر ریاکاری سے آزادی، ہر تصنع سے آزادی، ہر فریب سے آزادی، ہر ایسی خواہش سے آزادی جو ہمیں بعد میں پریشان کرے۔ ہم اپنی پریشان نظری کا علاج نہیں کرتے۔ ہماری ایک معمولی سی خواہش دماغ کو پریشان کر کے رکھ دیتی ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اے انسان مالک کا حکم نہ مان کہ تجھے بڑے حکم ماننے پڑیں گے۔ ہم اگر اس کی اطاعت نہ کریں تو بڑی بڑی اطاعتیں کرنی پڑیں گیں۔ اس کو سجدہ نہ کر کے، ہم اپنی آرزو کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ جب تک اللہ سے وابستہ نہ ہوں گے ہم آزاد نہیں ہو سکتے۔ ایک ذات کی غلامی سے ہزار غلامیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ آسمان ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارے اشارے کے ساتھ ساتھ شرط یہ ہے کہ ہم اس کے ساتھ ہو جائیں۔ یعنی اپنے مالک کے ساتھ۔ زمین والے اگر آسمان والے کے ساتھ تعلق نہ رکھیں تو آسمان کی گرفت میں ہیں اور اگر زمین والے اس کے ساتھ ہو جائیں تو آسمانوں کے وسعتیں ہماری گرد پا ہو جائیں۔ اللہ کے محبوب زمین پر ہوں تو آسمان اس زمین پر نثار اور اگر اللہ کے باغی چاند پر پہنچ جائیں تب بھی وہ گرفت میں ہیں۔ شدید گرفت میں۔ انسان ہنستا ہے خوش ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی پر ناز کرتا ہے اور اس دوران کسی نامعلوم وجہ سے اس کی ہنسی آنسوؤں میں بدل جاتی ہے۔ خوشی رخصت ہو کر غم میں بدل جاتی ہے۔ کبھی مبارک قبول کرتا ہے اور کبھی مبارک دینے والے ہی تعزیت کرنے آتے ہیں۔ یہ تعزیرات ہیں ہر انسان کے سر پر کتبہ گڑھا ہوا ہے۔ کون کس کی تعزیت کرے گا یہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن ایک دن کوئی اس کی بھی تعزیت کرے گا۔ یہ انسان جاننے کے باوجود بھی بے خبر رہتا ہے۔ کوئی خوف نہیں، کوئی فکر نہیں، کوئی تیاری نہیں، کوئی عبادت نہیں، کوئی ریاضت نہیں، یاد رکھیں یہ دنیا ٹھہرنے کا مقام نہیں ہے، یہ مسلسل تبدیلی کا نام ہے۔

مستقل تغیر، ہمہ حال نیا حال اس میں کوئی قرار نہیں ہے۔ اس میں کوئی امان نہیں، انسان کرسی پر بیٹھا بیٹھا بوڑھا ہو جاتا ہے۔ انسان اس کے لئے کوئی عمل نہیں کرتا۔ لیکن یہ عمل ہوتا رہتا ہے۔ یہ عمل جاری ہے اور جاری رہتا ہے اور جاری رہے گا جب تک یہ زندگی چل رہی ہے۔ یہ بچپن کل کی بات تھی، یہ جوانی کہاں گئی یہ جوانی اور

اس کی قوتیں، پھر بڑھاپا۔ بوڑھے انسان کے پاس مستقبل کے منصوبے نہیں ہوتے صرف اور صرف ماضی کی حسرتیں رہ جاتی ہیں۔ کاش جوانی کی طاقت سے یہ کام لیا ہوتا، کاش دنیا میں عمل کر لیے ہوتے، کاش ہم آنے والے کل کی تیاری کرتے اور کاش ایسا نہ ہوتا، ایسا نہ کیا ہوتا۔ اور لیکن کاش ایسا کیا ہوتا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اب کہاں گئی وہ جوانی کی طاقت اور وہ وقت۔ انسان جب سفر کا آغاز کرتا ہے تو اس کے سامنے کتنے ہی راستے ہوتے ہیں۔ وہ مختلف راستے اختیار کرتا اور آہستہ آہستہ انہیں ترک کرتا رہتا ہے۔ پھر ایک صبح اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پاس تو صرف اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔ ہر انسان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کشادہ سڑکیں کم ہوتے ہوتے تنگ گلی تک آ جاتی ہیں۔ اور یہ تنگ گلی ایسی ہے کہ انسان مڑ ہی نہیں سکتا۔ واپس نہیں جاسکتا اور پھر یہ آزاد انسان، طاقت ور انسان، مغرور انسان، اب ایک مجبور انسان، کمزور انسان اور مسکین انسان بن جاتا ہے۔

پھیلے ہوئے خیالات، پھیلے ہوئے پروگرام، پھیلے ہوئے تجارتی معاہدے سب سمٹ جاتے ہیں۔ ہر حال بدل جاتا ہے، ہر لمحہ نیا ہے اور آخر کار اتنی قدرتوں والا انسان اپنی بے بسی کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اور موسم بدلتے بدلتے آخری موسم آ جاتا ہے۔ جس کے بعد کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ کائنات ہر حال میں بدلتی ہے بس ایک جگہ ہے جو چل رہی ہے۔ ایک زندگی نئی زندگی کو جنم دیتی ہے اور رنگ بنتے اور رنگ مٹتے ہیں۔ ایک رنگ جو ہمیشہ قائم رہتا ہے وہ ہے اللہ کا رنگ۔ اس کا جلوہ اللہ ہر دن اپنی نئی تابانیوں کے ساتھ قائم کرتا ہے۔

کائنات بدلتی ہے اور کائنات کو تبدیلیاں عطا کرنے والا قائم اور دائم ہے۔ جوں کا توں۔ اس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ اضافہ۔ وہ اپنے جلوؤں میں باقی رہتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر تبدیلی ہر تغیر پیغامِ فنا ہے۔ ہر رنگ عارضی ہے، ہر اختیار بے بسی ہے۔ ہر حاصل محرومی ہے۔ ہر ہونا نہ ہونا ہے۔ ہم سے کوئی ہماری عمر پوچھتا ہے تو ہم گزری ہوئی عمر بتا دیتے ہیں۔ جو گزر گئی جواب اپنے پاس نہیں۔ جواب واپس نہیں آئے گی۔ اس کو شمار کرتے رہتے ہیں۔ اسے گنتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہماری اصل عمر تو وہ ہے جو باقی ہے۔ وہ عمر دھیان میں رکھنی چاہیے اور اس کے حساب سے اعمال کرنے چاہئیں۔ انسان سمجھتا ہی نہیں ہے، سوچتا ہی نہیں، فکر ہی نہیں کرتا؟ تبدیلیوں کے عارضے میں مبتلا انسان غور کیوں نہیں کرتا۔ وہ غور کیوں نہیں کرتا کہ اس کی زندگی اور اس کے گرد و پیش کی تمام کائنات سب عارضی اور فانی ہے۔ یہ قافلہ ٹھہر نہیں سکتا۔ ہر ذرہ ٹپ رہا ہے کہ مر رہا ہے۔ تغیر کو ثابت ہے لیکن یہ ثابت بھی متغیر ہے۔ اصل ثابت اس کے لئے ہے جو ذات ذلّال والا کریم ہے۔ باقی سب وہم ہے۔ خیال کی بدلتی ہوئی محفل، باقی سب آرائش و جمال کائنات کا حسن ہے۔ لیکن یہی کائنات کا راز ہے اور یہ راز ان انسانوں پر آشکار ہوتا ہے جو یہ سمجھ لیں کہ ”اول و آخر فنا، ظاہر و باطن فنا“

تمثیل (چوہا):۔ جینیاتی طور پر چوہا ایک ایسا جانور ہے جو انسانوں سے بہت قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس دان جب انسان کی بیماریوں پر تحقیق کرتے ہیں تو بالعموم چوہوں کو تختہ مشق بناتے ہیں۔ ان میں بیماریوں کے جراثیم داخل کئے جاتے ہیں اور پھر مختلف تجرباتی دوائیاں اور دیکسین وغیرہ دے کر ان کے نتائج دیکھے جاتے ہیں۔ تاکہ قیمتی نتائج کی جانچ کی جاسکے۔ شاید اسی جینیاتی مماثلت کا نتیجہ ہے کہ چوہے گھروں میں گھس کر انسانی غذائیں مثلاً روٹی، چاول، دالیں اور انسانوں کے کھانے پینے کی ہر چیز کو کھا جاتے ہیں اور کھاتے کم کترتے زیادہ ہیں۔ اس لئے انسان انہیں سخت ناپسند کرتا ہے اور ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتا ہے۔ آج کل چوہوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک نئی قسم کا ٹریپ استعمال کیا جاتا ہے، اس میں انسانی غذا مثلاً روٹی، چاول، نمٹا وغیرہ کی انتہائی تیز خوشبو اٹھ رہی ہوتی ہے۔ اس کی ایک سائیڈ خالی ہوتی ہے اور دوسری سائیڈ پر ایک انتہائی طاقتور لگو (ایک اچھی قسم کی گوند) لگا ہوتا ہے۔ یہ ٹریپ رات کے وقت چوہوں کی آمد و رفت کے راستے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اندھیرا ہوتے ہی چوہے خوشبو کے پیچھے دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور اس پر چڑھ جاتے ہیں۔ مگر پھر انہیں اس سے اتنا نصیب نہیں ہوتا۔ کیونکہ انتہائی طاقتور لگو ان کے پاؤں جکڑ لیتا ہے۔ عام چوہے دان ایک چوہے کو پکڑ کر غیر موثر ہو جاتا ہے مگر یہ ٹریپ خوراک کی خوشبو کے پیچھے آنے والے مزید چوہوں کا شکار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ٹریپ میں جگہ ختم ہو جائے یا چوہے ختم ہو جائیں یا رات ختم ہو جائے۔ پھر صبح اس قید خانے کو چیتنے چلاتے قیدیوں کے ساتھ اٹھا کر کوڑے دان میں پھینک دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ جان سے چلے جاتے ہیں۔ مگر اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتے۔

یہ عجیب سانحہ ہے۔ یا شاید یہ بھی جینیاتی مماثلت کا اثر ہے کہ اتنی ہوشیاری سے چوہوں کا شکار کرنے والا انسان خود بھی اکثر ایک ”چوہا“ ثابت ہوتا ہے۔

جنس اور پیٹ کے تقاضے، اولاد کی محبت، مال کی حرص، شہرت کا نشہ، اقتدار کی ہوس، معاشرے میں بلند سیٹھیں کی تمنا، وسیع بینک بیلنس، بڑی بڑی جائیدادیں، ترقی کرتے ہوئے کاروبار، چلتے ہوئے کارخانے، نئے ماڈل کی چمکتی ہوئی گاڑیاں، عالیشان گھر، فارن ٹریپس اور نہ جانے کیا کچھ، یہ سب انسان کے لئے اکثر اوقات چوہے دان ثابت ہوتے ہیں۔ جنہیں انسان کا شکاری بلیس اس کی راہ میں رکھ دیتا ہے۔ ان چیزوں کی کشش میں انسان پیغمبروں سے انگلی چھڑا کر دیوانہ وار ان کی طرف بھاگتا ہے، قرآن پیچھے سے آوازیں دیتا رہ جاتا ہے۔ ”یہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے تمہارے لیے اللہ کے پاس اس سے بہت بہتر ٹھکانہ ہے۔“ مگر کون پلٹ کر دیکھتا

ہے؟ انسان خواہشات کی ایک فہرست بناتا ہے اور اس کے پیچھے دوڑ لگا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو پالیتا ہے۔ مگر عین اسی لمحے حالات کا ”گلو“ اسے جکڑ لیتا ہے۔ خواہشات کی محدود فہرست ایک لامحدود چکر میں بدل جاتی ہے۔ وہ لاکھ سرچشموں کے لئے ناممکن ہوتا ہے کہ وہ اس چکر سے نکل جائے۔ پھر جو بچتا ہے وہ درحقیقت ایک چلتی پھرتی لاش ہوتی ہے جس سے اٹھنے والے لعین کو ہم جیسے لوگ شاید محسوس نہ کرے۔ مگر اللہ کے فرشتے ان لوگوں کے پاس سے ناک بند کر کے گزر جاتے ہیں اور آخر کار موت اس کا مقدر ہو جاتی ہے۔ نیکی کے فرشتے ایسے لوگوں کے پاس تک سے نہیں گزرتے۔ صرف وہ فرشتے گزرتے ہیں جن کا کام ایسے چوہوں کو وقت آنے پر اٹھا کر جہنم کے کوڑے دان میں پھینکنا ہوتا ہے۔

انسانوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک کے بعد ایک اس ٹریپ میں پھنسنے چلے جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پہلا ”چوہا“ وہاں مڑے کر رہا ہے۔ اس کی دیکھا دیکھی وہ بھی اپنا حصہ وصول کرنے کے لئے اس دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر بالآخر سب کا ایک ہی انجام ہوتا ہے۔ البتہ وہ انسان جو خواہشات کے اس جال سے بچ کر نکل جائیں ان کا استقبال پروردگار عالم خود یوں کرتا ہے ”اے نفس مطمئنہ، لوٹ چل اپنے رب کی طرف کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔“

اے انسانوں اے چوہوں کو پکڑنے والو اپنے چوہے دان کو پہچانو جو تمہارے شکاری ابلیس نے اس آخری دور میں نت نئے چوہے دان بنائے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی روز اس جال میں جکڑے جاؤ اور تمہیں خبر ہی نہ ہو۔ اپنے حصے کی روٹی کی تلاش میں اپنے محسن نبی خاتم النبیین ﷺ سے انگلی مت چھراؤ۔ کبھی تو اللہ کی اس کتاب کو بھی پڑھ لو جس میں مالک نے ہمیں اس دنیا کی کامیابی کو ایک دھوکا قرار دیا ہے۔ اصل کامیابی تو آخرت کو حاصل کر لینا ہے۔ زندگی کی شام ڈھلنے کو ہے، اے نادان انسان کیوں اس فانی دنیا کے لئے ابدی آخرت کو داؤ پر لگا رہے ہو۔ کیوں عارضی لذت کے لئے بے مثل جنت اور بے مثل ہستی کو نظر انداز کر رہے ہو؟ یاد رکھو کہ بس

دو چار روز اور ہے خوابوں کا سلسلہ

پھر ابد تک رہے گا عذابوں کا سلسلہ

2- تمثیل (مچھر): انسانوں کو اذیت دینے والے حشرات میں مچھر کا نام بھی بہت نمایاں ہے۔ یہ نہ صرف انسانوں کا خون چوستے ہیں بلکہ اس عمل سے انسانوں کو ایک غیر معمولی تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔ خون چوسنے اور تکلیف پہنچانے کے علاوہ مچھر بعض جان لیوا بیماریوں کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ جیسے ملیریا، زرد بخار اور ڈننگی وغیرہ۔ پھر یہ انسانوں کو سوتے میں بھی جاگتے میں بھی کاٹ لیتے ہیں۔ یہ کام اتنی آہستگی سے کرتے ہیں کہ انسان کو اس کی واردات کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب یہ جلن کی نشانی پیچھے چھوڑ کر اڑ چکا ہوتا ہے۔ تاہم کوئی مچھر اگر خون پی پی کر بہت موٹا ہو جائے، یا خون چوسنے کے عمل میں بالکل غافل ہو جائے تو انسان کا تیز رفتار حملہ اسے کچل کر رکھ دیتا ہے۔ خون چوسنے میں حد سے زیادہ انہماک اور غفلت جس طرح مچھر کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ اس طرح دنیا کمانے میں حد سے زیادہ انہماک اور غفلت انسان کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آزمائش کے لئے بنایا ہے۔ اسباب دنیا اس کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن جب انسان آخرت کو بھول کر دنیا کے حصول کو اپنا مقصد بنالیتا ہے تو پھر غفلت کا پیدا ہونا لازمی ہے۔

اسباب زندگی کا ایک حد سے زیادہ انسان کے پاس اکٹھا ہو جانا اسے شیطان کے لئے ترنوالہ بنا دیتا ہے اور پھر انسان کو مختلف بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ رزق حرام، لالچ، تکبر، بخل، اسراف، اور ان جیسے ان گنت ہتھیار شیطان اپنے ہاتھوں میں لیے انسان کا شکار کرنے کو بیٹھا ہے۔ دنیا کو مقصود بنا لینے والا غافل انسان شیطان کا سب سے بڑا اور سب سے آسان ہدف ہوتا ہے اور مچھر جیسا یہ غافل انسان شیطان کے پہلے حملے ہی میں اپنی آخرت گنوا بیٹھتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ترجمہ: ”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے“ (سورہ فرقان، آیت نمبر 43)

سورہ جاثیہ، آیت نمبر 23 میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: ”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا۔“

3- تمثیل (مکھی): قرآن پاک میں سورہ نحل، آیت نمبر 68 خاص طور پر یہ بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: ”ہم نے شہد کی مکھی کو اسکے پورے کام کرنے کے (عمل کو) وحی کیا ہے۔“ شہد انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ شہد کی مکھی فطرت کے دسترخوان سے ان گنت پھولوں کا رس چوستی ہے اور پھر اسے شہد میں تبدیل کر کے انسانوں کے لیے فراہم کرتی ہے۔

شہد کی مکھی کے برعکس گھروں میں پائی جانے والی مکھی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ یہ مکھی عام طور پر گندگی اور غلیظ چیزوں پر بیٹھتی ہے۔ اور مختلف قسم کے جراثیم وہاں سے اٹھا

کر انسانوں کے کھانے پینے کی چیزوں میں شامل کر دیتی ہے۔ مکھیوں کے ان دونوں اقسام کی طرح انسانوں کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

1۔ ایک انسان وہ ہوتے ہیں جو شہد کی مکھی کی طرف پھولوں اور اسکے رس میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انسانوں سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ پر محض ظن اور گمان کی بنیاد پر لوگوں کے متعلق رائے دینے سے پرہیز کرتے ہیں۔

2۔ اس کے برعکس دوسری قسم کے لوگ گندگی کی مکھی بننا پسند کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں سے ہمیشہ بدگمانی رکھتے ہیں۔ وہ پہلے چن چن کہ اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہر بات کے منفی پہلو تلاش کرتے ہیں۔ اور پھر اپنی اس عادت میں اتنے پختہ ہو جاتے ہیں کہ بعد میں انہیں انسانوں میں صرف عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔ وہ بغیر تحقیق دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرتے اور بغیر ثبوت الزام دھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دلچسپی انسانوں کے نقائص، عیوب، کمزوریوں اور خامیوں کو تلاش کرنا ہوتا ہے۔ یہ انسانوں کی کمزوریوں، عیوب اور نقائص کو معلوم کر کے ہر طرف پھیلاتے رہتے ہیں۔

1۔ پہلی قسم کے لوگ اپنے حسن ظن کی وجہ سے معاشرے کو عمل حسن نظر کا شہد دیتے ہیں۔

2۔ جبکہ دوسری قسم کے لوگ معاشرے کو صرف اور صرف بیماریاں دیتے ہیں۔

معاشرے میں الزام، بہتان، غیبت، تضحیک اور انسانوں کے تمسخر اور تذلیل کی بیماریاں ایسے لوگوں کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔ اس لیے یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھیں کہ آیا وہ زندگی کو شہد کی مکھی کے اصول پر گزار رہا ہے یا کہ گندگی کی مکھی کی طرح وہ غلاظتوں کا اسیر بن کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا تیار کیا ہے؟

فطرت کا ایک قانون ہے وہ ڈھیل دیتا ہے۔ پھر کوئی متکبر بن جاتا ہے، کوئی عاجزی اختیار کر لیتا ہے۔ تقرب الہی دراصل انسانوں کی خدمت کا نام ہے۔ وہ شخص جھوٹا ہے جو انسانوں سے نفرت کرتا ہے اور اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ انسان مال جمع کرتا رہتا ہے اور اس کے بینک بھرتے رہتے ہیں لیکن دل خالی رہتا ہے۔ انسانوں نے آسمانوں کے راستے دریافت کیے ہیں لیکن انہیں دل کے راستے نمل پائے۔ برائی اور برے اعمال دیک کی طرح ہوتے ہیں باہر سے کچھ نہیں بدلتا، اندر سے سب کچھ مٹی ہو جاتا ہے۔ انسان سے وہی محبت کر سکتا ہے جس پر خدا مہربان ہو۔

ایسا انسان جو اخلاقی حسن رکھتا ہے۔ ماں باپ کا حق پہچانتا ہے۔ اس کے تمام تر نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی تمام نعمتوں کو انسان کے لئے بنایا۔ لیکن انسان کو اپنے لئے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کو پیدا کرنے والا، اس کو رزق دینے والا، اس کا خالق وہ ہے جو انسان کو ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ مگر یہ غافل انسان رب کی تمام تر نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجود اسے بھولے رہتا ہے۔ کتنا عجیب ہے وہ مہربان اور کتنا عجیب ہے یہ نافرمان۔

”اے پاک پروردگار! ہم نے تیرے سب سے محبوب حکم میں تیری اطاعت کی۔ اس بات کی شہادت میں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو تھا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد خاتم النبیین ﷺ تیرے رسول ہیں اور ہم تیری سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز تیرے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے دور ہوں۔ اے ہمارے رب تو حید اور شرک کے بیچ میں جو غلطیاں ہم سے ہو گئی ہیں تو انہیں معاف فرما دے۔ آمین یا رب العالمین“۔

پردہ

پردے کی مخالفت کرنے والے دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

(1) ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جن کی اسلام پر چلنے کی نیت ہی نہیں ہے، ان لوگوں کو تمام خوبی بہتری اور ترقی، یورپ اور امریکہ کے اتباع میں نظر آتی ہے۔ بے غیرتی، بے حیائی اور بے شرمی کو ہنر اور کمال سمجھتے ہیں۔

قرآن وحدیث کے احکام وتعلیمات کو فرسودہ اور قدیم خیال کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مسلم گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے ماحول میں رہتے ہیں اس لیے نہ تو یہ کہنے کی ہمت کرتے ہیں کہ ہم نے اسلام کو خیر آباد کہا، اور نہ واضح طور پر قرآن کی تکذیب اور جھٹلاتے ہیں۔ البتہ پردے کے خلاف بے تکلی باتیں کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں "پردہ ملا کی ایجاد ہے" کبھی کہتے ہیں "قرآن میں پردے کا حکم ہی نہیں ہے"، کبھی پردے کے حامیوں پر حقارت آمیز پھبتیاں کستے ہیں اور کبھی عورتوں کو پردے کے خلاف اُکساتے ہیں۔ قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرنا اور پھر یہ کہنا "قرآن تو احکام حجاب سے خالی ہے"۔ جھوٹ اور باطل ہے۔

(2) دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے بنگلوں اور کوٹھیوں پر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور قرآن وحدیث کے ترجمے بھی دیکھ لیتے ہیں، ان میں بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے سکولوں اور کالجوں میں تھوڑی بہت عربی بھی پڑھ لی ہے یہ لوگ اس دور کے "نیم ملا" ہیں۔ ان لوگوں کا یہ کہنا ہے "اسلام میں پردہ ہے تو سہی لیکن ان کے سخت احکام مولویوں نے ایجاد کئے ہیں"۔ جن لوگوں کے دلوں میں تھوڑا بہت اسلام باقی ہے ان کو راہِ حق سے ہٹانے کے لیے شیطان نے یہ نئی چال چلی ہے۔ کہ "ہر ایسے حکم کو جس کو ماننے سے نفس گریز کرتا ہو مولوی کا بنایا ہوا بتا دیتا ہے" اور اس بات کو باور کروانے والے اس دھوکے میں پڑے رہتے ہیں "ہم نے تو نہ اسلام کو جھٹلایا ہے نہ قرآن سے پہلو تہی کی ہے بلکہ مولوی کے غلط مسئلے کا انکار کیا ہے"۔

یہ عجیب تماشا ہے کہ جس مسئلہ پر عمل نہ کرنا ہو اُس سے بچنے کے لیے "ایجاد مولوی" کا بہانہ پیش کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نماز روزہ وغیرہ کے جن مسائل پر عمل کرتے ہیں وہ بھی عام لوگ مولویوں ہی سے سیکھتے ہیں لیکن چونکہ ان سے گریز کرنے کی نیت نہیں ہوتی، اس لیے ان کو صحیح مان لیتے ہیں۔

پردے کے متعلق آیات مبارکہ

سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 32، 33 میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ "اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) کی بیویوں تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تم (نامحرم مرد سے) بولنے میں نزاکت مت کرو کیونکہ اس سے ایسے شخص کو میلان قلبی ہو جائے گا جس کے دل میں روگ ہو بلکہ تم قاعدے کے موافق بات کرو (جیسا پاکباز عورتیں اختیار کرتی ہیں)، اور تم اپنے گھروں میں رہو اور زمانہ قدیم کی جہالت کے موافق بے پردہ ہو کر مت پھر نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو"۔

ان آیات میں اوّل تو یہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی غیر محرم سے ضرورتاً بات کرنی پڑے تو گفتگو کے انداز میں نزاکت اور لہجے میں جاذبیت کے طریقے پر بات نہ کرو۔ عورت کی آواز میں طبعی اور فطری طور پر نرمی اور لہجے میں دل کشی ہوتی ہے۔ پاک نفس عورتوں کی یہ شان ہے کہ غیر مردوں سے بات کرنے میں روکھاپن اور سختی رکھیں تاکہ بد باطن کا قلبی میلان نہ ہونے پائے۔

دوسرا یہ ارشاد ہے "تم گھروں میں رہو"، اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے گھروں سے نکلنا جائز ہے، لیکن پردے کے اہتمام کے ساتھ جبکہ بلا ضرورت پردے کے ساتھ بھی باہر نکلنا اچھا نہیں ہے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ زمانہ قدیم کی جہالت کے مطابق بے پردہ ہو کر مت پھرو، زمانہ جاہلیت سے مراد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہے اُس زمانے میں عورتیں بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ بلا جھجک بازاروں گلی کوچوں اور میلوں ٹھیلوں میں بے پردہ ہو کر پھرا کرتی تھیں۔ بن ٹھن کر نکلتی تھیں، حُسنِ جمال کو ظاہر کرتی تھیں۔ گلے میں دوپٹہ ڈال لیا ایسا کہ نہ سر چھپایا، نہ چہرہ، نہ سینہ، مردوں کی بھیڑ میں گھس جاتیں، نہ اپنے پرانے کا امتیاز نہ غیر محرموں سے بچنے کی کوشش۔ یہ تھا جاہلیت کا رواج اور آج کل بے پردہ مجتہدین ایسی ہی جاہلیت اولیٰ کو ترقی دینا چاہتے ہیں جس کے مٹانے کو قرآن کریم نازل کیا گیا۔ بعض لوگ مندرجہ بالا آیات کے بارے میں یہ بات کہتے ہیں "یہ آیات تو نبی خاتم النبیین ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں"۔

تو یاد رکھیں کہ قرآن پاک پورے کا پورا نبی خاتم النبیین ﷺ کو مخاطب کر کے اُتارا گیا ہے۔ تو کیا نبی خاتم النبیین ﷺ کے لیے قرآن پاک اُترا

ہے؟ مخاطب نبی خاتم النبیین ﷺ ہیں لیکن نبی خاتم النبیین ﷺ کی وساطت سے پوری اُمت محمدی خاتم النبیین ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ قرآن کا خطاب عام ہے، دوسرے یہ کہ مندرجہ بالا آیات کے بارے میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ اور تبع تابعینؓ نے تو یہ نہیں کہا کہ یہ خطاب تو نبی خاتم النبیین ﷺ کی بیویوں سے ہے، یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ان آیات کا حکم امت کی تمام ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لیے ہے۔ ایک عام انسان بھی جسے خُدا کا خوف ہو ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگا کہ جب ازواجِ مطہرات کے لیے یہ حکم ہے کہ زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق (حالانکہ اُن کو تمام مومنین کی مائیں فرمایا ہے) گھروں سے نہ نکلو تو اُمت کی دوسری عورتوں کے لیے بے پردہ ہو کر گھروں سے نکلنا، کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ شرف اور احترام کے باعث اُمت کی نظریں جن مقدس خواتین پر نہیں پڑ سکتیں تھیں اُن کو بھی گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے تو جن عورتوں کی طرف قصدِ خراب نظریں اٹھائی جاتی ہیں اور خود یہ عورتیں بھی مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ تو اُن کو جاہلیتِ اولیٰ کے طریقے پر باہر نکلنے کی کیسے اجازت ہوگی؟

کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خاندانِ نبوت کی چند خواتین کو چھوڑ کر اُمت کی کروڑوں عورتوں کو قدیم زمانے کی جاہلیت کی طرح باہر پھرنے کی اجازت قرآن شریف کی طرف سے دی گئی ہو؟ آیات مذکورہ میں جو احکام مذکور ہیں۔ ذرائعِ فساد کو روکنے کے لیے ہیں اور ظاہر ہے کہ دوسری عورتیں ان ذرائع کے روکنے کی زیادہ محتاج ہیں۔

سورۃ احزاب آیت نمبر 59 میں ارشاد ہوتا ہے

ترجمہ: "اے نبی (خاتم النبیین ﷺ) اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں، اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ (جب ضرورت پر گھروں سے باہر جانا پڑے) تو اپنے (چہروں) (اوپر) (بھی) چادروں کا حصہ لٹکا لیا کریں (چہروں کے) یہ قریب تر ہے کہ اس سے جلد پہچان لی جائیں گی تو اُن کو ایذا نہ دی جائے گی۔"

زمانہ جاہلیت میں جب منافقوں کا زور تھا تو یہ منافق مدینہ منورہ کی گلی کو چوں میں گزرنے والی خواتین کو چھیڑا کرتے تھے۔ جب ان سے اس سلسلے میں باز پرس کی گئی تو کہنے لگے "ہم تو صرف باندیوں کو چھیڑتے ہیں۔" ان نالائقوں کا یہ حیلہ بھی غلط تھا چونکہ غیر شریفانہ حرکت تو باندیوں کے ساتھ بھی کرنا درست نہیں ہے لیکن چونکہ اس وقت مسلمانوں کو پورا اختیار حاصل نہ تھا اس لیے منافقین پر کوئی سزا جاری کرنے کا موقع نہ تھا۔ اس لیے آزاد عورتوں کو حکم دیا گیا کہ خوب اچھی طرح پردے کا اہتمام کریں۔ چہرے پر بڑی چادر (جسے عربی میں جلباب کہتے ہیں اور اس کی جمع جلابیب ہے) کا ایک حصہ چہرے کے قریب کر کے لٹکا لیا کریں تاکہ خوب واضح طور پر معلوم ہو جائے کہ آزاد عورتیں گزر رہی ہیں۔ پھر منافقین کو یہ بہانہ نہ ہوگا کہ ہم نے تو باندیوں کو چھیڑا تھا۔ مسلمانوں کے پوری طرح اقتدار اور اختیار کے بعد اللہ تعالیٰ نے باندیوں کی حفاظت کا بھی بندوبست کر دیا۔ مندرجہ بالا آیات میں چند باتیں پوری طرح واضح کر دی گئی ہیں۔

(1) نبی خاتم النبیین ﷺ کی بیویوں کے علاوہ عام مسلمان عورتوں کا بھی نام لے کر اللہ تعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں خطاب کیا ہے، دوسری چیز جو اس آیت سے ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ پردہ کے لیے چہرے پر چادر لٹکانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے دعوے کی بھی تردید ہوگی جو کہتے ہیں عورتوں کو چہرہ چھپا کر نکلنے کا حکم اسلام میں نہیں ہے، تیسری چیز جو اس آیت سے واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ پردے کے لیے "جلباب" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جسے عورتیں اپنے پہننے کے کپڑوں کے اوپر لپیٹ کر باہر نکلتی ہیں۔

قرآن پاک کی ان آیات بالا میں حکم اس طرح ہے کہ عورتیں جس طرح جلباب کو اعضاءِ جسم پر پہنے ہوئے کپڑوں پر لپیٹتی ہیں۔ اسی طرح چہروں پر بھی اس کا ایک حصہ لٹکالیں، اس طرح چادر لپیٹنے کا رواج بعض علاقوں میں اب بھی ہے۔ برقعہ کے اوپر نقاب، جلباب کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ برقعہ کے متعلق یہ کہنا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے سراسر جہالت ہے، برقعہ کا ثبوت تو قرآنی آیات سے ہو رہا ہے۔ البتہ فیشینی برقعوں کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ بجائے پردے کے بدنگاہی کا سبب بن گئے ہیں۔ چہرہ "مجمع الحاسن" ہے اور اصل جاذبیت اور کشش چہرہ ہی میں ہے۔ اگر چہرہ پردہ سے خارج ہو جائے تو مقصد پردہ یعنی عصمت و عفت کی حفاظت خطرہ میں پڑ جائے گی، مرد اور عورت دونوں کو بد نظری سے بچنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اور پھر اس کی کیا ضمانت کہ اگر آج عورتیں منہ کھول کر باہر نکلیں گی تو کل اس بے پردگی کو صرف اور صرف چہرے تک ہی محدود رکھا جائے گا۔

موجودہ بے پردگی کا سیلاب جو آج کل ہے اس کی ابتداء بھی مسلمان عورتوں میں صرف چہرے ہی کو کھولنے کی وجہ سے ہوئی تھی اور آج جدید تہذیب نے بے شرمی کے رنگ میں عورتوں کو پوری طرح رنگ دیا ہے۔ آرٹ اور ثقافت کے نام سے ہر طرح کی بے شرمی اور آوارگی کو گوارا کر لیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مولوی لوگ ترقی کے دشمن ہیں اب دیکھیں کہ ترقی کس چیز کا نام ہے؟ اگر آوارگی، بے حیائی اور بے شرمی کا نام ترقی ہے تو ایسی ترقی اُن لوگوں کو مبارک ہو، جو اللہ سے اللہ کی کتاب سے، اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت سے، منہ موڑ کر عصمت اور عفت کے دشمنوں کی پیروی کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ان دین کے باغیوں کا

یہ حال ہے کہ یورپ اور امریکہ کے ملحد اور نصرانی جو کچھ بھی کہتے اور کرتے ہیں یہ فوراً اسی پر ایمان لے آتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی ترقی کا راز یہ سمجھ لیا ہے کہ مسلمان سودی کاروبار کریں، نماز اور احکاماتِ الہی کو بالائے طاق رکھیں اور ننگے نہانے کے لیے کلبوں کے ممبر بنیں۔ نہ جانے تہذیبِ جدید کے متوالوں کی آنکھیں کیوں بند ہو گئیں ہیں؟ بے پردگی کے نتائج برابر سامنے آتے رہتے ہیں بارہا اغوا کی خبریں پڑھتے رہتے ہیں۔

سورۃ نور کی آیت نمبر 60 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: "اور جو عورتیں گھروں میں بیٹھ رہی ہیں جنہیں نکاح کی توقع نہیں، انہیں گناہ نہیں کہ (گھروں میں) اپنے کپڑے (اڑھنیاں) اتار کر رکھیں۔ یہ نہیں کہ اپنا سنگھار دکھاتی پھریں اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سُنتا اور جانتا ہے۔"

ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ بوڑھی عورتیں گھر کے اندر اوپر کے کپڑے اتار سکتی ہیں (یعنی چادریں اور دوپٹہ وغیرہ) کوئی حرج نہیں اور باہر جاتے ہوئے زائد برقعہ وغیرہ نہ کریں صرف چادروں سے کام چلا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ان کو بدن کی بناوٹ یا اپنا سنگھار وغیرہ دکھانا مقصود نہ ہو۔ لیکن اگر یہ عورتیں بھی پورا ہی پردہ رکھیں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ یعنی اوپر کے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں اور پردہ بھی پورا رکھیں تو زیادہ اچھا ہے۔ اس ظاہری پردہ کے ساتھ یہ بھی ہر وقت یاد رکھیں کہ اللہ سب کچھ جانتا اور سُنتا ہے۔ یہاں سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ پردہ کی کتنی اہمیت ہے۔ جب بوڑھی عورتوں کو اتنی تاکید ہے تو پھر جوانوں کا تو کیا ہی کہنا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پردے کا مقصد یہ ہے کہ بدن یا زیور یا بناؤ سنگھار دیکھ کر کسی کے دل میں بُرے خیالات پیدا نہ ہوں۔

سورۃ نور کی آیت نمبر 30، رکوع 4 میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: "آپ خاتم النبیین ﷺ مسلمان مردوں سے کہہ دیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔"

اس آیت میں مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور نامحرم عورتوں پر نظر نہ (رکھیں) ڈالیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ معلوم ہوا کہ اگر عورتیں پردہ چھوڑ کر پھرا کریں یا نامحرم مردوں کے سامنے چلی آئیں تو مردوں کو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ ان کو دیکھیں۔ یعنی عورت اپنی جگہ مکلف ہے اور مرد اپنی جگہ مکلف ہیں۔ اس کے بعد عورتوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

سورۃ نور کی آیت نمبر 31 میں عورتوں کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: "اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی (زینت کے مواقع کو) ظاہر نہ کریں مگر جو اُن میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کو ہر وقت چھپانے میں حرج نہیں) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو کسی پر ظاہر نہ کریں۔ مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محرموں پر) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر، یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے حقیقی یا عارضی بھائیوں پر، یا پھر اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا اُن مردوں پر جو طفیلی کے طور پر رہتے ہیں (شہوت والے نہ ہوں اور اُن کو ذرا توجہ نہ ہو)۔ یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ والی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں۔ اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ رکھیں کہ اُن کا غنچی زیور معلوم ہو جائے اور (مسلمانو! تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہوگئی) تو اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔"

مندرجہ بالا آیت میں اول تو عورتوں کو حکم ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت و عفت محفوظ رکھیں۔ نظر اور شرم گاہ کی حفاظت کا جو حکم مردوں کو ہے وہی حکم عورتوں کو بھی ہے کہ نگاہیں نیچی رکھیں یعنی بدنظری سے بچیں۔ بدکاری کی پہلی سیڑھی بدنظری ہی ہوتی ہے۔ جب کسی مرد اور عورت کا ناجائز تعلق ہوتا ہے تو یکا یک نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے نظریں ملتی ہیں پھر زبان کا زنا ہوتا ہے، یعنی دونوں ہم کلام ہوتے ہیں، پھر بات آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

شاید اسی وجہ سے آیت مبارکہ میں پہلے نگاہ کی حفاظت پھر شرم گاہ کی حفاظت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ پھر فرمایا اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹوں سے اپنے سروں کو ڈھانپ کر باقی دوپٹہ کمر پر ڈال لیا کرتی تھیں۔ مسلمان عورتوں کو حکم ہوا ہے کہ اپنے دوپٹوں سے سر بھی ڈھانکیں اور گلے اور سینے پر بھی ڈالے رہا کریں۔ اس حکم کو کُن کر صحابی عورتوں نے موٹی چادروں کے دوپٹے بنا لیے اور قرآنی حکم کے مطابق اپنے گلوں اور سینوں کو بھی دوپٹوں سے ڈھانپنے لگیں۔ چونکہ باریک کپڑے سے سر اور بدن کا پردہ نہیں ہو سکتا اس لیے موٹی چادروں کو دوپٹوں کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ آج کل کی عورتیں سر چھپانے کو عیب سمجھنے لگی ہیں۔ اور دوپٹہ اول تو سر پر لیا ہی نہیں جاتا اگر لیں بھی تو اس قدر باریک ہوتا ہے کہ سر کے بال اور "مواقع حسن و جمال" اس سے چھپ نہیں سکتے اور پردے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

حضرت ولید بن خالد کا بیان ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں مصر کے باریک کپڑے حاضر کیے گئے ان میں سے ایک کپڑا آپ خاتم النبیین ﷺ نے مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے سے اپنا کرتا بنالینا اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا، کہ وہ اس کو دوپٹہ بنا لے۔ وہ کپڑا لے کر جب میں چل دیا تو ارشاد فرمایا "اپنی بیوی کو حکم دینا کہ اس کے نیچے کوئی کپڑا لگائے (جس سے اس کی باریکی کی تلافی ہو جائے) جو اس کے اعضاء کو ظاہر نہ کرے"۔ (ابوداؤد شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ باریک دوپٹہ سے سخت پرہیز کرنا لازم ہے، دوپٹوں کے متعلق ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے محرموں کا ذکر کیا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زینت کے مواقع سے مراد ہاتھ، پنڈلی، بازو، گردن، سینہ، سر اور کان ہیں، ان مواقع پر چونکہ چوڑی، پازیب، بازو بند، ہار، جھومر اور بالیاں ہوتی ہیں اس لیے ان اعضاء کو "مواقع زینت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ عورت اپنے محرم کے سامنے سر اور پنڈلیاں اور بازو اور ہاتھ کھول سکتی ہے۔ پیٹ اور پیٹھ اور ناف سے لے کر گھٹنے کے ختم تک محرم کے سامنے بھی کھولنا جائز نہیں ہے۔ محرم وہ ہے جس سے کبھی کسی حال میں نکاح درست نہ ہو۔

پردہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں

(1) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "دو زینوں کی دو جماعتیں میں نے نہیں دیکھی ہیں (کیونکہ وہ ابھی وجود میں نہیں آئیں ہیں بعد میں ان کا وجود اور ظہور ہوگا)

ا۔ ایک جماعت اُن لوگوں کی ہوگی جن کے پاس بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے، اُن سے لوگوں کو (ظلماً) ماریں گے۔
 ب۔ دوسری جماعت ایسی عورتوں کی ہوگی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی، (مگر اس کے باوجود) ننگی ہوں گی، نائل کرنے والی اور نائل ہونے والی ہوں گی، اُن کے سر خوب بڑے بڑے اونٹوں کے کوبانوں کی طرح ہوں گے، جو جھکے ہوئے ہوں گے، یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی اور اس میں شک نہیں کہ جنت کی خوشبو پانچ سو میل کی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے"۔ (مسلم، حدیث نمبر 5704)
 اس حدیث میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دو ایسے گروہوں کے متعلق پیشین گوئی فرمائی ہے، جن کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے زمانے میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن آج یہ دونوں گروہ اپنے شر اور فساد کی وجہ سے موجود ہیں۔

ا۔ اوّل اُن لوگوں کا ذکر ہے جو کوڑے لیے پھریں گے، جن سے لوگوں کو مارا جائے گا، آج کل دیہات اور قصبات کے زمینداروں اور مالداروں، وڈیروں کو دیکھا گیا ہے کہ تنگ دستوں اور بے کسوں کو جھوٹے سچے بہانے بنا کر پیٹتے ہیں۔ ان سے سینکڑوں کام بیگار میں لیتے ہیں، یہ بے کس اور بے بس مظلوم بندے آخرت میں مدعی ہوں گے۔ بڑے شہروں میں "بھتہ خور" ہیں جنہوں نے دیانت داری سے کمانے والوں کا ناک میں دم کر دیا ہے۔

ب۔ دوسری قسم کی پیشین گوئی عورتوں کے بارے میں ارشاد فرمائی گئی کہ ایسی عورتیں موجود ہوں گی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی لیکن پھر بھی ننگی ہوں گی، یعنی اس قدر باریک کپڑے پہنیں گی کہ ان کے پہننے سے جسم چھپانے کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ یا کپڑا اگر باریک نہ ہوگا تو چست ہونے اور بدن پر کس جانے کی وجہ سے اس کا پہننا اور نہ پہننا برابر ہوگا۔

یہ عورتیں غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی یعنی ننگا ہونے کا رواج مفلسی کی وجہ سے نہ ہوگا بلکہ مردوں کو اپنا بدن دکھانا اور اُن کا دل لہانا مقصود ہوگا۔ ایسی عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ ہی جنت کی خوشبو پا سکیں گی۔ بعض حدیث میں ہے کہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی مسافت سے سونگھی جاسکتی ہے۔

(2) اُمّ المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں اور میمونہؓ دونوں حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کے پاس تھیں کہ اچانک عبداللہ بن اُمّ مکتوم (ناپیدا صحابیؓ) سامنے سے آگئے اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاس آنے لگے۔ (چونکہ عبداللہؓ ناپیدا تھے اس لیے ہم دونوں نے اُن سے پردہ نہ کرنے کا ارادہ کیا اور اسی طرح اپنی جگہ بیٹھی رہیں) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کرو میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کیا وہ ناپیدا نہیں ہیں؟ ہم کو تو وہ نہیں دیکھ سکتے"۔ اس کے جواب میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تم دونوں بھی ناپیدا ہو؟ کیا تم اُس کو نہیں دیکھ رہی ہو"۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)۔
 اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو بھی جہاں تک ممکن ہو سکے مردوں سے پرہیز کرنا چاہیے، عبداللہ ناپیدا تھے پاک باز صحابیؓ تھے اور حضور اقدس خاتم

النبیین ﷺ کی دونوں بیویاں نہایت پاکدامن تھیں، اس کے باوجود بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے دونوں بیویوں کو حکم فرمایا کہ حضرت عبداللہؓ سے پردہ کریں، یعنی ان پر نظر نہ ڈالیں، پس جہاں بد نظری کا ذرا بھی اہتمام نہ تھا وہاں اس قدر سختی فرمائی گئی تو آج کل عورتوں کو اس امر کی اجازت کیوں کر ہو سکتی ہے؟ جیسے عموماً عورتیں محلے میں پڑوس میں مرنے والے آدمیوں کا منہ دیکھنے پہنچ جاتی ہیں۔ اس سے شادی بیاہ کی اس فوج رسم کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے، جب تیل مہندی کی فضول رسم میں لڑکوں کو شامل کیا جاتا ہے اور جب دولہا دلہن کو لے کر رخصت ہونے لگتا ہے، تو اس کو سلامی کے لیے گھر کے اندر لے جایا جاتا ہے۔ وہاں پر کنبے والی عورتیں، پاس پڑوس کی عورتیں یا مہمان عورتیں، دُور دراز سے آنے والی سب عورتیں موجود ہوتی ہیں سب دولہا کو دیکھتی ہیں۔ دولہا کے ساتھ آنے والے اس کے بھائی، باپ اور رشتہ دار مردوں کے ساتھ تصاویر بنواتی ہیں۔ سالیاں دولہا سے مذاق کرتی ہیں جوتا چھپاتی ہیں۔ اس طرح اس عورتوں کے بھرے مجمع میں غیر محرم مردوں کا آجانا کسی طرح دُرسٹ نہیں، جبکہ خصوصاً عورتوں کا مقصد اس دولہا کو دیکھنا (نامحرم کو دیکھنا) ہوتا ہے۔ یہ سب گناہ میں داخل ہے۔

یاد رکھیں! کبوتر بلی کو دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو کبوتر کو بلی چھوڑ نہیں دیتی۔ یعنی آج نہیں تو کل پکڑ ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے (سورہ الحشر، آیت نمبر 18)

ترجمہ "جلد ہی انسان دیکھ لے گا کہ اُس کے ہاتھوں نے کل کے لیے کیا بھیج رکھا ہے۔"

(3) حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں اپنے (اُس گھر میں جس میں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ دفن ہیں بغیر پردے کے کپڑے کے داخل ہو جاتی اور کہتی کہ (اس طرح پردے کا اہتمام کیے بغیر جانے میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ گھر میں) میرے شوہر (رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور میرے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی ہوتے) ان دونوں سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت، پھر جب ان کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ دفن کر دیئے گئے تو خُدا کی قسم میں عمر فاروقؓ سے شرمانے کے باعث اچھی طرح سے کپڑے لپیٹ کر اس گھر میں داخل ہوتی تھی۔ (احمد)

اب دیکھیے کہ حضرت عائشہؓ کا طرزِ عمل دنیا والوں سے تو آپؐ پردہ کرتی ہی تھیں لیکن جو شخص برزخی زندگی گزار رہا ہے اُس سے بھی پردے کا اہتمام فرماتی تھیں، افسوس اس زمانے کی بہت سی مسلمان بہنوں نے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی بیویوں اور بیٹیوں کی تقلید چھوڑ کر یورپ کی خواتین کی تقلید کو اپنا لیا ہے۔ ہماری ابتداء یہ ہے کہ قبر والے سے بھی پردہ کیا جاتا تھا اور ہماری انتہا یہ ہے کہ زندوں سے بھی پردہ چھوڑ دیا۔

بے پردہ نظر آئیں کل جو چند بیبیاں

اکبر زیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جناب آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟

کنبے لگیں کے عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

غفلت

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی نیند اگر موت کی نیند نہ ہو تو کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہو جاتی ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ سونے والا کبھی نہ جاگے۔ پھر بعضوں کی نیند ایسی ہوتی ہے۔ اک ذرا سی آواز اس کو جگا دے۔ بعض کی اس سے سخت ہوتی ہے تو اس کے لئے چیخنے اور شور مچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اس سے بھی زیادہ غفلت کی نیند سونے والے ہوتے ہیں تو ان کو جھنجھوڑنے اور ہلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر سونے والے کے اٹھنے کے لئے یہ بھی بے کار ہے تو پھر ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ بھونچال آجائیں، آتش فشاں پہاڑ پھٹ جائیں، پہاڑوں کے ٹکرانے کے دھماکوں سے کانوں کے پردے ریزہ ریزہ ہو جائیں اور پھر بھی نیند کے متوالے آنکھیں نہ کھولیں۔ سو یقین کرو کہ اللہ کا بھی اپنے بندوں کے ساتھ ایسا ہی حال ہے۔ اس کی صدائیں اٹھتی ہیں تاکہ غفلت کے سرشار اپنی آنکھیں کھولیں۔ اگر اس پر بھی کروٹ نہیں بدلتے تو ہر طرح اور ہر طرف سے شورا اٹھنے لگتا ہے۔ تاکہ سونے والے کی نیند ٹوٹے۔

اگر اس پر بھی نیند نہیں ٹوٹتی تو ہاتھ نمودار ہوتے ہیں اور وہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھاتے ہیں کہ صبح ہو گئی ہے۔ اور آفتاب کی کرنیں دیواروں سے اتر کر صحنوں اور میدانوں میں پھیل گئی ہیں۔ اب بھی اٹھ جاؤ اور اب بھی اس دن کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دو جو جا کر پھر واپس نہ آئے گا۔

لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس جھنجھوڑنے پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اور نیند کے متوالے کروٹ نہیں بدلتے تو پھر دھماکے ہوتے ہیں۔ زلزلے آتے ہیں۔ زمینیں پھٹنے لگتی ہیں اور ہولناک آوازوں کی صداؤں سے تمام دنیا بھر جاتی ہے۔ تو یہ سب کچھ بھی اس لیے ہوتا ہے کہ انسان جاگے اور اب بھی آنکھیں کھول دے اور اگر اس پر بھی آنکھیں نہیں کھلتی تو پھر اللہ تعالیٰ کا فرشتہ پکار اٹھتا ہے۔ ”یہ زندوں کی آبادی نہیں ہے بلکہ مردوں کی آبادی ہے۔ یہ اٹھنے اور اٹھائے جانے کی گھڑی سے بالکل غافل ہیں۔“ پس تنبیہ اور ہوشیاری کی تمام تدابیر ہو چکیں اور سوتے ہوؤں کو جگانے کے لئے جو کچھ کیا جا سکتا تھا وہ سب کچھ کیا جا چکا پر افسوس کہ ہماری آنکھیں اب تک بند ہیں۔ ہماری غفلت کا نشہ کسی طرح نہیں اترتا۔ ہماری موت کی نیند کسی طرح نہیں ٹوٹتی۔ دنیا میں انسان کے لئے عقل و بصیرت ہے۔ عقلا کی دانائیاں ہیں۔ ہادیوں کی ہدایتیں ہیں۔ واعظوں کو واعظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے ہیں۔ رسولوں کی بتلائی ہوئی تعلیمات ہیں۔ پھر حوادث و تغیرات ہیں۔ انقلابات و تبدیلیات ہیں۔ لیکن آہ مولانا حالی نے مسدس حالی میں کیا خوب فرمایا ہے۔

کسی نے یہ بقرط سے جا کے پوچھا	مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا	کہ جس کی دوا حق نے کی ہونہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں	کہے جو طبیب اس کو ہڈیاں سمجھیں
سبب یا علامت گران کو سمجھائیں	تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
بہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے	بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارہ ہے دور اور طوفاں پاپا ہے	گماں ہے یہ ہر دم کد اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہل کشتی	پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی

تو وہ قوم جس کی غفلت کے لئے نہ تو گزرے ہوئے واقعات میں کوئی اثر ہے۔ نہ حال کے حوادث اور تغیرات میں اس کے لئے کوئی پیغام ہے۔ نہ اللہ کے کلام سے ڈرتی اور کانپتی ہے۔ اور نہ بندوں کی ہدایتوں سے عبرت پکڑتی ہے۔

سورہ انعام، آیت نمبر 4 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ترجمہ: ”اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی بھی ایسی نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کرتے ہیں۔“ سو اگر ہماری نیند سونے والوں کی نیند ہوتی۔ بے روح لاش کی نیند نہ ہوتی تو ہمارے جاگنے کے لئے بس تاریخ کی آواز کافی تھی۔ کیا کبھی ایسا ہوا کہ خدا کے قانون پر چلتے ہوئے کوئی قوم تباہ ہو گئی ہو؟ کبھی نہیں۔ خدا کے قانون نے ہمیشہ قوموں کو خوش حالی اور بیشکلی بخشی ہے۔ اقوام کو چھوڑ دو۔ افراد کی تلاش کرو۔ جب سے زمین بنی ہے۔ آج تک کوئی ایک انسان بھی اس کی گود میں ایسا پلا ہے جس نے غفلت اور اعراض برقی اور زندگی پائی؟ اور خدا کے قانون کو توڑ کر خوش حالی حاصل کی ہو؟ پھر کیا ہو گیا ہے کہ ہم زہر کھا رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہمیں زندگی ملے گی۔

سورہ توبہ، آیت نمبر 70 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ترجمہ: ”کیا انہوں نے ان لوگوں کا حال نہیں سنا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم

ابراہیم، اصحابِ مدین اور وہ لوگ جن کی بستیوں الٹ دی گئیں ان سب کے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول آتے تھے اور راہِ حق کی نشانیوں بھی دکھائیں تھیں۔ لیکن انہوں نے بد اعمالیوں کی راہ اختیار کی اور پھر اس کی پاداش میں مٹا دیئے گئے۔ سو اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مگر ان لوگوں نے خود ہی اپنی ہلاکت کو پسند کیا۔“

اگر گزرے ہوئے واقعات سے ہمیں عبرت نہیں آتی تو پھر ہماری آنکھوں کے سامنے گزرنے والے واقعات و تغیرات ہیں اور ان کی زبان سب سے زیادہ چیخنے والی اور سب سے زیادہ دلوں میں گھر کر جانے والی ہے۔ وہ ذات تو خود ہماری توجہ اس طرف دلاتی ہے۔

سورہ توبہ، آیت نمبر 126 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ: ”آیا نہیں دیکھتے کہ کوئی برس بھی ایسا نہیں گزرتا کہ ایک باریاد و بار، بلاؤں اور مصیبتوں میں نہ ڈالے جاتے ہوں۔ پھر بھی ان کی غفلت کا یہ حال ہے کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں اور نہ مصیبتوں سے نصیحت پکڑتے ہیں“

اگر مندرجہ بالا حوادث جن سے ہماری زندگی کا ہر سال و ماہ معمور تھا اور یہ ہمارے سمجھنے کے لئے کافی نہ تھے تو قریب ہے کہ زمین دھنس جائے اور سمندروں سے مچھلیاں رونے اور ماتم کرنے کے لئے نکل پڑیں۔

اللہ تعالیٰ سورۃ المدثر، آیت نمبر 32-34 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ”سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب وہ پیچھے ہٹے اور صبح کی جب روشن ہو جائے“۔

کیا یہ حادثہ بڑے بڑے انقلابات میں سے ایک بڑا انقلاب نہیں ہے۔ اور غافل انسان کی غفلتوں کو ختم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ سو تم میں سے جو بڑھنا چاہے اس کے لئے بڑھنا ہے اور غافل رہ کر پیچھے ہٹنا چاہے اس کے لئے غافل رہ کر تباہ ہونا ہے۔

پھر اگر ہم اس لئے نہیں اٹھتے کہ جب تک زلزلے نہ آئیں گے نہیں اٹھیں گے اور جب تک آتش فشاں پہاڑ نہیں پھٹیں گے۔ آنکھ نہیں کھولیں گے اور جب تک پہاڑوں کی چوٹیاں اور سمندر کی موجیں چیخ نہیں اٹھیں گی، کانوں کو نہیں کھولیں گے تو دیکھ لو کہ زلزلے آچکے، کروٹ نہ لی۔ آتش فشاں کیوں کیوں ہولنا کیوں سے زمین چیخ اٹھی۔ ہم بے خبر رہے اب اور کس بات کے منتظر ہیں؟ کیا چاہتے ہیں کہ آسمان پھٹ جائے۔ آفتاب کے پرزے ہو جائیں اور کرہ ارض دھواں بن کر اڑ جائے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ خود سورۃ محمد، آیت نمبر 18 میں نازل فرماتا ہے: ترجمہ ”پھر کیا یہ لوگ آخری فیصلہ کر دینے والی گھڑی کے منتظر ہیں کہ چانک ان پر آن نازل ہو؟ یقیناً اس کی نشانیاں تو آچکی ہیں۔ اور جب وہ گھڑی آجائے گی تو کہاں وہ اور کہاں ان کا سمجھنا (یعنی عمل کا وقت گزر چکا ہوگا صرف حسرت ہی حسرت رہ جائے گی)۔“

آفتاب کو ہمیشہ اس کی کرنوں میں دیکھا جاتا ہے؟ ورنہ کس کی مجال ہے کہ آفتاب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے؟۔ دھوئیں کو دیکھ کر مسافر پالیتا ہے کہ آگ جل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جلال بھی ہمیشہ اپنی نشانیوں اور آیتوں کے اندر دیکھا گیا ہے۔ اور ہمیشہ اس نے اپنے آفتاب جمال کی چمک (یعنی اپنا من) یعنی حسن باری تعالیٰ بدلیوں کے نقاب میں ہی دکھایا ہے۔ کون ہے جو اس کو بے نقاب دیکھنے کی تاب رکھتا ہے؟ پس جو ہمیشہ آیا ہے اور جس نے ہمیشہ ہی مغرور اور غافل انسان کو ماننے اور قبول کرنے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ آج بھی آگیا ہے۔ اور آنکھیں رکھنے والوں کے لئے اس نے اپنے چہرے پر سے نقاب اٹھا دی ہے۔ پھر اگر اب بھی ہم نہیں دیکھتے اور اب بھی اس کے آگے جھکنے کے لئے نہیں گرتے تو شاید ہم منتظر ہیں کہ وہ انسانوں کی طرح ہمارے سامنے آکر کھڑا ہو جائے اور سورج کی کرنوں کے تحت پر بیٹھ کر آسمانوں سے اس طرح اترے کہ ہم انگلیوں سے ٹول کر اس کو چھوئیں اور اپنے کانوں کو اس کے منہ سے لگائیں۔ تاکہ وہ آوازوں اور حرفوں کے اندر بول دے کہ ”میں خداوند۔ خداوند قہار ہوں اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوں۔ اس طرح اب بھی موجود ہوں مجھے مان لو اور مجھ سے انکار نہ کرو“۔ ایسے ہی لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ ارشاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ترجمہ ”اور ان لوگوں نے جو کہ اللہ کے لقا کی امید نہیں رکھتے کہا کہ اگر جو کچھ تم کہتے ہو ٹھیک ہے تو کیوں نہیں ہم پر فرشتے اتارے گئے اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ ہمارا پروردگار آسمان سے اترتا اور ہم اسے دیکھ لیتے“۔ (سورۃ فرقان، آیت نمبر 21)

سو اگر ہم واقعی اس کے منتظر ہیں تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ پھر ہمارا انتظار کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ کی جگہ اس کا عذاب اترے گا اور بشارت دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:۔ (سورۃ فرقان، آیت نمبر 22)

ترجمہ: ”جس دن اللہ کے فرشتے نظر آئیں گے تو اس دن مجرموں کے لئے کوئی بشارت نہ ہوگی کہ وہ صالحین کی طرح اس کا (رب کا) انتظار کریں گے (یعنی اس دن رب کے دیدار کے منتظر صالحین ہوں گے)۔“

یعنی ایمان بالغیب والے اللہ کے لقا (دیدار) کے منتظر ہوں گے اور مجرموں کے لئے کوئی خوش خبری نہ ہوگی۔ بلکہ مایوسی ہی مایوسی ہوگی۔ آنکھیں دیکھنے کے لئے ہیں اور کان سننے کے لئے اور دل پہلو میں رکھا گیا ہے۔ تڑپنے اور بے قرار ہونے کے لئے جس کو آنکھ دیکھتی ہے دکھائی نہیں دیتا (اندھی آنکھیں) وہ سب آوازیں بے اثر ہو

گئیں ہیں جو کانوں سے سنائی دیتی ہیں اور وہ تمام فکریں اور عبرتیں ڈوب گئیں ہیں۔ جن سے دل تڑپتے اور رو جھیں بے قرار ہوتی ہیں۔ پس جو کچھ کیا جائے لا حاصل ہے۔ اور جو کچھ کہا جائے بے کار کیوں؟

کیونکہ ہم غافل ہیں۔ ہم پر موت کا پنجہ چل گیا ہے۔ ہم گمراہی کے قبضے میں آ گئے ہیں۔ ہمارے احساسات فنا ہو گئے ہیں۔ دل کی وادیاں مٹ گئیں ہیں۔ ہمیں ہماری نیند نے (غفلت) مٹا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایسا تھا کہ اندھے بینا ہو جاتے۔ لنگڑے چلنے لگتے اور گونگوں کی چیخ سے دنیا دہل جاتی۔ اور لوگوں کے ہاتھ شیروں کے پنجوں کی طرح طاقتور ہو جاتے۔ لیکن آہ ہماری غفلت سے زیادہ بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی اچھنے کی بات نہ ہوئی اور ہماری نیند کی سنگینی کے آگے پتھروں کے دل چھوٹ گئے۔ ہم ایسے تو نہ تھے؟؟ ہم ایسے تو کبھی نہ تھے۔ پھر ان لوگوں کی طرح کیوں ہو گئے جن کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: "ان کے پاس دل ہیں مگر سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں۔ یہ مثل چار پایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر اور وجہ یہ ہے کہ غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔" (سورہ الاعراف، آیت نمبر 179)

آہ کوئی نہیں ہے سب گمراہ ہو گئے ہیں، سب غافل ہو گئے ہیں۔ سب پر نیند کی موت چھا گئی ہے۔ سب نے اپنے رب کو چھوڑ دیا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے لئے روئے، ہے کوئی جو اس کے لئے لوگوں کو جگائے؟

کیا محبت کی تمام بستیاں اجڑ گئی ہیں؟ کیا اس کے عشق اور پیار کے گھرانے مٹ گئے ہیں؟ کیا اس کے لئے پکارنے والا کوئی نہ رہا؟ کیا اس کے گلے کے تمام رکھوالے سو گئے ہیں؟

قیامت تو یہ ہے کہ لوگوں کو ندامت تک نہیں ہوتی۔ کیوں؟ اس لئے کہ گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے کہ وقت کی قدر نہیں رہی۔ اس لیے کہ احساس نہیں رہا کہ ہم کتنی تیزی سے قبر کی طرف جارہے ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں احساس ہی نہ رہا کہ دن ہوتا ہے اور پھر رات اور پھر دن۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟۔ کیونکہ معصیت کی کثرت نے ہماری دل کی آنکھیں ہی بند کر دی ہیں۔ غفلت نے بدن کی آنکھیں بند کر دی، گناہوں نے دل کی آنکھیں بند کر دیں۔ اس لئے کسی کا سر شرمندگی سے نہیں جھکتا۔ کسی کے گلے سے توبہ کی آواز نہیں ابھرتی۔ کسی کی پیشانی سجدے کے لئے بے قرار نہیں رہی۔ کوئی نہیں جو روٹھے ہوئے کو منانے کے لئے دوڑ پڑے۔ کوئی نہیں جو اپنی بد حالوں اور ہلاکتوں پر پھوٹ پھوٹ کر آہ زاری کرے۔

فرمان الہی ہے کہ: (سورہ الانعام، آیت نمبر 43)

ترجمہ: "ہم نے انہیں عذاب کی تکلیفوں میں مبتلا کر کے بھی دیکھا۔ پھر بھی یہ اپنے رب کے آگے نہ جھکے اور ان میں شکستگی اور عاجزی پیدا نہ ہوئی۔" ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ ہم کیوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں؟ وہ تو خود ہی سورہ محمد، آیت نمبر 24 میں ہمیں بتلا رہا ہے کہ

ترجمہ: "کیا یہ لوگ قرآن کی آیتوں پر غور نہیں کرتے یا یہ ہوا ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟" تو کیا ہم وہ تو نہیں ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 46 میں فرماتا ہے:

ترجمہ: "اور ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں کہ فکر کی آنکھ بے کار ہو گئی ہے اور ان کے کان بہرے ہو گئے۔"

آہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کا قانون کبھی ٹوٹنے والا نہیں اس کی سنت کبھی نہیں بدلتی اس کا یہ قانون ہے کہ آگ جلاتی ہے اور ہر کھانے سے پہلے آدمی مر جاتا ہے۔ یعنی غفلت اور معصیت ہلاکت لاتی ہے اور اس کی نافرمانیوں سے عذابوں اور دردناکیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ سورۃ الاحزاب، آیت نمبر 62 میں وہ خود فرماتا ہے:

"یہ اللہ کا قانون ہے جس کے مطابق تمام گزری ہوئی قوموں سے سلوک ہوا۔ اور اللہ کے قانون میں تم کبھی بھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔"

پس اب ہمارے لیے صرف ایک ہی راہ ہے اور جب تک اس منزل سے نہیں گزریں گے اس وقت تک اللہ کا قہر ہم پر ٹھنڈا نہیں ہوگا اور ہم کبھی مراد اور خوش حالی کو نہ پا سکیں گے۔ ہمارے سفر عمل کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم توبہ کریں۔ توبہ، سچی توبہ اور اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ اللہ کے آگے جھک جائیں۔ اس کی سرکشی اور بغاوت چھوڑیں۔ من چاہی زندگی سے توبہ کر کے رب چاہی زندگی گزارنے کا عہد کریں۔ اور اس کے آگے اتنا روئیں اتنا تڑپیں کہ اسے ہم پر پیارا آجائے اور پھر وہ ہمیں پہلے کی طرح اپنی گود میں اٹھائے اور پھر وہی سب کچھ دے جس طرح پہلے بھی دیا تھا۔

وہ تو خود کہتا ہے۔ (سورہ انفال، آیت نمبر 29 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے)

ترجمہ ”مسلمانو اگر تم اللہ سے ڈرنے والے ہو جاؤ تو اللہ تمام دنیا میں تمہارے لئے ایک امتیاز سر بلندی پیدا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ تم اس کے آگے کیوں نہیں جھک جاتے وہ تو بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔“

ہم نے غفلت کو خوب آزمایا۔ ہم نے نافرمانیوں کی صدیوں تک کڑواہٹ چکھی۔ ہم نے گناہوں کے پھلوں سے اچھی طرح اپنے دامن کو بھر لیا۔ ہم نے دیکھ لیا کہ ایک اللہ کی چوکھٹ سے سرکشی پر کس طرح ساری دنیا ہمارے ساتھ سرکش ہو گئی۔ آئیے اب اطاعت کا مزہ چکھ لیں۔ گناہوں کو آزمایا چکے ہیں۔ آئیں اب سچائی اور تقویٰ کو بھی آزمائیں اور دیکھیں کہ مالک اور خالق ہمیں کس انداز میں اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ وہ تو خود سورۃ مائدہ، آیت نمبر 74 میں ہم سے کہتا ہے۔

ترجمہ: ”پھر کیا ہے کہ اب بھی تم اللہ کے آگے نہیں جھکتے اور توبہ و استغفار نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تو بڑا ہی بخش دینے والا اور بڑا ہی رحمت فرمانے والا ہے۔“
اگر ہم غور کریں۔ آنکھیں کھولیں۔ تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اگر ہمیں آنکھیں دی گئیں ہیں تو اُس کو دیکھنے کے لئے دل دیا گیا ہے تو اُس لیے کہ اُس کی محبت میں تڑپے۔ آنسو دینے لگے ہیں تو اُس کے لئے کہ اُس کی یاد میں بہائے جائیں، اپنے گناہوں پر روایا جائے۔ اگر ہماری پیشانی بلندی گئی ہے تو اُس کے لئے کہ صرف اُس کے آگے جھکے۔ لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہماری زبانیں اس کی حمد و ثناء سے محروم ہو گئیں ہیں۔ ہمارے دل اس کی محبت نہ ہونے کی وجہ سے اجڑ گئے ہیں۔ ہماری مسجدیں منتظر ہیں کہ راستبازی کی تزئینی ہوئی نمازیں ان کو نصیب ہوں۔ مگر حیوانوں اور چوپایوں کے کھڑے رہنے اور اوندھے ہو جانے کے سوا وہاں کچھ اور نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ اللہ ہمارے کھڑے رہنے اور گر پڑنے کا بھوکا نہیں ہے اور اگر صرف پاؤں پر کھڑا رہنا ہی عبادت ہوتا تو جنگلوں کے درختوں سے زیادہ ہم کھڑے نہیں رہ سکتے۔ فرمان الہی ہے۔ (سورۃ الماعون آیت نمبر 4 اور 5)

ترجمہ: ”خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔“
(سورۃ النساء آیت نمبر 142)

ترجمہ: ”اور جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسماتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔“
ہم سب سوچکے ہیں۔ لیکن اب بھی وقت ہے اب ہمیں اٹھ جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ مہلت دی ہے جس سے بڑھ کر آج تک زمین کی کسی مخلوق کو مہلت نہیں دی گئی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے اپنا رشتہ کاٹ لے اور پھر ہماری جگہ کسی اور کو اپنی چاہتوں اور محبتوں کا تاج پہنا دے۔ وہ ہمیں بار بار تنبیہ بھی تو کرتا ہے۔
سورۃ انعام آیت نمبر 133 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ ”اور تمہارا پروردگار بے پرواہ ہے۔ اور فیاض ہے اگر وہ چاہے تو تم سے اپنا رشتہ کاٹ لے گا اور تمہارے بعد کسی دوسری جماعت کو منتخب کرے گا۔ جس طرح سے خود تم کو (دوسروں کے بعد) دوسروں میں سے منتخب کیا۔“

یقین کرو کہ وہ ہمارا محتاج نہیں ہے۔ اس کی کائنات انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کی دنیا اپنے چاہنے والوں سے بھری پڑی ہے۔ وہ ہماری حمد و ثناء کا بھی محتاج نہیں۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اور ہر ذرہ اس کی حمد میں مشغول ہے۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے کلمہ حق کی پکار کے لیے درختوں کو چلا دیتا، پہاڑوں کو متحرک کر دیتا، کنکروں اور خاک کے ذروں کے اندر سے صدائیں اٹھنے لگتی۔ لیکن وہ فاسق (گناہ گار) فاجر (نافرمان) لوگوں سے کبھی کام نہ لے گا۔ اور اپنے پاک کام کی عزت کو ناپاکوں کی گندگی سے کبھی آلودہ نہ کرے گا۔ وہ تو صاف اعلان کرتا ہے کہ:

ترجمہ: ”اے مسلمانوں تم میں سے جو شخص دین حق کی راہ سے پھر جائے گا تو قریب ہے کہ وہ ایک قوم نمایاں کرے جو اللہ کو چاہنے والی ہو اور اللہ ان سے پیار کرے۔ مومنوں کے آگے نہایت عاجز اور نرم ہوں گے۔ پر دشمنان حق کے لئے نہایت مغرور و سرکش۔ وہ اللہ کی راہ کے بے خوف مجاہد ہوں گے۔ اور کسی الزام دینے والے کے الزام کی پرواہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے جس کو چاہے چن لے۔ وہ بڑا ہی فضل و کرم کرنے والا ہے۔“ (سورۃ مائدہ۔ آیت نمبر 54)

زندگی امید اور کوشش (سعی) ہے۔ موت (نیند) مایوسی اور ترک سعی۔ پس اگر ایک بد بخت نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے کہ اللہ کے پاس اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو پھر اس کے لئے کیا باقی رہ گیا؟ لیکن نہیں ایمان نام ہی امید کا ہے اور مومن وہ ہے جو مایوسی سے کبھی آشنا نہیں ہوتا۔ لغزشوں اور گناہوں کا ہجوم ہمیں کتنا ہی گھیرے ہم توبہ کریں گے۔ کیونکہ ہمیں تو یہی بتایا گیا ہے کہ مومن تو نہ دنیا کی ناکامی سے مایوس ہو سکتا ہے نہ آخرت کی نجات سے۔

ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ دنیا کی مایوسی موت ہے اور آخرت کی مایوسی (شقادت) بد بختی۔ پس آنکھ کھولنے کی دیر ہے۔ آنکھیں کھولیں، غفلت کی نیند سے جاگیں (اب بھی وقت ہے) ہمیں دونوں جگہ رحمت الہی نظر آئے گی۔ ہر جگہ اس کا کرم اور فضل ہی فضل ہے۔

کسی بھی وجود کی حقیقت نہیں ملتی صرف صورت ملتی ہے۔ یہاں جو چیز اپنا وجود پالے گی اس کی حقیقت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ ہماری کم عقلی ہے کہ ہم اس کی صورت کے مٹ جانے کو اس کی حقیقت کا مٹ جانا تصور کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک درخت ہے۔ درخت ایک حقیقت ہے۔ ہم اس درخت کو چیر کر اس کے تختے بنا لیتے ہیں۔ اب درخت ختم ہو گیا تختہ پیدا ہو گیا۔ مگر جو چیز ختم ہو گئی وہ کیا تھی۔ حقیقت یا صورت تو وہ حقیقت تھی۔ تختہ صورت ہے۔ اب درخت میں جو تبدیلی ہوئی ہے وہ صرف صورت کی ہوئی ہے۔ کیونکہ حقیقت تختے کی بھی وہی ہے جو درخت کی ہے۔ اب تختے کو جلا دیں تختہ نابود ہو جائے گا۔ راکھ بن گئی، راکھ کو اڑا دیں، راکھ نابود ہو گئی (ختم ہو گئی) ذرات پیدا ہو گئے۔ ان تمام حالتوں میں جو تبدیلی آئی ہے۔ وہ محض صورت کی آئی ہے۔ اگر ہم ان منتشر ذرات کا تعاقب کرتے رہتے تو ہم دیکھتے رہتے کہ صورت بدلتی رہتی ہے، حقیقت نہیں بدلتی۔ اس طرح زمین پر موت کے وقت تبدیلی یا کسی چیز کے ختم ہونے پر تبدیلی صرف صورت کی ہوتی ہے۔ حقیقت کی نہیں ہوتی۔ اس طرح موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا موسم آ جاتا ہے۔ اسی طرح دن رات تبدیل ہوتے ہیں۔ دن کے بعد رات آ جاتی ہے۔ موسموں اور دن رات کی تبدیلی کی طرح ہی تبدیلی کائنات کا بھی ایک موسم آئے گا۔

موسموں کی تبدیلی کا معاملہ کیا ہے؟ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ خزاں ہے، بہار ہے، خوش حالی ہے، سیرابی ہے، گرمی ہے، سردی ہے، مختلف موسم آتے رہتے ہیں۔ موسم بدلتے ہیں۔ انسان بدلتے ہیں، حقیقت کائنات تو وہی رہتی ہے نا۔ کیونکہ تبدیلی کا ایک الگ موسم ہے۔ اس کی مدت کوئی بڑی ہی طولانی مدت ہے۔ اتنی لمبی کہ ہمارے وقت شماری کا پچاس ہزار سال اس کا ایک دن ہوگا (روزِ مقرر)۔

ہماری زمین جب خشک ہو جاتی ہے اور زمین جب دوبارہ زندگی چاہتی ہے۔ تو رب کی طرف سے اس کی محرک بارش ہوتی ہے۔ بارش گرتی ہے اور اموات نباتاتی کو زندگی کا حکم مل جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب تبدیلی کائنات کا وہ مقررہ موسم آئے گا۔ تو بارش ہی کی طرح کائنات کو کوئی صورت پھونک دیا جائے گا۔ اور اس کے حکم کے ساتھ ہی تمام اموات انسانی اٹھ کھڑی ہوں گے۔

حق تعالیٰ کی سچائی کا نفاذ بجا دیا گیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی نہ چاہے نہ مانے۔ جو مانیں گے ان کے لئے اجر ہوگا۔ جو نہ مانیں گے انکے لئے حسرت، پچھتاوا اور پھر عذاب۔ اب بھی وقت ہے کہ آنکھیں کھول دیں۔ کروٹ لیں اور جاگ جائیں۔ توبہ کریں کہ اللہ ہمیں اتنی لمبی غفلت کی نیند پر معاف کر دے اور عذابِ عظیم اور عذابِ عظیم سے بچالے (آمین)

سچی توبہ کے لئے روزانہ صرف 24 مرتبہ یا تُو اَب پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سَعِيًّا مَشْكُورًا وَ ذَنْبِنَا مَغْفُورًا وَ عَمَلًا وَ صَالِحًا مَقْبُولًا کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اخوت

عربی زبان میں 'اَخ' کے معنی بھائی کے ہیں۔ پس اسی لفظ سے اخوت بنا ہے۔ جس سے مراد بھائی بھائی یا چاہے۔ مسلمان دنیا کے خواہ کسی گوشے میں بھی رہتے ہوں اور کسی بھی گروہ یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں، وہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ" کے تحت بھائی بھائی ہیں۔ اسی باہم اخوت کا عملی مظاہرہ صبح و شام ہوتا ہے۔ محلوں اور شہروں کی مسجدوں میں مختلف خاندانوں اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ جمع ہوتے ہیں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اور بارگاہِ خداوندی سے رحمت اور مغفرت کے لئے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگتے ہیں۔ علاوہ ازیں سال بھر کے بعد دنیا بھر کے کونے کونے سے مسلمان ایک ہی لباس میں ملبوس خانہ کعبہ پہنچتے ہیں اور بیک وقت حج کی سعادت سے بہرہ ور ہو کر عالمگیر اخوت کا بھرپور مظاہرہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی روزمرہ کی زندگی میں اکثر بھائی بھائی کا اظہار ہوتا ہے۔

باہم اخوت وصف صوفیا ہے: (1) ایک مرتبہ حضرت قیس بن سعد بیمار ہو گئے، لوگوں نے عیادت میں تاخیر کی، وجہ پوچھی گئی تو بھائیوں نے بتایا "وہ آپ کے مقروض ہیں۔ اس لئے آنے سے شرماتے ہیں۔" اس پر آپؐ نے فرمایا "خدا اس مال کو غارت کرے جو بھائیوں کو بھائیوں کے پاس آنے سے روکے۔" اعلان کروادیا گیا "جو قیس کا مقروض ہے اس کا قرض معاف کیا جاتا ہے"، یہ اعلان سن کر رات کے وقت تک اتنے زیادہ لوگ آپؐ کے گھر آئے کہ آپ کی دلیز ٹوٹ گئی۔

(2) ایک شخص چار سو درہم کا مقروض تھا وہ اپنے دوست کے گھر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا، دوست باہر آیا اور علیک سلیک کے بعد پوچھا "کیسے آنا ہوا؟" کہا "میں چار سو درہم کا مقروض ہوں" اور ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ وہ فوراً اندر چلا گیا چار سو درہم کا وزن کیا اور اس کو لاد دیئے۔ اس کے جانے کے بعد روتا ہوا اندر آیا، بیوی نے کہا "یہ دینے اتنے ہی شک تھے تو دوست کو ٹال دیا ہوتا اب روتے کیوں ہوں؟" اُس نے جواب دیا "میں اس لئے نہیں رُو رہا کہ مجھے یہ رقم دینا گراں گزری ہے بلکہ میں تو اس لئے رُو رہا ہوں کہ مجھے اپنے دوست کا حال پہلے سے کیوں نہ معلوم ہوا کہ اُسے خود میرے پاس آکر اپنا حال بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی؟"

(3) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "قبیلہ اشعر کے لوگ جب جنگ میں تنگ دست ہو جاتے اور اہل و عیال کے لئے کھانا کم ہو جاتا تو اپنا کھانا ایک کپڑے میں جمع کر لیتے۔ بعد ازاں اسی کپڑے سے برابر برابر تقسیم کر دیتے۔ یہ لوگ مجھ سے اور میں ان سے وابستہ ہوں۔" (صحیح بخاری)

(4) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کہیں جہاد کا ارادہ کرتے تو فرماتے "اے انصار و مہاجرین تمہارے کچھ بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ مال ہے نہ سواری اور نہ ہی سامان۔ لہذا ہر ایک اپنے ساتھ ایک دو یا تین آدمی شامل کرے" یوں ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

(5) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان کے اور سعد بن ابی ربیع انصاریؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا، حضرت سعدؓ نے کہا "میں اپنا نصف مال تمہیں دے دیتا ہوں، میری دو بیویاں ہیں میں ایک کو طلاق دیتا ہوں تم اس سے نکاح کر لینا۔" حضرت عبدالرحمنؓ نے دعادی "اللہ تعالیٰ تمہارے مال اور عیال میں برکت دے۔ مجھے بازار کا راستہ دکھائیں۔" اور پھر انہوں نے تھوڑے سے گھی (پنیر) سے تجارت شروع کی جس کا نفع بعد میں اونٹوں پر آنے لگا۔

اخوت کے حقوق و آداب:

(1) باہمی تعاون: پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے: تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

ترجمہ: "نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو مگر گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔" (سورہ المائدہ، آیت نمبر-2)

اس آیت کریمہ میں بلا تیز مذہب و ملت ہر انسان کے ساتھ نیک کاموں میں تعاون کرنے کا درس دیا گیا ہے۔ لہذا ابھو کے کوکھنا کھلانا، ننگے کو لباس پہنانا، مریض کی جان بچانے کی پوری کوشش کرنا، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو مومن کی زندگی کا وسیعہ ہونا چاہئے۔ اگرچہ ایسا کرنے سے شیطان حسد کرتا ہے مگر تعاون کی فضاء ہموار ہوتی ہے۔ اخوت و محبت میں بگڑنے کا بھی اندیشہ ہے اور سنورنے کا بھی، اور ہر دفعہ جب یہ حال ہو تو ابتداء ہی سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ اخوت اختیار کرنا ایک عمل ہے اور ہر عمل کی طرح اس کے لئے بھی حسن نیت اور حسن انجام کی ضرورت ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ﷺ کے فرمان کے مطابق جن سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سایہ میں رکھے گا جس دن اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں دو ایسے شخص بھی شامل ہیں جو اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں، اسی پر وہ جمع ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے۔ (صحیح بخاری)

(2) روحانی محبت: شیخ فیصلؒ کہتے ہیں کہ جب غیبت شروع ہو جائے تو اخوت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے روحانی اخوت آئینے سے جیسا کہ ارشاد خدا

وندی ہے کہ اخواناً علی سُرِّ مُتَقَبِّلَیْن ﴿۴۷﴾ (سورۃ الحج، آیت نمبر - 47) ترجمہ: "وہ بھائی بن کر تخت پر آئے سامنے ہوں گے۔"

اگر کوئی کسی کے خلاف رنجش کرے اور جب اس کی کوئی بات اسے بُری لگے تو اس کا اظہار کر کے خود اس کا ازالہ نہ کیا جائے، یا اس سے اس کا ازالہ نہ کروایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آئے سامنے کی بے لاگ دوستی نہیں بلکہ روگردانی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں "اگر دو شخص سچے روحانی بھائی بن جائیں اور بعد میں ان سے کوئی ایک دوسرے سے نفرت کرے تو سمجھ لو کہ ضرور ان دونوں میں سے کسی ایک میں خامی ہے۔ کیونکہ روحانی دوستی صاف اور شیریں پانی سے بھی پاکیزہ تر ہوتی ہے۔ اور جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ صفائی پیدا کر دیتا ہے اور جو کام صاف ہو وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔"

اس لئے دائمی اور سچی محبت کا یہ اصول ہے کہ باہمی مخالفت نہ ہو جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمان نبوی خاتم النبیین ﷺ ہے: "تم اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا نہ کرو، اور نہ اس سے ایسا مذاق کرو جو اسے پسند نہیں، نہ ایسا وعدہ کرو جس کو تم پورا نہ کر سکو۔" (ترمذی)

شیخ ابوسعید خدریؒ فرماتے ہیں کہ میں تیس برس تک صوفیاء کی صحبت میں رہا، اس عرصے میں ہمارے درمیان کبھی کوئی اختلاف نہ ہوا، لوگوں نے کہا "یہ کیسے ممکن ہے؟" آپؒ نے فرمایا "اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ان کی صحبت میں ہمیشہ اپنے نفس پر غالب رہا۔"

شیخ عبداللہ بن الجلالؒ سے کسی نے پوچھا "میں کس شرط پر مخلوق کی صحبت میں رہوں؟" آپؒ نے فرمایا "اس شرط پر کہ اگر میں ان کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتا تو ان کو تکلیف بھی نہ دوں گا۔ اگر ان کو خوشی نہیں دے سکتا تو ان کے ساتھ برائی بھی نہ کروں گا۔" مزید فرمایا "اپنے بھائی کی دوستی اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھا کر اس کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے حقوق مقرر کر رکھے ہیں لہذا ان کی حق تلفی وہی کر سکتا ہے جو حق تعالیٰ کی حق تلفی کرتا ہو۔"

(3) ذکر خیر: اخوت و محبت کا ایک حق یہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ قطع تعلق ہو جائے تو اس کے بعد بھی اپنے بھائی کا ذکر خیر کیا جائے۔ کہتے ہیں "ایک جوان حضرت داؤدؑ کی محفل میں بیٹھا کرتا تھا۔ جس کو آپؑ دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ اتفاق سے وہ جوان کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو گیا، آپ کو اس کی خبر ہوئی بعد میں، لوگوں نے عرض کیا "کاش آپ اسے الگ کر کے چھوڑ دیتے۔" اس پر آپؑ نے لوگوں سے فرمایا، "سبحان اللہ کیا دوست کو کسی بات پر چھوڑا جاسکتا ہے؟ دوستی کا رشتہ تو خونی رشتے کی مانند ہوتا ہے۔" ایک مرتبہ ایک عقل مند سے پوچھا گیا "تمہیں سب سے زیادہ کون پسند ہے؟ تمہارا دوست یا بھائی؟" اس نے جواب دیا "میرا بھائی دوست بن جائے تو میں اسے پسند کروں گا۔"

(4) عفو و درگزر: عفو و درگزر معاشرے کے اس امن و استحکام کا ضامن ہے، جس کی معاشرے کو بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جب کسی دوست سے ظاہری اور باطنی جدائی ہو جائے یا ظاہری جدائی ہو جائے اور باطنی تعلق باقی رہے، تو ایسے معاملے میں مختلف اشخاص کے مختلف حالات کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی تبدیلی ایسی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں، تو ان کی سابقہ برائی ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں سے بغض رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے اتفاق کوئی لغزش ہوگئی ہو، یا غفلت یا کوتاہی واقع ہوگئی ہو، لیکن ان کی اصلاح کی توقع ہو، ایسے لوگوں سے بغض نہیں رکھنا چاہئے۔ تاہم موجودہ حالات کی وجہ سے ان کے عمل سے نفرت ظاہر کی جائے، لیکن خود انہیں محبت کی نظر سے دیکھا جائے بلکہ ان کی اصلاح کے لئے دعا کی جائے اور انکی نجات کی امید رکھی جائے۔

حدیث پاک میں ہے "کچھ لوگوں نے ایک آدمی سے بدکلامی کی، جس نے بدکلامی کی تھی تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے انہیں خاموش کرا کے تنبیہ کی تھی کہ "تم اپنے بھائی کے برخلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔" (السلسلۃ الصحیحہ)

حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں "اگر تمہارا روحانی بھائی کسی گناہ کا مرتکب ہو تو اس کے گناہ کی وجہ سے اس سے قطع تعلق نہ کرو اور نہ اسے چھوڑو۔ کیونکہ اگر اس نے کوئی گناہ کیا ہے تو کل اسے چھوڑ بھی سکتا ہے اور ہو سکتا ہے اس کی اس گناہ پر توبہ اس کو باقی سب سے اعلیٰ مقام پر فائز کر دے۔ مزید یہ کہ انتقام لینے سے انسان میں تنگ نظری اور تعصب پیدا ہوتا ہے، جبکہ معاف کرنے سے قلب میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اور اخوت و محبت کا احساس اور جذبہ انسان کے دل میں موجزن رہتا ہے۔"

سورہ اشوریٰ، آیت نمبر - 43 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ: "جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔" کیونکہ عفو و صفحت الہی ہے۔ عفو اللہ تعالیٰ کی خصوصی اور امتیازی صفت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے اختیار کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے، اور قرآن پاک میں مختلف انداز میں عفو اور بخشش کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۴۳﴾ (سورۃ النساء، آیت نمبر - 43) ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔"

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا (سورۃ النساء، آیت نمبر - 149) ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے۔“

سورہ اشوری، آیت نمبر 25 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ترجمہ: ”وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور انہیں معاف کرتا ہے۔“

عفو اسوہ رسول خاتم النبیین ﷺ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بھی عفو اور درگزر کی تلقین فرمائی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ (سورۃ آل عمران، آیت نمبر - 159) ترجمہ: ”اے محمد (خاتم النبیین ﷺ) لوگوں سے درگزر کرو اور ان کے لئے بخشش مانگو۔“

اخوت کے حقوق و شرائط:

(1) دوستی: ایک مرتبہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت ابن عمرؓ کو دائیں اور بائیں منہ پھیرتے ہوئے دیکھا تو وجہ دریافت کی، عرض کیا ”یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں نے ایک آدمی کو بھائی بنایا تھا اسے تلاش کر رہا ہوں۔ لیکن وہ نظر نہیں آ رہا“ اس پر حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”عبداللہ جب کسی کو اپنا بھائی بناؤ تو اس کا اور اس کے خاندان کے حالات معلوم کر لو اس سے باہمی محبت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔“ (ترمذی)

(2) آداب اخوت: حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں ”اللہ اس آدمی پر رحم کرے جو میرے عیوب سے مجھے مطلع کرے۔“

شیخ جعفر بن فرقانؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میمون بن مہرانؒ نے فرمایا ”میرے سامنے وہ بات کہو جو میں ناپسند کرتا ہوں، کیونکہ کوئی شخص اپنے بھائی کا خیر خواہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس کے سامنے وہ باتیں نہ کہے جو اسے ناپسند ہوں۔“

(3) ذاتی ملکیت کی نفی: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا اصول ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی چیز کا مخصوص مالک نہیں قرار دیتے۔ حضرت ابراہیم بن شہبانؒ فرماتے ہیں کہ ”ہم اس کی صحبت میں نہیں بیٹھتے جو یہ کہتا ہو کہ یہ جوتی میری ہے“

شیخ احمدؒ کہتے ہیں کہ میں بصرہ میں درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا تھا انہوں نے میری بہت تعظیم و تکریم کی۔ ایک دن میری زبان سے نکلا ”میرا تہبند کہاں ہے؟“ ان الفاظ کا کہنا تھا کہ میں ان کی نظروں سے گر گیا۔

(4) اہل فضل کے قدردان: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اہل حق جس کی فضیلت سے واقف ہوتے ہیں اسی کو مقدم رکھتے ہیں، اور محفل میں اس کے لئے گنجائش کر کے عمدہ مقام کے لئے اسے ترجیح دیتے ہیں۔

(5) عدل و انصاف: عدل و انصاف ایک ایسی چیز ہے جس نے دنیا کے نظام کو قائم رکھا ہے، اگر یہ رک جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ اسلام عدل و انصاف کا بڑا حامی ہے اس کے نزدیک دوستی، دشمنی، رنگ و نسل، رشتہ داری و اجنبیت، امارت و عزت، دین و مذہب، میں سے کوئی چیز بھی عدل و انصاف کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہئے۔ فرمان الہی ہے: (سورہ الحجرات - آیت نمبر 9) ترجمہ: ”انصاف پر قائم رہو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“

(6) وفاداری: تعلق اخوت کے استحکام کے لئے وفاداری شرط اولین ہے۔ اس کے برعکس دھوکہ دہی اس رشتہ کو پامال کر کے رکھ دیتی ہے، کیونکہ وفاداری ہی ایک ایسی چادر ہے جس کے باعث اخوت و محبت کو طمانیت نصیب ہوتی ہے۔ اہل دل جب کسی کے ساتھ رشتہ اخوت کی بنیاد پر دوستی کا دم بھرتے ہیں تو ہمیشہ وفاداری کرتے ہیں اور جدا ہونے سے پرہیز کرتے ہیں۔

کہتے ہیں ایک آدمی کسی بزرگ کے ساتھ رہتا تھا۔ بعد ازاں اس نے ان سے جدا ہونے کا ارادہ کیا اور اجازت طلب کی تو انہوں نے فرمایا، ”میں تمہیں اس شرط پر اپنے پاس سے جانے کی اجازت دیتا ہوں کہ تم اس کی صحبت اختیار کرو گے، جو مجھ سے بڑھ کر تم سے محبت کرے گا۔ تم سب سے پہلے ہماری صحبت میں رہے ہو اس لئے میری تو یہ خواہش ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہی رہو۔“ یہ سن کر اس شخص نے کہا ”بزرگوار اب میرے دل سے جدائی کا خیال رفع ہو گیا ہے۔“

(7) شفقت اور ہمدردی: اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ اگر انہیں کسی کام کے لئے بلایا جائے، تو شفقت اور ہمدردی کے باعث فوراً وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ کسی عالم کا قول ہے کہ جب کوئی شخص اپنے دوست سے کہے ”ہمارے ساتھ چلو“ اور وہ پوچھے ”کہاں چلیں؟“ تو ایسے آدمی کے ساتھ ہرگز نہ رہو۔

(8) بے تکلفی: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے روحانی بھائی کے ساتھ تکلف نہیں برتتے، بلکہ جو چیز حاضر ہو بلا تکلف پیش کرتے ہیں۔

(9) ہمدردی: آداب صوفیا کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ اپنے روحانی بھائیوں کے لئے غائبانہ استغفار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو کر اس بات کی

کوشش کرتے ہیں کہ وہ اس کی تکلیف دور کرے۔

(10) خاطر مدارت: حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ”بدترین دوست وہ ہے جو تمہیں خاطر مدارت کا محتاج بنائے یا آنے سے معذرت کرنے پر آمادگی ظاہر کرے، اور تم اس کے لئے تکلف کرو“ حضرت جعفر صادقؑ فرماتے ہیں ”میرا وہ بھائی مجھ پر سب سے زیادہ بوجھ ہے جو میرے لئے تکلف کرے اور میں اس سے بچنے کی کوشش کروں۔ اور میرے لئے سب سے ہلکا وہ بھائی ہے کہ میں اس کے ساتھ رہ کر یہ محسوس کروں کہ میں تنہا ہوں۔“

(11) مساکین سے محبت: اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کا یہ وصف اور امتیاز ہے کہ مساکین سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے لئے تواضع کرتے ہیں۔ اور اس طرح حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اس قول پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ”اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت پر رکھ، اور مجھے مسکینی کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن مساکین کے زمرے میں اٹھانا۔“ (جامع ترمذی) فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ انبیاء اکرامؑ میں سے کسی نبی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ”اے اللہ میں اپنے ساتھ کیسے تیری رضا کو معلوم کروں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”تو اپنے ساتھ مساکین کی رضا کو دیکھ لے۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اہل صفہ کی ایک جماعت کو کسی بات پر سرزنش کی۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تک خبر پہنچی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”اے ابو بکرؓ شاید تم نے ان کو ناراض کر لیا ہے اگر تم نے ان کو ناراض کر لیا ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیا ہے“ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا ”مجھے معاف کر دو شاید میں نے تم کو ناراض کر دیا ہے“ انہوں نے کہا ”اے ابو بکرؓ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔“

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو اپنی تعظیم کے لئے دوسروں کا کھڑا ہونا اچھا لگے، اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لینا چاہئے۔“ (اخرجہ البخاری فی الادب 977) زہریؒ نے جب بادشاہ کے ساتھ میل جول پیدا کیا تو مالک بن دینارؒ نے ان کو لکھا ”اے دوست اللہ مجھے اس بلا سے بچائے جس میں تم گرفتار ہو گئے ہو۔ اس میں بڑے بڑے فتنے ہیں عالم اور بزرگ ہونے کے بعد تم نے اپنی عمر کا خاتمہ ظالموں کی صحبت سے کیا۔ جب کوئی ان کو برا بھلا کہتا ہے تو تم ان کی حمایت میں بحث کرتے ہو۔ تم ان سے مانوس ہو اس لئے ان کی وحشت کو محسوس نہیں کرتے تمہارے لئے یہی گناہ کافی ہے“ پھر مالک بن دینارؒ نے ان کے ساتھ ملاقات چھوڑ دی۔

(12) مولیٰ کی رضا: عالی اخلاق کی اعلیٰ ترین صورت رضائے الہی کا حصول ہے۔ یہ نعمت کبریٰ ہے کہ جس کا بدل کار خانہ حیات میں میسر نہیں آ سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے، وَرَضُوا ان قَبِلَ اللّٰهُ اَكْبَرُ ط (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 72) ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی نعمت ہے۔“

یعنی بندہ اپنے مولیٰ کے لئے وقف ہوا، جو کچھ چاہے اس میں مولیٰ کی رضا پیش نظر ہو نہ کہ اپنے نفس کی۔ جب کسی سے محبت اختیار کرے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ اور وہ ایسا کام کرے جس سے اسے قربت خداوندی نصیب ہو۔ کیونکہ جو آدمی حقوق اللہ کو صحیح طور پر ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہی معرفت عطا فرماتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے نفس اور عیوب سے آگاہ ہو کر عمدہ اخلاق و آداب کو پہچاننے لگتا ہے۔ پھر وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا پابند بن جاتا ہے، اور وہ مقصود ملائکہ بن جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ذکر ہمہ ذکر و ذکر مذکور کا منظر دیکھنے میں آتا ہے، انسان اپنے مقصود میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ خود قدرت اس کو مقصود خلأ خلق بنا دیتی ہے۔ اور یوں اس کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔

ظرافت اور مزاح میں اعتدال: حضرت سعد بن العاصؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا ”ظرافت اور مزاح میں اعتدال رکھو، کیونکہ اس کے افراط سے رعب جاتا رہتا ہے اور یوں بے وقوف افراد بھی تم پر دلیر ہو جائیں گے۔ اور اگر اس کو بالکل ترک کر دیا جائے تو دوست ناراض ہو جائیں گے۔ اور مصاحبوں کو وحشت ہونے لگتی ہے اور یوں بھائی چارہ ختم ہو جاتا ہے۔“ جس طرح مزاح کے اعتدال کو قائم رکھنا دشوار ہے اسی طرح ہنسی کے اعتدال کو قائم رکھنا مشکل اور دشوار ہے۔ ہنسی انسانی خصوصیت ہے جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے، ہنسی عجیب و غریب چیز پر آتی ہے اور تعجب غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو انسان کے لئے باعث شرافت اور اس کی ممتاز خصوصیت ہے، لہذا اس کے اعتدال سے بخوبی واقف ہونا ان لوگوں کا کام ہے جو علم میں ثابت قدم ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ زیادہ ہنسی سے بچو کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور اس سے چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیادہ ہنسی رعونت کی نشانی ہے۔

ایصالِ ثواب

قرآن پاک سے ایصالِ ثواب کا ثبوت:

- (1) - قرآن پاک سورہ حشر آیت نمبر 10 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور وہ جو اُن کے بعد آئے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔"
- (2) - سورہ ابراہیم، آیت نمبر 41 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں): "اے ہمارے رب (کریم) مجھے بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔"
- (3) - سورہ المؤمن آیت نمبر 7 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وہ (فرشتے) جو عرش اٹھائے ہیں اور جو اس کے ارد گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اُس پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔"

(4) - سورہ بنی اسرائیل، آیت 24 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقُلْ رَبِّ اَرْحَمُهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل آیت 24)

- ترجمہ: "اور کہہ دیجئے کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر (یعنی میرے ماں باپ پر) رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔"
- حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "تم میں سے جب کوئی فوت ہو جائے تو اسے روکے نہ رکھو۔ اُس کو قبر تک جلدی پہنچاؤ اور اُس کے سر کے پاس کھڑے ہو کر (بعد دفن) سورہ بقرہ کا شروع یعنی (الْم سے مفلحون تک) اور پاؤں کے پاس سورہ بقرہ کا آخری حصہ پڑھو" (یعنی اَمَّنَ الزَّوْنُولُ سَعَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ تک) (درمنثور جلد اول میں ص 70 (طبع جدید)، مجمع الزوائد جلد 3 ص 44، مشکوٰۃ جلد 1 حدیث نمبر 1717)
- (5) قرآن مجید سورہ البقرہ آیت نمبر 215 میں ارشاد خداوندی ہے: "آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ خاتم النبیین ﷺ فرمائیں کہ جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں، محتاجوں اور راہ گیر کے لیے ہے اور جو بھلائی کرو بے شک اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے۔"

احادیث مبارکہ سے ایصالِ ثواب کا ثبوت:

- (1) - قبر کے پاس کھڑے ہو کر مغفرت کی دعا کرنا: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: "نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب دفنانے سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ دیر ٹھہرتے اور فرماتے "اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دعا کرو۔ اور اُس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔" (مشکوٰۃ جلد 1 ص 26 حدیث نمبر 133 - سنن ابی داؤد جلد 3 حدیث نمبر 3221) ایسا کرنا سنت ہے۔
- (2) - اہلِ بقیع کی بخشش کے لیے دعا: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا طریق مبارک یہ تھا کہ جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی میرے ہاں باری ہوتی تو آپ خاتم النبیین ﷺ رات کے وقت جنت البقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور وہاں جا کر فرماتے: "اے مومن قوم کے گھر والو! تم پر سلام ہو۔ تم سے جس چیز کا وعدہ تھا وہ تمہیں مل گئی۔ ہمیں کل کی مہلت دی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ پھر فرماتے "اے میرے اللہ بقیع والوں کی بخشش فرما دے" (مشکوٰۃ جلد 1 حدیث نمبر 1766 - سنن نسائی جلد 1 حدیث نمبر 2041)
- (3) - قبروں پر سبز ٹہنیوں کا رکھنا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: "نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کے کسی باغ میں سے گزرے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے دو انسانوں کی آواز سنی۔ جنہیں ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "ان دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں۔" پھر فرمایا "ہاں البتہ بڑا گناہ ہے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب کرتے ہوئے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلیاں کیا کرتا تھا۔" پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے کھجور کی ایک شاخ منگوائی اور اُس کے دو ٹکڑے کئے۔ پھر ایک ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ ہم نے پوچھا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ایسا کیوں؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "امید ہے کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔" (بخاری جلد 1 ص 35 حدیث 216، سنن نسائی جلد 1 حدیث نمبر 2070)

(4) - میت کا دعا کے لیے انتظار کرنا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "قبر میں میت کی حالت اُس ڈوبنے

والے شخص کی طرح ہوتی ہے جو مدد طلب کرنے کے لیے لوگوں کو پکارتا ہے۔ وہ ماں باپ بھائی یا دوست کی طرف سے (قبر میں) دعا کا منتظر ہوتا ہے۔ پھر جب اُسے دعا پہنچ جاتی ہے۔ تو وہ دعا سے دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ عطا فرماتا ہے۔ اور یقیناً فوت شدہ لوگوں کے لیے زندوں کا بہترین تحفہ استغفار ہے۔" (یعنی کچھ پڑھ کر اس کی مغفرت کی دعا کرنا) (مشکوٰۃ ج 2 ص 2355۔ کنز العمال حدیث 42971)

(5)۔ **والدین کی وفات کے بعد ان سے حسن سلوک:**۔ حضرت ابو اسید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ: "ہم لوگ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے ایک شخص جس کا تعلق بنو سلمہ قبیلہ سے تھا آیا اور عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا ماں باپ کے وصال کے بعد بھی ایسا کوئی موقع ہے کہ میں ان سے بھلائی اور حسن سلوک کروں؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہاں" (وصال کے بعد)

- 1۔ اُن کی نماز جنازہ پڑھنا
- 2۔ اُن کے لیے مغفرت طلب کرنا
- 3۔ اُن کی وصیت اور اُن کے وعدوں کو پورا کرنا
- 4۔ وہ جو صلہ رحمی کرتے تھے اس کو جاری رکھو۔
- 5۔ اُن کے دوستوں کا احترام کرنا۔" (مشکوٰۃ ص 420 حدیث نمبر 4936)

کیا یہ سچ نہیں کہ ماں باپ زندہ بھی ماں باپ ہوتے ہیں اور وصال کے بعد بھی ماں باپ ہی ہوتے ہیں۔ یہ بعد میں پتھر یا بت نہیں بن جاتے۔

(6)۔ **فوت شدہ والدین کے لیے اولاد کی دعا:**۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جب انسان مر جاتا ہے تو اُس کے اعمال کا سلسلہ کٹ جاتا ہے سوائے تین اعمال کے: 1۔ صدقہ جاریہ 2۔ ایسا علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔ 3۔ یا وہ نیک اولاد جو اُس کے مرنے کے بعد اُس کے لیے دعا کرتی رہے"۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 4223)

صدقہ جاریہ: صدقہ جاریہ سے مراد مسجدیں، مدرسے، کنوئیں، نہریں، ہسپتال، وقف کئے ہوئے باغ، مسافر خانے اور خیرات خانے ہیں۔
علم سے مراد: علم سے مراد دینی تصانیف، نیک شاگرد جن سے دینی کام جاری رہے۔

نیک اولاد: نیک اولاد سے مراد اچھے اعمال کرنے والی اولاد جو ماں باپ کے بعد ان کی مغفرت کی دعا کرے۔ کیونکہ مرنے والا دعاؤں کا منتظر رہتا ہے۔

(مسند احمد جلد 6 حدیث نمبر 6312۔ مسلم جلد 4 حدیث نمبر 4223۔ نسائی جلد 2 حدیث 3681۔ ترمذی جلد 2 حدیث نمبر 1376)

(7)۔ **فوت شدہ کے لیے پانی کا صدقہ جاریہ:**۔ حسن کہتے ہیں کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا، انہوں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا: "میری والدہ فوت ہو گئی ہے، کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جی ہاں"۔ انہوں نے کہا: "تو پھر کونسا صدقہ افضل ہے؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "پانی پلانا"۔ اس نے کہا: "مدینہ میں یہ آل سعد کی سبیل ہے"۔ (مسند احمد جلد 3 حدیث نمبر 3291)

(8)۔ **پھلوں والے باغ کا صدقہ:**۔ حضرت سعید بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ بعض غزوات میں نکلے۔ اُن کی والدہ محترمہ کے وصال کا وقت قریب پہنچ گیا کسی نے کہا "وصیت کر جاؤ"۔ انہوں نے کہا "کس چیز کی وصیت کر جاؤں؟"۔ "سب مال سعد کا ہے" اور پھر سعد کی واپسی سے قبل اُن کا انتقال ہو گیا۔ حضرت سعدؓ آئے تو اُن سے اس کا تذکرہ کیا گیا۔ انھوں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا میں اپنی ماں کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا میری ماں کو اس کا نفع پہنچے گا؟"۔ تو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ہاں" تو حضرت سعدؓ نے نام لے کر عرض کیا کہ "فلاں فلاں باغ اُن کی طرف سے صدقہ ہے"۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر 2762، نسائی جلد 2 صفحہ 3680)

(9)۔ **والدین کے فوت ہونے کے بعد ان کی طرف سے حج:**۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: ایک عورت نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی۔ لیکن وہ حج کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔ کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "بھلا تو بتا تو سہی اگر تیری والدہ پر کچھ قرض ہوتا تو وہ قرض ادا کرتی؟" اُس نے عرض کیا "بے شک میں ادا کرتی"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "پھر اللہ کا بھی قرض ادا کرو"۔ یعنی اُس کا قرض ادا کرنا تو اور زیادہ ضروری ہے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر 1852، سنن ابی داؤد جلد 3 حدیث نمبر 3310)

(10)۔ **ماں باپ کی قبر پر جمعہ کو زیارت کے لیے حاضر ہونا:**۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جمعۃ المبارک کو زیارت کے لیے حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ اور اُس کو ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک

کرنے والا لکھا جائے گا۔" (درمنشور جلد 5 صفحہ 267)

(11)۔ **وصال شدہ والدین کے لیے دعا کرنے والا نافرمان بیٹا:**۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ: "کسی شخص کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جاتا ہے اور وہ ان کو ستانے والا نافرمان ہوتا ہے۔ لیکن ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ اسے حسن سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔" (مشکوٰۃ ص 421 جلد 3 حدیث نمبر 4942۔ المنہج فی شعب الایمان حدیث نمبر 7902)

(12)۔ **میت کے سبب سے زندوں کو نفع:**۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص جنازے میں نماز ہونے تک شریک رہا اس کو ایک قراط ثواب ملے گا اور جو دفن تک شریک رہا اس کو دو قراط ملیں گے۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ﷺ دو قراط کتنے ہوتے ہیں آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "دو عظیم پہاڑوں کے برابر۔" (بخاری حدیث نمبر 1325، مسند احمد حدیث نمبر 3133)

(13)۔ **اپنی نیکی فوت شدہ کو بخشنا:**۔ شیخ ابویزید قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات مل جائے گی۔ میں نے سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لیے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے جنت اور دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے۔ مجھے اس بات پر یقین نہ آتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا۔ دفعتاً اس نے ایک چنچ ماری اور اس کا سانس پھولنے لگا اور کہا "میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے" حضرت قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گھبراہٹ کو دیکھا اور مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا اس کی ماں کو بخش دیا۔ یہ نصاب میں نے اپنے دل میں چپکے سے بخشا تھا۔ اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً ہی کہنے لگا "میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹادی گئی ہے"۔ حضرت قرطبیؒ کہتے ہیں "مجھے اس قصہ سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو ستر ہزار کے نصاب کی برکت کا یقین ہو گیا اور دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔" (فضائل ذکر از محمد زکریا صاحب دیوبندی)

(14)۔ **فوت شدہ کو کلمہ شریف کا ثواب بخشنا:**۔ نقل ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے کہا "میں اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھ رہا ہوں"۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کلمہ طیبہ ایک نصاب اپنے جی ہی جی میں مرید کی ماں کو بخش دیا۔ بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان ہشاش بشاش ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا "اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں"۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ "اُس نوجوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اُس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔" (تخیر الناس ص 44 از قاسم نانوتوی بانی دیوبند)

ایک اعتراض اور اس کا جواب:۔ اگر کامیابی حاصل کرنا ہے تو ایمان والا بننا پڑے گا قرآن پاک نے سورۃ النجم آیت نمبر 39 میں صاف الفاظ میں فرمادیا ہے:

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ

ترجمہ: "انسان کو اس کی سعی و کوشش ہی کام دے گی۔"

کسی دوسرے کی سعی کام نہ آئے گی۔ لیکن اس کے برخلاف حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر ثواب دوسروں کو پہنچایا جائے تو ثواب دوسروں کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک کی سعی دوسرے کے کام آتی ہے۔ اس طرح حدیث و قرآن میں تعارض واقع ہوا ہے۔ مفتی عزیز الرحمن صاحب جو ایک خدا ترس عالم تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ میں نے جلالین میں قرآن کی یہ آیت پڑھی اور حدیث کی ایک کتاب میں ایصالِ ثواب کی یہ حدیث دیکھی، دونوں میں تعارض نظر آیا بہت سوچا، کتابیں دیکھی لیکن کسی طرح اس کا حل سمجھ نہ آ سکا۔

رات کو سو نے کیلئے گھر گیا اور سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن معاً یہ خیال آیا کہ اگر رات کو موت آگئی تو دو صورتوں سے ایک یقینی ہے یا تو حدیث کا انکار لازم آتا ہے یا پھر قرآن کا اور ان دو صورتوں میں ایمان کی سلامتی نہیں یہ خیال آتے ہی بستر سے اٹھا مولانا گنگوہیؒ جو کہ ضعیف ہو چکے تھے، بینائی جا چکی تھی ان کے پاس پہنچا وہ اس وقت وضو فرما رہے تھے، فرمایا کہ "کیوں آئے؟" میں نے عرض کیا کہ "اس آیت اور حدیث میں تعارض واقع ہو گیا ہے اور اس کا حل سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں"۔ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا "قرآن کی اس آیت لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" سے نفسِ ایمان مراد ہے یعنی اگر کوئی شخص ایمان نہیں لائے تو کسی دوسرے کا ایمان اس کا کام نہیں آئے گا اور حدیث سے مراد عمل ہے، ایمان کسی کو نہیں بخشا جاسکتا، عمل بخشا جاسکتا ہے۔

ج

جج ارکان اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔ حج 9 ہجری میں فتح مکہ کے بعد فرض ہوا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے دین و اسلام کو ایک محل سے تشبیہ دی ہے جس کے پانچ ستون ہیں (1) کلمہ طیبہ (2) نماز (3) روزہ (4) زکوٰۃ (5) حج۔۔۔۔۔ حج عظیم ترین عبادت اور اللہ کے نیک بندوں کا شعار ہے احادیث کے مطابق تمام انبیاء اکرام نے حج کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہر صاحب استطاعت پر حج فرض ہے حج کرنے سے فریضہ کی ادائیگی اور ثواب ملتا ہے اور اس کو ترک کرنے پر گناہ ہے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہیں کرتا تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر مرے۔" (مشکوٰۃ، ترمذی)

حج کی تعریف:- حج مقرر مہینوں میں، مقرر ایام کے اندر، مقرر عبادات کرنے کا نام ہے۔ نبی کریم نے فرمایا "حج وقوف عرفہ کا نام ہے۔" (سنن نسائی، جامع ترمذی)

اسلئے وقوف عرفات کو حج کا رکن اعظم کہتے ہیں جس کے بغیر حج نہیں۔

قرآن مجید میں سورہ البقرہ، آیت نمبر 197 میں ارشاد خداوندی ہے: الْحَجُّ أَشْهُزُّ مَعْلُومَتُهُ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفْتٌ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جِدَالٌ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَرَوْا فَإِنْ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا لِلَّهِ الْبَابِ

ترجمہ: حج کے مہینہ جانے ہوئے ہیں (یعنی یکم شوال سے 10 ذی الحج تک) تو جو شخص ان ایام میں حج کی نیت کرے (حج کا احرام باندھے) تو پھر نہ کوئی فحش بات کرے، اور نہ حکم عدولی درست ہے، اور نہ ہی کسی قسم کا جھگڑا کرے۔ (اس کو چاہئے کہ ہر وقت نیک کام میں لگا رہے) اور جو کوئی نیک کام کیا جائے گا اللہ اسے جانتا ہے اور ذرا راہ ساتھ لے۔ لو بے شک سب سے بہتر ذرا راہ تقویٰ ہے اور اسے عقل والو! ہر وقت مجھ سے ڈرتے رہو۔"

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جس نے اللہ کی رضا کے لئے حج کیا اور اس طرح کہ اس حج میں نہ رفٹ ہو (یعنی فحش بات نہ ہو) اور نہ فسق ہو (یعنی حکم عدولی نہ ہو، اللہ کا حکم مانا جائے) تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے اُس دن کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔" (بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، ۱/ ۵۱۲، حدیث: ۱۵۲۱)

حج اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب استطاعت، عاقل بالغ اور تندرست مسلمان مرد اور عورت پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض قرار دیا ہے۔ حج ایک جامع عبادت ہے۔

مقامات مقدسہ:- خانہ کعبہ یا بیت اللہ شریف: یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جس کا طواف کیا جاتا ہے یہ ایک بڑی مسجد میں واقع ہے جسے مسجد الحرام کہتے ہیں۔

بیت اللہ شریف کے مختلف کونوں کے نام:-

- (1) رکن یمانی (جنوب مغربی کونا ہے جو یمن کی سمت میں واقع ہے)۔
- (2) رکن عراقی (شمال مشرقی عراق کی سمت کا کونا ہے)۔
- (3) رکن شامی (شمال مغربی شمال کی سمت کا کونا ہے)۔
- (4) رکن حجرہ اسود (جنوب مشرقی کونا)۔

حجر اسود:- حجر اسود سیاہ رنگ کا جنتی پتھر ہے یہ بیت اللہ شریف کے جنوب مشرقی کونے میں نصب ہے۔ حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک ہے جسے سیدنا آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے اور تعمیر بیت اللہ کے وقت ایک گوشہ میں نصب فرمایا تھا۔

طوفان نوحؑ میں آدمؑ کا تعمیر کردہ بیت اللہ آسمانوں پر اٹھائے جاتے وقت اس متبرک پتھر کو شکم جبل ابی قیس (پہاڑ ابی قیس کے اندر) میں امانت رکھ دیا گیا تھا، پھر تعمیر ابراہیم کے وقت جبریلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا تھا، اس طرح اُسے پھر اسی جگہ کی زینت بنا دیا گیا جہاں پہلے رونق افروز تھا۔ (تفسیر قرطبی)

ملترم:- بیت اللہ کا وہ حصہ جو حجر اسود اور بیت اللہ شریف کے دروازے کے درمیان ہے اس مقام پر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

مقام ابراہیم:- بیت اللہ شریف کے دروازے کے سامنے ایک شیشے کا گلوب رکھا ہوا ہے۔ جس کے اندر چاندی کے طشت سے ڈھکا ہوا ایک پتھر ہے اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کے نقش ثبت ہیں جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی تھی۔ اس جگہ کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ طواف مکمل کرنے کے بعد یہاں نفل پڑھنے کا حکم ہے لیکن مطاف میں رش کی وجہ سے پیچھے جا کر نفل پڑھ لینا بہتر ہے۔

میزابِ رحمت:- یہ بیت اللہ شریف کی چھت کا پرنا لہ ہے۔

حطیم شریف:- جو بیت اللہ شریف کا ہی حصہ ہے جو کسی زمانے میں بننے سے رہ گیا تھا۔ اب یہاں نفل ادا کئے جاتے ہیں طواف اس کے باہر سے کیا جاتا۔ اس میں خانہ کعبہ کی چھت کا پانی میزابِ رحمت سے نیچے آتا ہے۔

احرام کیا ہے؟:- احرام وہ لباس ہے جس کو پہن کر حج کیا جاتا ہے۔ مرد کے لئے احرام دو چادریں بغیر سلی اور عورت کے لئے اس کا لباس ہی احرام ہے۔

احرام کی پابندیاں:- 1- احرام کی حالت میں نہ فحش گوئی کرنی ہے۔ 2- نہ اللہ کے احکامات سے روگردانی کرنی ہے۔ 3- نہ جھگڑا کرنا ہے۔

4- احرام کی حالت میں نہ شکار کر سکتے ہیں نہ شکار یوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ ناخن تراشنا، بال کاٹنا، خوشبو لگانا، سلاہوا کپڑا پہننا، موزے پہننا، چہرہ ڈھانپنا، بوس و کنار کرنا، ازدواجی تعلقات قائم کرنا منع ہے۔ اگر حج کرنا ہے تو جب ذوالحج کا چاند نظر آجائے تو ہرگز ناخن یا بال وغیرہ نہ کاٹیں یہاں تک کہ حج مکمل کر لیں۔۔۔ یعنی جب تک قربانی نہ ہو جائے بال یا ناخن نہ کاٹیں۔

احرام باندھنے والوں کے لئے ایک اہم ہدایت:- اکثر حجاج احرام باندھنے کے بعد دایاں کندھا اور بازوؤں ننگا کر لیتے ہیں اور سعی بھی اسی حالت میں کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ کندھا اور بازو ننگا رکھنے کا عمل صرف طواف کے ساتھ چکروں تک محدود ہے اس کے بعد کندھا اور بازو ڈھانپ کر واجب الطواف کے نفل ادا کریں۔ نماز میں دونوں کندھوں کا ڈھانپنا انتہائی ضروری ہے۔

عمرہ کرنے کے ضروری احکامات:- جو مرد یا عورت عمرہ کرنے کے لئے روانہ ہوں ان کے لئے مندرجہ ذیل کام ضروری ہیں۔

عمرہ میں دو فرض اور دو واجب ہیں۔

فرض اور واجب میں فرق:- فرض اسے کہتے ہیں جو کسی قطعی دلیل مثلاً قرآن کریم کی کسی واضح آیت یا متواتر حدیث سے ثابت ہو۔ فرض کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ جبکہ واجب ظنی (یعنی شبہ والی) دلیل سے ثابت شدہ عمل کو کہتے ہیں۔ واجب کا منکر کافر نہیں ہوتا لیکن گناہ گار ہو جاتا ہے اور عذاب کا مستحق بھی ہوگا۔ اس لئے واجب کو بھی عملاً فرض کی طرح ادا کیا جاتا ہے۔

(1) پہلا فرض: میقات یا میقات سے پہلے عمرہ کا احرام باندھنا (احرام باندھنا عمرہ کی لازمی شرط ہے۔)

غسل کرنے اور احرام باندھنے کے بعد دو رکعت نماز نفل برائے واجب الاحرام کے پڑھیں۔ (جس میں پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص پڑھیں۔)۔۔۔۔۔ اور پھر عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنا۔

عمرہ کرنے کی نیت:- یا اللہ نیت کی میں نے عمرہ کی، اس کو پورا کرنا۔ اس کو میرے لئے آسان کرنا اور اس کو قبول کرنا اور اس کے طفیل مجھے دین و دنیا کی عافیت نصیب فرمانا۔ نیت کے بعد تین بار درود ابراہیمی اور تین بار تلبیہ پڑھنا۔

تلبیہ:- لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمت لک والملك لا شریک لک۔

ترجمہ: میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لئے ہی ہیں اور ملک بھی تیرا ہے (بادشاہی تیری ہے) تیرا کوئی شریک نہیں۔

نوٹ: اگر دو رکعت نفل پڑھنے کا موقع نہ ملے یا وقت مکروہ ہو یا نماز کی جگہ نہ ہو تو احرام باندھنے کے بعد ہی عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لیں۔ احرام کے دو نفل ادا کرنا فرض یا واجب نہیں ہے سنت ہے۔

(2) دوسرا فرض: مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرنا۔

(1) پہلا واجب: صفاء مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

(2) دوسرا واجب: حلق یا قصر یعنی سعی سے فارغ ہونے کے بعد سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔

عمرہ کی ادائیگی کا طریقہ:- مکہ مکرمہ پہنچ کر وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر تلبیہ پڑھتے ہوئے مسجد الحرام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ خانہ کعبہ (باہر کی عمارت) دیکھتے ہی

تیسرا کلمہ پڑھیں۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت بھی کر لیں خانہ کعبہ پر پہلی نگاہ پڑے تو دعا کریں اَللّٰہی مجھے مستجاب الدعاء بنا دے۔ (یعنی جو دعائیں کروں وہ قبول فرما) پھر اپنی دعا کریں۔ بیت اللہ پر پہلی نگاہ پڑھتے ہی جو دعائیں مانگی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ مطاف میں اترتے وقت تلبیہ ختم کر دیں اور نیت طواف کی کریں۔ "یا اللہ نیت کی میں نے طواف کی اس کو میرے لئے آسان کرنا۔ اس کو پورا کروانا اور اس کو قبول فرما کر مجھے دین و دنیا میں عافیت نصیب کرنا۔" اس کے بعد حجر اسود کے سامنے ہو کر دونوں ہاتھ سینے تک اٹھائیں اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں کعبۃ اللہ کی طرف ہوں پھر کہیں: بِسْمِ اللّٰہِ الْکَبْرِیِّ وَ اللّٰہِ الْحَمْدُ ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔"

پھر ہتھیلیوں کو بوسہ دے (اسے استلام کہتے ہیں یہ بوسہ کا بدل ہے)

اس کے بعد طواف شروع کریں مرد طواف کے پہلے تین چکر میں رمل کریں گے یعنی (قریب قریب قدم رکھ کر قدرے تیزی سے چلیں) یہ سنت ہے۔ آخری چار چکروں میں رمل نہیں ہوگا۔ عورت رمل نہیں کرے گی۔ اب کعبہ شریف کے دروازے سے آگے بڑھ کر حطیم کو طواف میں شامل کرتے ہوئے کعبہ شریف کی پشت سے گزر کر رکن یمانی پر پہنچیں تو اس کو دونوں ہاتھ یا صرف دایاں ہاتھ لگائیں اور کہیں "بسم اللہ اکبر"۔ اب ہاتھ نہیں چومنا۔ پھر وہاں سے آگے رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھتے ہوئے حجر اسود تک پہنچیں اب طواف کا ایک چکر مکمل ہوا اب دوسرے چکر کے لئے پھر اسی طرح خانہ کعبہ کے سامنے حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے

"بسم اللہ اکبر واللہ الحمد" کہیں اور دوسرا چکر بھی اسی طرح مکمل کریں۔ اسی طرح سات چکر مکمل کرنے کے بعد پھر آٹھواں استلام کریں۔

طواف سے فارغ ہوتے ہی دونوں کندھے ڈھانپ لیں۔ پھر مطاف میں جہاں جگہ ملے دو رکعت واجب الطواف کے ادا کریں۔ پھر آب زمزم پیئیں۔ پھر حجر اسود کا استلام کریں یہ سنت موکدہ ہے۔ اس کے بعد صفا پر پہنچ جائیں وہاں پہنچ کر نواں استلام کریں (یہ سنت موکدہ ہے)۔ اور پھر سعی کی نیت کریں۔ نیت: اے اللہ نیت کی میں نے صفا و مروہ پر سعی کی یا اللہ اس کو میرے لئے آسان کرنا اس کو پورا کروانا اور اس کو قبول فرمانا اور مجھے دین و دنیا کی عافیت نصیب فرمانا آمین۔ اس کے بعد کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں دعا کی طرح ہاتھ اٹھائیں اور پڑھیں،

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر O اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر O

پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر مل لیں پھر صفا سے مروہ کی طرف منہ کر کے چکر شروع کریں۔ سبز لائٹ کے درمیان مردوں کے لئے تیز چلنا مسنون ہے سبز لائٹ کے درمیان یہ دعا پڑھیں، رَبِّ اغْفِرْ وَاِزْحَمْ وَاَنْتَ خَبِيرٌ رَّحِیْمٌ O ترجمہ: اے اللہ معاف کر دے اور رحم فرما تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ پھر جب مروہ پر پہنچ جائیں۔ مروہ پر پہنچ کر ایک چکر ہو گیا تو وہاں بھی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے توحید و تکبیر،

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر O اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر O

چکر کے دوران تیسرا کلمہ، چوتھا کلمہ، درود شریف کے علاوہ جو دعائیں چاہیں کر سکتے ہیں صفا پر پہنچ کر دو چکر ہو گئے۔ اب صفا پر پہنچ کر قبلہ رخ ہو کر پھر سے توحید و تکبیر پڑھیں اور تیسرا چکر صفا سے مروہ کی طرف کریں اس طرح سات چکر کرنے میں صفا سے شروع کر کے مروہ پہ سات چکر پورے ہوں گے۔

نوٹ: بعض لوگ صفا مروہ کے درمیان 14 مرتبہ آنے جانے کو مکمل سعی کہتے ہیں یہ غلط ہے صرف سات مرتبہ ان دونوں کے درمیان گزر جانے سے سعی مکمل ہو جاتی ہے صفا و مروہ کی سعی مکمل کرنے کے بعد مرد حضرات حجام کی دکان پہ جا کے پورے سر کا حلق کروائیں (یعنی پورے سر کے بال منڈوائیں) یا قصر کروائیں یعنی پورے سر کے بال ایک انگلی کے پورے کے برابر کٹوائیں۔ حلق قصر سے بہتر ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حلق کروانے والے کی بخشش کے لئے تین مرتبہ اور قصر کروانے والے کی بخشش کے لئے ایک مرتبہ دعا فرمائی ہے۔ البتہ عورتوں کا سر منڈوانا حرام ہے وہ سر کے بالوں کی آخری لٹ ایک پوروے کے برابر کٹوادیں (اس سے جس نے اپنا عمرہ مکمل کر کے بال کٹوائے ہوں)۔

نوٹ: سعی کے لئے جانے سے پہلے حجرہ اسود کا نواں استلام کرنا سنت موکدہ ہے۔

حج کی اقسام:- حج کی تین اقسام ہیں: (1) حج قرآن (2) حج افراد (3) حج تمتع

(1) حج قرآن:- حج اور عمرہ ایک ہی احرام کے ساتھ دونوں کو ملا کر کیا جائے یعنی حج اور عمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کر کے پہلے عمرہ اور پھر حج بغیر احرام کے کھولے ہوئے کیا جائے۔

(2) حج افراد:- ایسا حج جس میں حج کی نیت سے احرام پہن کر صرف حج ہی کیا جائے۔

(3) حج تمتع:- حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھانا یعنی حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کیا جائے اور عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دیا جائے پھر حج کے دنوں میں حج کا احرام باندھ کر مقررہ ایام میں حج کیا جائے (آفاقی لوگ) یعنی دو دراز سے آنے والے لوگ حج تمتع کی ہی نیت کرتے ہیں۔

فرائض حج:- حج کے تین فرض ہیں۔ (1) احرام باندھنا (2) وقوف عرفات (3) طواف زیارت

ان تینوں میں سے کوئی چھوٹ جائے تو حج نہ ہوگا اور دم دینے سے بھی ان کی تلافی نہ ہوگی۔ (یعنی اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے)

واجبات حج:- حج کے چھ واجبات ہیں۔

(1) مزدلفہ میں وقوف (صبح فجر کی نماز سے لے کر طلوع آفتاب تک ٹھہرنا) (2) رمی جمار یعنی تینوں شیطانون پر کنکریاں مارنا

(3) قربانی کرنا۔ ایام حج رات میں منی میں قیام کرنا (4) حلق یا قصر کروانا (بال کٹوانا)

(5) طواف زیارہ کرنا۔ صفا و مروہ کی سعی کرنا۔ (6) طواف وداع کرنا (اپنے ملک آنے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرنا)

مندرجہ بالا تمام چیزوں میں سے اگر کوئی بات رہ جائے تو حج ہو جائے گا مگر اس کا کفارہ لازم ہوگا۔ (دم دیا جائے گا۔ جو کے ایک بکرہ مکہ میں ہی صدقہ کرنا ہوگا)

حج کی سنتیں:-

(1) افراد آفاقی اور حج قرآن کرنے والوں کو طواف قدم کرنا (2) 8 ذی الحج کی صبح کو منی کے لئے روانہ ہونا اور وہاں پانچ نمازیں پڑھنا

(3) طلوع آفتاب کے بعد 9 ذی الحج کو منی سے عرفات کے لئے روانہ ہونا (4) عرفات سے غروب آفتاب کے بعد روانہ ہونا

(5) عرفات میں غسل کرنا (6) عرفات سے واپس آ کر رات کو مزدلفہ میں ٹھہرنا

(7) ایام منی میں رات کو منی میں رہنا واجب اور دن کو رہنا سنت ہے

سنت کا حکم یہ ہے قصد ترک کرنا برا ہے اور اس کے ادا کرنے سے ثواب ملتا ہے لیکن ان کے ترک کرنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔

نوٹ: ہر مسلمان کو دل و جان سے سنت نبوی خاتم النبیین ﷺ پہ عمل کرنا چاہیے۔

کفارے اور ان کی اقسام:

1- دم:- دم سے مراد پوری بکری، بھیڑ (یا اونٹ، گائے کا سا تو اس حصہ) لازماً حد و حرم میں ذبح کر کے کفارہ ادا کرنا۔ خود یا غنی شخص نہ کھائے۔

دم مندرجہ ذیل باتوں پر دینا ہوگا:

(1) مردوں کے لئے حالت احرام میں خوشبو کا استعمال

(2) حالت احرام میں سر یا ڈاڑھی کو مہندی لگانا (مرد و عورت دونوں پر دم)

(3) خوشبودار تمباکو اور پان میں الائچی وغیرہ کا استعمال مکروہ اور دم کی طرف اشارہ ہے

(4) حالت احرام میں پورا دن یا پوری رات یا اکثر وقت سلاہوا کپڑا، انڈرویئر، موزے وغیرہ پہنا تو دم واجب ہے۔

(5) مرد کا چہرہ یا سر۔ عورت کا صرف چہرہ ایک دن، ایک رات یا اکثر وقت کپڑے سے ڈھانپنا

(6) ڈاڑھی، بغل یا زیر ناف یا گردن کے بال صاف کرنا یا کٹوانا

(7) ہاتھ پاؤں یا صرف ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹنا۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کے پاس ذبح کرنے کے لئے کوئی ذبیحہ ہو تو جب ذوالحجہ کا چاند نظر آجائے وہ

ہرگز اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے، یہاں تک کہ قربانی کر لے۔" (پھر بال اور ناخن کاٹے) (صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، مشکوٰۃ)

2- بدنہ:- یعنی اونٹ یا گائے بطور کفارہ ادا کرنا۔ (طواف زیارت سے پہلے صحبت کرنے پر بدنہ یعنی اونٹ یا گائے بطور کفارہ دیا جائے گا۔)

3- صدقہ:- یعنی صدقہ کی مقدار ڈھائی کلو گرام کی قیمت ادا کرنا

صدقہ مندرجہ ذیل باتوں پر دینا ہوگا: 1- پیر کے نیچے ٹڈی، لال بیگ یا اس قسم کا کوئی جانور آجائے۔ 2- جوں ماری جائے۔

حج کی ادائیگی کا طریقہ

8 ذی الحج سے 12 ذی الحج کے دنوں کو ایام حج کہا جاتا ہے۔

حج کا پہلا دن:- 7 ذی الحج مغرب کے بعد 8 ذی الحج شروع ہو جائے گا رات ہی کو منی کے لئے روانگی کی تیاری کر لیں، غسل کریں غسل کے بعد احرام باندھیں اور دو رکعت نماز نفل احرام کے ادا کریں نفل کی ادائیگی کے بعد حج تمتع کی نیت کریں۔

نیت: یا اللہ نیت کرتا ہوں حج تمتع کی یا اللہ اس کو میرے لئے آسان کرنا اس کو پورا کروانا اور اپنے کرم و فضل سے اس کو قبول فرما نا اور مجھے دین و دنیا کی عافیت نصیب فرما نا۔ اس کے بعد بلند آواز سے تین بار تلبیہ پڑھیں یہ فرض ہے (لبیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک) اس کے بعد آہستہ آواز سے تین مرتبہ درود شریف پڑھیں اب احرام کی پابندیاں لازم ہو گئی ہیں۔

منی میں اگر سات ذی الحج کی رات کو پہنچ گئے تو بھی ٹھیک ہے 8 ذی الحج کی صبح فجر پڑھنے کے بعد بھی منی کی روانگی ہو سکتی ہے کیونکہ منی میں اپنے خیمے کے اندر 8 ذی الحج کی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھنی ہیں اور 9 ذی الحج کی فجر کی نماز بھی منی میں ہی ادا کرنی ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے یہ پانچ نمازیں منی میں ہی ادا فرمائی تھیں۔ 8 ذی الحج کا دن اور رات منی میں گزارنی ہے اور خوب عبادت کرنی ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کے لئے بھی درخواست کرتے رہنا ہے۔

حج کا دوسرا دن (9 ذی الحج):- فجر کی نماز منی میں پڑھنے کے بعد حج کا سب سے بڑا رکن وقوف عرفہ ادا کرنا ہے۔ یہ رکن اعظم ہے۔ جس کے بغیر حج نہیں ہے عرفات منی سے تقریباً 9 کلومیٹر کے فاصلے پہ ہے حاجیوں کے قافلے فجر کی نماز کے بعد عرفات پہنچنا شروع ہو جاتے ہیں جس قدر ہو سکے تلبیہ، درود شریف اور چوتھے کلمے کا ورد کریں عرفات پہنچ کر اپنے خیمے میں ہی قیام کریں۔

سنت طریقہ یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی امیر حج کی اقتدا میں پڑھی جائے یعنی عصر کو بھی ظہر کے وقت میں پڑھ لیں۔ مسجد نمبرہ میں امام صاحب دونوں نمازیں اکٹھی پڑھاتے ہیں چونکہ ہر شخص مسجد نمبرہ میں نہیں پہنچ سکتا اور سب حاجی مسجد نمبرہ میں نہیں سما سکتے اور بغیر امیر حج کی اقتدا کے دنوں نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں ہے اس لئے پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، ہندوستان وغیرہ کے خفی علمائے اکرام حاجیوں کو یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے خیموں میں ظہر کی نماز ظہر کے وقت اور عصر کی نماز عصر کے وقت باجماعت ادا کریں اور نمازوں کے علاوہ جو وقت ہے اسے ذکر و دعا اور تلبیہ میں گزاریں (بحوالہ کتاب طریقہ حج و عمرہ)۔ جب سورج غروب ہو جائے تو بعد نماز مغرب پڑھئے عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو جائیں راستے میں تلبیہ اور ذکر جاری رکھیں۔ عرفات اور منی کے درمیان منی سے مشرق کی سمت 4.5 کلومیٹر کا میدان ہے جسے مزدلفہ کہتے ہیں اسی میدان کے آخری سرے پر ایک پہاڑ ہے جسے مشعر الحرام کہتے ہیں۔ حدود مزدلفہ میں جہاں بھی جگہ مل جائے بہتر ہے۔ مزدلفہ میں بیٹھنے کے بعد جب عشاء کا وقت ہو جائے تو مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں اس طرح ادا کریں کہ پہلے مغرب کے فرض پھر عشاء کے فرض پھر مغرب کی سنتیں اور نوافل اور پھر عشاء کی سنتیں وتر اور نوافل پڑھیں۔ یعنی دونوں نمازوں کے فرضوں کے درمیان کوئی سنت یا نفل نہیں پڑھنے۔ یہ رات مزدلفہ میں آسمان کے نیچے بسر کرنی ہے نماز کی ادائیگی سے فراغت کے بعد کچھ دیر آرام کر سکتے ہیں پھر اٹھ کر تازہ دم ہو کر عبادت میں مشغول ہو جائیں یہ رات بہت افضل ہے اسی رات میں انوار الہی کی بارش ہوتی ہے۔ تھکاوٹ یا نیند کا غلبہ ہو تو سو بھی سکتے ہیں۔ ساری رات عبادت، ذکر، تلاوت اور دعائیں کرتے ہوئے گزاریں۔ امت مسلمہ کے لئے بھی دعا کریں یہاں سے ہی شیطانوں کو کنکر یاں (جمرات کی رمی کے لئے) مارنے کے لئے ایک تھیلی میں جمع کر لیں۔

حج کا تیسرا دن (10 ذی الحج):- 10 ذی الحج کو پہلا حکم وقوف مزدلفہ ہے جو واجب ہے۔ اس کا وقت طلوع فجر سے لے کر سورج نکلنے تک ہے وقوف

مزدلفہ واجب ہے اس کے چھوڑنے پر دم واجب ہے لیکن آج کل بوڑھے، بچے، بیمار کو صبح فجر سے پہلے مزدلفہ چھوڑ دینے کا فتویٰ ہے ان عورتوں کے محرم یا ان کی گاڑیوں کے ڈرائیور بھی ان کے ساتھ جاسکتے ہیں (باقی تندرست، جوان لوگ ایسا نہیں کر سکتے)۔

فجر سے پہلے مزدلفہ چھوڑنے کا حکم:- ضعیف عورتوں اور مردوں، مریض عورتوں اور مردوں اور بھاری بھر کم عورتوں اور مردوں کو صبح سویرے اور ہجوم ہونے سے پہلے (فجر سے پہلے) مزدلفہ سے روانہ ہونا مستحب ہے اور باقی لوگوں کے لیے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد ٹھہرنا ضروری ہے۔ (واجب ہے) کیونکہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک مزدلفہ میں ٹھہرنا وقوف مزدلفہ ہے۔

- 1- حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ "میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے گھر کے ان کمزور لوگوں میں سے تھا جنہیں آپ خاتم النبیین ﷺ نے مزدلفہ کی رات ہی میں منیٰ بھیج دیا تھا"۔ (صحیح بخاری، کتاب حج کے مسائل کا بیان، جلد 3، حدیث نمبر 1678)
- 2- حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ "ہم نے مزدلفہ میں قیام کیا نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ام المومنین حضرت سودہؓ کو لوگوں کے اڑدھام سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ بھاری بھر کم بدن کی خاتون تھیں۔ اس لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے اجازت دے دی۔ لیکن ہم لوگ وہیں ٹھہرے رہے اور صبح کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ گئے۔ اگر میں حضرت سودہؓ کی طرح آپ خاتم النبیین ﷺ سے اجازت لیتی تو مجھ کو تمام خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا"۔ (صحیح بخاری، کتاب حج کے مسائل کا بیان، جلد 3، حدیث نمبر 1681)
- مندرجہ بالا بیان میں لوگوں کا جھوم، اڑدھام، مجمع اور بھاری جسم والے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ معذور اور کمزور، مریض، بھاری بھر کم جسم والے حضرات رات کے آخری حصے میں نماز فجر سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کی جانب روانہ ہو سکتے ہیں۔

- حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کے غلام حضرت عبداللہؓ حضرت اسماءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "وہ رات کے رات ہی میں مزدلفہ پہنچ گئیں اور کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں۔" کچھ دیر نماز پڑھنے کے بعد پوچھا "بیٹے! کیا چاند ڈوب گیا؟" میں نے کہا "نہیں"۔ وہ دوبارہ نماز پڑھنے لگیں۔ کچھ دیر کے بعد پھر پوچھا "کیا چاند ڈوب گیا؟" میں نے کہا "ہاں"۔ انہوں نے کہا "اب آگے چلو (منیٰ کو)"۔ چنانچہ ہم ان کے ساتھ آگے چلے (منیٰ کو)۔ اور رمی جمرہ (بڑے شیطان کو کنکریاں مارنے) کے بعد واپس منیٰ آگئیں اور صبح کی نماز اپنے ڈیرے پر پڑھی۔ میں نے کہا "جناب یہ کیا بات ہوئی کہ ہم نے اندھیرے ہی میں صبح کی نماز پڑھ لی؟" انہوں نے کہا "بیٹے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے"۔ (صحیح بخاری، کتاب حج کے مسائل کا بیان، جلد 3، حدیث نمبر 1679)
- یہ روایت ثبوت ہے کہ عورتیں، بچے، مریض، معذور لوگ وقت سے پہلے بھی نماز فجر ادا کر سکتے ہیں۔ اس طرح طلوع آفتاب سے پہلے ہی کنکریاں بھی مار سکتے ہیں۔
- 3- حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر کے لوگوں میں سے کمزوروں کو پہلے ہی بھیج دیا کرتے تھے اور وہ رات ہی میں مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس آ کر ٹھہرتے اور اپنی طاقت کے مطابق اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ پھر امام کے ٹھہرنے اور لوٹنے سے پہلے ہی منیٰ آ جاتے۔ بعض تو منیٰ فجر کی نماز کے وقت پہنچتے اور بعض فجر کی نماز کے بعد۔ جب منیٰ پہنچتے تو کنکریاں مارتے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان سب لوگوں کے لیے یہ اجازت دی ہے"۔ (صحیح بخاری، کتاب حج کے مسائل کا بیان، جلد 3، حدیث نمبر 1676)

10 ذی الحجہ کو منیٰ پہنچ کر سب سے پہلا کام بڑے شیطان کو کنکریاں مارنا ہے جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کا مسنون وقت (سنت وقت) سورج نکلنے سے لے کر زوال تک ہے لیکن بے حد رش کی وجہ سے اب پورے دن میں کسی وقت بھی رمی کر سکتے ہیں خصوصاً عورتوں کو رات کے وقت رمی کرنی چاہیے۔

حدیث:- محسن بن ادرعؓ سے مروی ہے "رسول اللہ (خاتم النبیین ﷺ) تک یہ بات پہنچی کہ مسجد میں ایک آدمی لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ آپ (خاتم النبیین ﷺ) اس کے پاس آئے اور اسے کاندھے سے پکڑا پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے آسانی کو پسند کیا ہے اور تنگی کو نا پسند کیا ہے" (آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی) اور اس شخص نے تنگی کو اختیار کیا ہے اور آسانی کو چھوڑ دیا ہے"۔ [السلسلہ الصحیحہ 981، جلد 1، باب ایمان، توحید، دین اور تقدیر کا بیان، رقم 1635]

مسئلہ: اگر کسی نے دوسرے دن صبح صادق تک رمی نہیں کی ہے تو قضاء ہوگئی گیارہویں تاریخ کو قضا کرے اور دم دے۔

قربانی:- جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی سے فارغ ہو کر (بطور شکرانہ) حج کی قربانی کرے یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یاد والی قربانی نہیں بلکہ قربانی کے کرنے والے کی نیت حج کا واجب ادا کرنے کی ہونی چاہیے۔ حج قرآن اور حج تمتع والوں پر قربانی واجب ہے جب تک قربانی نہ ہو جائے سر کے بال نہ منڈوائیں۔ اگر حج قرآن اور حج تمتع کرنے والے کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش نہ ہو تو اس کے بدلے وہ دس روزے رکھ لیں۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ تین روزے 10 ذی الحجہ سے پہلے اور حج کے مہینوں یعنی شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ میں رکھے ہوں اور سات روزے ایام تشریف (یعنی 9 ذی الحجہ کی نماز فجر سے 13 ذی الحجہ کی نماز عصر تک) گزر جانے کے بعد رکھے خواہ مکہ میں ہو یا کسی اور جگہ لیکن جا کر رکھنا افضل ہے۔ اگر کسی نے 10 ذی الحجہ سے پہلے تین روزے نہیں رکھے ہیں تو اسے قربانی ہی کرنی پڑے گی۔

مسئلہ: قربانی دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ میں سے کسی ایک تاریخ میں کرنا لازمی ہے جب تک قربانی نہ ہو جائے بال نہیں کٹوانے اگر ایسا کر لیا تو دم

فضائل حج

قرآن پاک سورہ البقرہ، آیت نمبر 197 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "حج کا زمانہ چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (یعنی یکم شوال سے 10 ذی الحج تک) پس "جو شخص ان ایام میں اپنے اوپر حج مقرر کر لے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر نہ کوئی فحش بات جائز ہے اور نہ حکم عدولی درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا زیبا ہے (بلکہ اس کو چاہیے کہ ہر وقت نیک کام میں لگا رہے) اور جو نیک کام کرو گے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جانتے ہیں۔"

قرآن پاک میں سورہ آل عمران، آیت نمبر 97 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور اللہ جل شانہ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان (یعنی بیت اللہ) کا حج فرض ہے اُس شخص کے ذمہ ہے جو وہاں جانے کی سبیل رکھتا ہو اور جو منکر ہو تو (اللہ جل شانہ کا کیا نقصان ہے) اللہ تعالیٰ تمام جہان سے غنی ہے" (یعنی اسکو پرواہ نہیں)

1- حدیث:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "جو شخص اللہ کے لیے حج کرے اس طرح کہ اس حج میں نہ رفٹ ہو (یعنی فحش بات) اور نہ فسق ہو (یعنی حکم عدولی) وہ حج سے ایسا واپس ہوتا ہے جیسا اُس دن تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا"۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ)

2- حدیث:- ایک حدیث میں آیا ہے "قیامت کے قریب میری امت کے امیر لوگ حج محض سیر و تفریح کے ارادے سے کریں گے (گویا لندن اور پیرس کی تفریح نہ کی جاز کی تفریح کر لی) اور میری امت کا متوسط طبقہ تجارت کی غرض سے حج کرے گا کہ تجارتی مال کچھ ادھر سے لے گئے کچھ وہاں سے لے آئے اور رعایا، ریا اور شہرت کی وجہ سے حج کریں گے (کہ فلاں مولانا نے پانچ حج کر رکھے ہیں اور فلاں نے دس) اور غرباء بھیک مانگنے کی غرض سے جائیں گی"۔ (کنز العمال)

3- حدیث:- حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے "نیکی والے حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں"۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ)

4- حدیث:- حدیث میں ہے "حج کی نیکی کھانا کھلانے اور لوگوں کو کثرت سے سلام کرنے میں ہے"۔ (ترغیب)

5- حدیث:- ایک حدیث میں ہے "جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ سب سے نیچے کے آسمان پر اتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں "میرے بندوں کو دیکھو میرے پاس ایسی حالت میں آتے ہیں کہ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ بدن اور کپڑوں پر غبار پڑا ہوا ہے لَبِیکَ اللّٰہُمَّ لَبِیکَ کا شور ہے دور دور سے چل کر آئے ہیں۔ میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کے گناہ معاف کر دیئے"۔ (مشکوٰۃ)

6- حدیث:- ایک حدیث میں آیا ہے "حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ نے عرفہ کی شام کو عرفات کے میدان میں اُمت کی مغفرت کی دعا مانگی اور بہت آہ زاری سے دیر تک دعا مانگتے رہے، رحمت الہی جوش میں آئی اور اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوا "میں نے تمھاری دعا قبول کر لی اور جو گناہ بندوں نے کئے ہیں وہ معاف کر دیئے البتہ جو دوسروں پر ظلم کئے ہیں ان کا بدلہ لیا جائے گا"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے پھر درخواست کی اور بار بار یہ درخواست کرتے رہے کہ "یا اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ مظلوم کے ظلم کا بدلہ تو اپنے پاس سے عطا کر دے اور ظالم کے قصور کو معاف کر دے" مزدلفہ کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ اس وقت حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے تبسم فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا "آپ خاتم النبیین ﷺ نے ایسی حالت میں تبسم فرمایا (یعنی آہ زاری کے بعد) ایسے وقت تبسم کی عادت شریفہ نہیں ہے۔" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "جب اللہ جل شانہ نے میری یہ دعا قبول فرمائی اور شیطان کو اس کا پتہ چلا تو وہ آہ و واہیلا سے چلانے لگا اور مٹی اپنے سر پر ڈالنے لگا"۔ (ترغیب)

7- حدیث:- ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں "میں حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں منیٰ کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو اشخاص ایک انصاری اور ایک ثقفی حاضر خدمت ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا "حضور خاتم النبیین ﷺ ہم آپ سے کچھ دریافت کرنے آئے ہیں"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تمہارا دل چاہے تو تم دریافت کر لو اور اگر تم چاہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا کہ "آپ خاتم النبیین ﷺ ہی ارشاد فرمادیں"۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تم حج کے متعلق معلوم کرنے آئے ہو کہ:

حج کے ارادے سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟

اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ ہے؟

اور صفامروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہے؟

اور عرفات میں ٹھہرنے کا کیا فائدہ ہے؟

اور شیطانون کو کنکریاں مارنے اور قربانی کا کیا ثواب ہے؟

اور طواف زیارت کرنے کا کیا ثواب ہے؟

انہوں نے عرض کیا "اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا ہے یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے۔"

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

(1) ”حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے کے بعد تمھاری اونٹنی جو قدم اٹھاتی ہے وہ تمھارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور گناہ معاف ہوتا ہے۔

(2) طواف کے بعد دو رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسے ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو۔

(3) صفامروہ کے درمیان سعی کا ثواب ستر غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔

(4) عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوئے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ دنیا کے آسمان پر اتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ

"میرے بندے دور سے براگندہ حال آئے ہوئے بال آئے ہیں میری رحمت کے امیدوار ہیں اے میرے بندو اگر تم لوگوں کے گناہ ریت کے ذروں کے

برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا سمندر کی جھاگوں کے برابر کیوں نہ ہوں تب بھی میں نے معاف کر دیئے۔ میرے بندو جاؤ بخشے بخشائے چلے جاؤ تمھارے

بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔" اس کے بعد حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

(5) ”اور شیطانون کو کنکریاں مارنے کا حال یہ ہے کہ ہر کنکری کے بدلے میں ایک بڑا گناہ جو ہلاک کر دیئے والا ہو معاف ہوتا ہے۔

(6) قربانی کا بدلہ اللہ کے پاس تمھارے لیے ذخیرہ ہے۔

(7) احرام کھولنے کے بعد سر کے بال کٹوانے میں ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔

(8) ان سب کے بعد جب آدمی طواف زیارت کرتا ہے تو ایسے حال میں طواف کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور ایک فرشتہ مونڈھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے

آئندہ از سر نو عمل کرتیرے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔“ (ترغیب)

8- حدیث:- حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ ”جو کوئی بھی مرد یا عورت کسی ایسے خرچ میں بخل کرے جو اللہ کی رضا کا سبب ہو تو وہ اس سے بہت زیادہ

ایسی جگہ خرچ کرے گا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا اور جو شخص دنیا کی غرض سے حج کو جانا ملتوی کرے گا وہ اپنی اس غرض کے پورا ہونے سے پہلے دیکھ لے گا کہ حج سے

فارغ ہو کر لوگ واپس آگئے اور اُس کا وہ کام ابھی نہیں ہوا۔“ (ترغیب، مجمع الزوائد، طبرانی)

9- حدیث:- حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے ”جو بندہ ایسا ہو کہ میں نے اس کو صحت عطا کر رکھی ہو اور اسکے اوپر پانچ سال ایسے

گزر جائیں کہ وہ میرے دربار میں حاضر نہ ہو تو وہ ضرور محروم ہے۔“ (ترغیب، ابن حبان)

10- حدیث:- حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے ”جو شخص حج کے لیے پیدل آئے اور جائے اسکے لیے ہر قدم پر حرم کی نیکیوں میں سے سات سو نیکیاں لکھی

جائیں گی“ کسی نے عرض کیا ”حرم کی نیکیوں کا کیا مطلب؟“ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔“ (حاکم، مستدرک)

11- حدیث:- حضرت عائشہؓ حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ سے نقل فرماتی ہیں ”فرشتے حایوں سے جو سواری پر آتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں اور جو پیدل چل کر آتے

ہیں اُن سے معاف کرتے ہیں۔“ (بیہقی، ابن الجوزی)

12- حدیث:- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے ”کہ آدمی کی نظر کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے اور فوراً اپنی نظر کو ہٹالے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو کسی ایسی عبادت کی

توفیق عطا فرماتے ہیں جس کی لذت اور حلاوت اس کو محسوس ہوتی ہے۔“ (مشکوٰۃ)

13- حدیث:- حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد ہے ”جو حج کے لیے جائے اور راستے میں انتقال کر جائے اس کے لیے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا اور

اسی طرح جو عمرے کے لیے جائے اور راستے میں انتقال کر جائے اُس کو قیامت تک عمرے کا ثواب ملتا رہے گا۔“ (الترغیب)

14- حدیث:- حدیث میں ہے ”جو شخص حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور راستے میں مرجائے نہ اس کی عدالت میں پیشی ہے نہ حساب کتاب اس سے کہہ دیا جائے گا جنت میں داخل ہو جاؤ“

- (الترغیب)

15- حدیث:- ایک حدیث ہے "آدمی کے مرنے کی بہترین حالت یہ ہے کہ حج سے فراغت یا رمضان کے روزے رکھ کر مرے"۔ (کنز)
یعنی یہ دو حالتیں ایسی ہیں کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہوگا۔

16- حدیث:- ایک حدیث میں ہے "جو احرام کی حالت میں مرے گا وہ حشر میں لیکر کہتا ہوا اٹھے گا"۔ (کنز)

17- حدیث:- ایک حدیث میں ارشاد ہے "جو شخص اپنے والدین کی طرف سے اُن کے انتقال کے بعد حج کرے۔ اسکے لیے جہنم کی آگ سے خلاصی ہے اور والدین کے لیے پورا حج لکھا جاتا ہے اور اس کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی اور کسی اپنے قریبی رشتہ دار کے لیے اس سے بڑھ کر صلہ رحمی نہیں کہ اسکے مرنے کے بعد اسکی طرف سے حج کر کے اسکو پہنچایا جائے"۔ (کنز)

18- حدیث:- حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "حق تعالیٰ شانہ (حج بدل میں) ایک حج کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں۔ ایک مردہ جس کی طرف سے حج کیا جا رہا ہو۔ دوسرا حج کرنے والا۔ تیسرا وہ شخص جو حج کر رہا ہے (یعنی جو مال خرچ کرنے والا ہے)"۔ (کنز)

19- حدیث:- حج ارکان اسلام میں ایک اہم رکن ہے اسلئے اس میں کوتاہی پر جتنی سخت وعید ہو کم ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا گیا ہے "جو شخص تندرست ہو اور پیسہ والا ہو کہ حج کو جاسکے اور بغیر حج کے مرجائے تو قیامت میں اُس کی پیشانی پر کفر لکھا ہوا ہوگا"۔ (درمنثور)
20- حدیث:- حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "جس شخص کے پاس اتنا خرچ ہو اور سواری کا انتظام ہو کہ بیت اللہ شریف جاسکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں اس بات میں کہ وہ یہودی ہو کر مرجائے یا نصرانی ہو کر"۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

21- حدیث:- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ حج کر سکے اور وہ حج نہ کرے یا اتنا مال ہو جس سے زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ مرتے وقت دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرے گا"۔ (کنز)

22- حدیث:- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "میں نے حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی۔" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "تمہارا جہاد حج ہے"۔ (صحیح بخاری، مسند احمد، مشکوٰۃ)

23- حدیث:- ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "کیا عورتوں پر بھی جہاد فرض ہے؟" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ہاں ایسا جہاد جس میں قتال نہیں اور وہ حج اور عمرہ ہے"۔ (سنن ابن ماجہ، جلد چہارم، حدیث نمبر 2901)

24- حدیث:- ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سب اعمال سے افضل ہے کیا ہم عورتیں جہاد نہ کیا کریں؟" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تمہارے لیے افضل جہاد مقبول حج ہے"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 1861)

25- حدیث:- ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سب اعمال سے افضل ہے کیا ہم عورتیں جہاد نہ کیا کریں؟" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تمہارے لیے افضل جہاد مقبول حج ہے"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 1861)

25- حدیث:- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "بوڑھے اور ضعیف لوگوں کا اور عورتوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے"۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 4063)

26- حدیث:- ایک اور حدیث میں ہے "بچے اور بوڑھے اور ضعیف آدمیوں کا جہاد حج اور عمرہ ہے"۔ (سنن نسائی، جلد دوم، حدیث نمبر 2627)

شفاء قاضی عیاض میں ایک قصہ لکھا ہے ایک جماعت سعدونؓ خولانی کے پاس آئی اور ان سے ایک قصہ بیان کیا گیا کہ قبیلہ کنانہ کے لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا اور اس کو آگ میں جلانا چاہا رات بھر اس پر آگ جلاتے رہے مگر آگ نے اس پر ذرا بھی اثر نہ کیا بدن ویسا ہی سفید رہا۔ سعدونؓ نے فرمایا کہ "شاید اُس شہید نے تین حج کیے ہوئے ہوں گے"۔ لوگوں نے کہا "جی ہاں تین حج کیے ہیں" سعدونؓ نے کہا "مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس شخص نے ایک حج کیا اس نے اپنا فریضہ ادا کیا اور جس نے دوسرا حج کیا اس نے اللہ کو قرض دیا اور جو تین حج کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کھال اور اس کے بال کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں"۔

صوفیاء میں سے ایک صاحب کشف کا قصہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اُن کو عرفہ کے دن شیطان نظر آیا کہ بہت ہی کمزور ہو رہا ہے چہرہ زرد، آنکھوں سے آنسو جاری اور کمر سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جاتا اُس بزرگ نے اس سے دریافت کیا کہ "تو کیوں رو رہا ہے؟" اس نے کہا کہ "مجھے یہ چیز زار رہی ہے کہ حاجی لوگ بلا کسی

دنیاوی غرض (تجارت وغیرہ کے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے ہیں مجھے یہ ڈر اور رنج ہے کہ وہ پاک ذات ان لوگوں کو نامراد نہیں رکھے گی اس غم میں رو رہا ہوں۔“ وہ فرماتے ہیں پھر میں نے اُس سے پوچھا ”تو دُبا کیوں ہو گیا؟“ اس نے کہا ”گھوڑوں کی آواز سے جو ہر وقت اللہ کے راستوں میں (حج، عمرہ، جہاد وغیرہ) پھرتے رہتے ہیں۔“ انہوں نے فرمایا ”تیرا رنگ ایسا زرد کیوں پڑ گیا؟“ اس نے کہا ”لوگ ایک دوسرے کو نیکیوں پر آمادہ کرتے ہیں اس کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اس وجہ سے۔“ انہوں نے فرمایا ”تیری کمر کیوں جھک گئی ہے؟“ اس نے کہا ”بندہ ہر وقت یہ کہتا رہے کہ یا اللہ خاتمہ بالخیر عطا کر۔ ایسا شخص جس کو اپنے خاتمہ کا ہر وقت فکر ہے کب اپنے کسی نیک عمل پر گھمنڈ کرے گا؟“

علی بن موافق کہتے ہیں کہ میں عرفہ کی شب منیٰ کی مسجد میں ذرا سویا تو میں نے خواب دیکھا کہ دو فرشتے سبز لباس پہنے ہوئے آسمان سے اترے ایک نے دوسرے سے سوال کیا ”اس سال کتنے آدمیوں نے حج کیا؟“ دوسرے نے جواب دیا ”مجھے تو معلوم نہیں“ پہلے نے کہا ”چھ لاکھ آدمیوں نے“ اس نے پھر سوال کیا ”تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا؟“ دوسرے نے کہا ”مجھے معلوم نہیں“ پہلے نے کہا ”چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے۔“ یہ کہہ کر دونوں آسمان کی طرف چلے گئے۔ ابن موافق کہتے ہیں کہ اس خواب کی وجہ سے گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی اور مجھے غم سوار ہو گیا کہ چھ آدمی کل ہیں جن کا حج قبول ہوا ہے میں اُن میں کہاں ہو سکتا ہوں؟ عرفات سے واپسی پر مجمع کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا مزدلفہ کی رات میں اسی سوچ میں میری آنکھ لگ گئی دو فرشتے پھر نظر آئے اور وہی سوال و جواب جو اوپر کیے پھر کیے پھر پہلے فرشتے نے کہا ”تمہیں معلوم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا ہے؟“ دوسرے نے کہا ”مجھے تو معلوم نہیں“ تو پہلے نے کہا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ”ان چھ میں سے ہر ایک کے طفیل ایک ایک لاکھ حج قبول کر لیا جائے گا۔“ ابن موافق کہتے ہیں پھر جو میری آنکھ کھلی تو اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ بیان سے باہر تھی۔

انہی بزرگ کا ایک اور قصہ لکھا ہے وہ کہتے ہیں ”میں نے 50 سے زائد حج کئے اور ان کا ثواب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اور خلفائے راشدین اور اپنے والدین کو بخشا رہا۔ ایک حج رہ گیا میں نے عرفات کے میدان میں لوگوں کے رونے کی آواز سُن کر اس کو بخش دیا جس کا حج قبول نہ ہوا ہو۔“ اس کے بعد مزدلفہ میں مجھے خواب میں اللہ جل شانہ کی زیارت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ”اے علی تو مجھ سے زیادہ سخی بننا چاہتا ہے؟ میں نے سخاوت پیدا کی میں نے سخی لوگوں کو پیدا کیا میں تمام سخی لوگوں سے زیادہ سخی، سارے کریموں سے زیادہ کریم، سارے بخشش کرنے والوں سے زیادہ بخشش کرنے والا ہوں۔ میں نے ہر اس شخص کا حج جو قابل قبول نہ تھا اس کے طفیل قبول کر لیا جس کا حج قبول تھا۔“

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ”اس سفر میں آدمی جو کچھ خرچ کرے اس کو نہایت خوش دلی سے خرچ کرے اور جو نقصان جانی یا مالی پہنچے اس کو برداشت کرے کیونکہ یہ اسکے حج کے قبول ہونے کی علامت ہے جو تکالیف اس سفر میں تحمل کے ساتھ برداشت کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر عظیم اجر مرحمت فرمائیں گے۔“

کو پر کھتے تھے۔ اور اس بات کا برملا اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف و مرتبت اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ کسی عربی کو غیر عرب پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں۔ کسی کو دوسرے سے ممتاز کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہے۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو چپ کرائیں۔ اور انہیں کہیں کہ جو میں کہنا چاہتا ہوں اسے غور سے سنیں۔

جب سارے لوگ ہمدن گوش ہو گئے اور ہر ایک کی نگاہ شوق چہرہ انور پر ہو گئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے انہیں خوشخبری سنائی۔ فرمایا "ابھی ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے رب کا پیغام مجھے سنایا۔ اور کہا کہ یہاں پر جمع سارے لوگوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ اللہ رب العزت نے اہل عرفات کی طرف نظر عنایت فرمائی اور سب کے گناہوں کو معاف اور ان کی خطاؤں سے درگزر کر دیا ہے۔" اللہ اکبر یہ کتنی عظیم بشارت تھی کہ صحابہ کرامؓ مسرت اور شادمانی سے سرشار ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جذبہ شکر سے سر جھکا دیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ آگے بڑھے اور عرض کیا، "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کیا یہ بشارت خاص ہم لوگوں کے لئے ہے؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "یہ تمہارے لیے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو تمہارے بعد قیامت تک یہاں آئیں گے (حج پر آئیں گے)۔"

جب عرفات میں سورج غروب ہو گیا تو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ کے نام سے کوچ کرو" صحابہ کرامؓ کا جم غفیر آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ مزدلفہ کے لئے روانہ ہوا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ بار بار اپنے دائیں بائیں دیکھتے اور فرماتے "سکون سے چلو، اطمینان اور وقار کے ساتھ آگے بڑھو"۔ خود آپ خاتم النبیین ﷺ کا یہ حال تھا کہ اپنی اوٹنی کی مہار اس قوت سے اپنی جانب کھینچتے تھے کہ اس کا سر آپ خاتم النبیین ﷺ کے گھٹنوں سے جا لگتا تھا۔ پورے راستے خشوع و خضوع و انکساری کی روحانی فضا میں تکبیر و تلبیہ پڑھتے ہوئے یہ قافلہ مزدلفہ پہنچ کر قیام پذیر ہوا۔

مزدلفہ میں آپ خاتم النبیین ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک آذان اور 2 اقامت سے پڑھائی۔ عرفات میں سارا دن عبادت اور راستے میں مزدلفہ تک کے سفر کی وجہ سے تھکاؤ دور کرنے کے لئے آپ خاتم النبیین ﷺ نے مزدلفہ میں رات کو قیام اور آرام فرمایا اور فجر سے کچھ وقت پہلے اٹھ کر عبادت اور نماز کی تیاری شروع کی۔ فجر کی نماز بالکل اول وقت میں ادا کی۔ آذان اور اقامت کے ساتھ ہی نماز ادا کی اور مشعر حرام کی طرف تشریف لے گئے۔ (مزدلفہ کی مسجد) وہاں تکبیر و تہلیل میں مشغول رہے اور قبلہ رو ہو کر دیر تک دعا فرمائی۔ جب خوب اجالا ہو گیا تو سورج طلوع ہونے سے قبل ہی آپ خاتم النبیین ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس بار آپ خاتم النبیین ﷺ نے اوٹنی پر اپنے پیچھے اپنے چچا زاد بھائی فضل بن عباسؓ کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب منیٰ میں حجرہ عقبہ (بڑے شیطان) کے قریب پہنچے تو حضرت فضلؓ سے فرمایا "وہ رمی کے لئے کنکریاں چن لیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ کنکریاں اپنی تھیلی پر رکھیں اور فرمایا "لوگوں کو دیکھو بس اتنی بڑی ہونی چاہیے۔ لوگوں کو غلو اور تشدد سے دور رہو۔ کیونکہ تشدد نے تم سے پہلی امتوں کو تباہ کر دیا تھا۔" پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے حجرہ عقبہ پر 7 کنکریاں ماریں۔ ہر بار آپ خاتم النبیین ﷺ نے اللہ اکبر کہا۔ حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ تھے ایک آپ خاتم النبیین ﷺ کی اوٹنی کی نیل تھامے ہوئے تھے اور دوسرے نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو دھوپ سے بچانے کے لئے آپ خاتم النبیین ﷺ کے اوپر چادر تان کر سایہ کر رکھا تھا۔ ایک صحابیؓ نے یہ دیکھ کر روایت کیا "آپ خاتم النبیین ﷺ نے سات کنکریاں نہایت سکون سے ماریں۔ ہر ایک کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کی صدا بلند فرمائی۔"

کنکریاں مارنے کے ساتھ ہی لبیک الہم لبیک کی صدائیں بلند ہو چکی تھیں۔ رمی کے بعد رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ لوگوں سے پوچھا "یہ کون سا مہینہ ہے؟" انہوں نے عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ کچھ دیر خاموش رہے۔ لوگوں نے سوچا غالباً آپ خاتم النبیین ﷺ اس ماہ کو کوئی دوسرا نام دینا چاہتے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" لوگوں نے عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ"۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے سوال کیا "یہ کونسا شہر ہے؟" لوگوں نے کہا "اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے کہا "اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ کچھ دیر خاموش رہے یہاں تک کہ لوگوں نے سوچا شاید آپ خاتم النبیین ﷺ اس شہر کا دوسرا نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے کہا "کیا یہ شہر مکہ نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا "ہاں یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ"۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "یہ کونسا دن ہے؟" لوگوں نے کہا "اللہ اور اس کا رسول خاتم النبیین ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ خاموش رہے لوگوں نے سمجھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ اس دن کو کوئی اور نام دینا چاہتے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟" عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ"۔ تب آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میری بات غور سے سنو۔ تمہاری جان، تمہارا مال، تمہاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح کہ تمہارے لیے اس ماہ کی، اس شہر کی اور اس دن کی حرمت ہے؟" پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "آج کے دن شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ اب آئندہ کبھی اس شہر میں اس کی پوجا نہیں کی جائے گی۔ البتہ

جن اعمال معصیت کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اتنے پر ہی خوش ہوگا۔

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس خطبہ میں پچھلے خطبوں کی کئی باتوں کا اعادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی آواز کو معجزاتی طور پر ہر ایک دور اور قریب شخص تک پہنچا دیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ان لوگوں سے اقرار لیا۔ سب نے گواہی دی کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "یہاں جو لوگ موجود ہیں ان باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جن لوگوں تک یہ باتیں پہنچائیں جائیں وہ سننے والوں کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح محفوظ کر لیں۔"

اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ قربان گاہ تشریف لے گئے۔ قربانی کے لئے آپ خاتم النبیین ﷺ اپنے ساتھ 100 اونٹ لائے تھے اپنے ہاتھ سے اپنی عمر کے بقدر 63 اونٹوں کی قربانی کی اور بقیہ 37 کی قربانی کی ذمہ داری حضرت علیؓ کو سونپی۔ قربانی کے ہر جانور سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ایک ہانڈی میں ڈال کر پکایا گیا اور آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس قربانی کے جانور کا پکا ہوا گوشت اور شوربہ نوش فرمایا۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے بال مونڈھنے کے لئے حضرت معمر بن عبد اللہؓ کو آواز دی۔ وہ استرا لے کر جب آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے آئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے ازراہ مزاح مسکراتے ہوئے فرمایا، "معمرؓ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے اور اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ نے اپنا سر تمہارے حوالے کر دیا ہے۔" حضرت معمرؓ نے فرط انساب سے جواباً عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ یہ میرے لیے انتہائی خوشی کی بات ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کا سر مونڈھنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "معمرؓ پہلے دائیں جانب سے سر کے بال اتارو۔ جیسے جیسے بال گرتے گئے صحابہ کرامؓ کی اکثریت بطور تبرک انہیں محفوظ کرتی گئی۔ جسے بھی ایک 2 موئے مبارک ملا اسے دین و دنیا کی نعمت ہاتھ لگ گئی۔ اور جب بائیں جانب کے بال تراشے گئے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو آواز دی اور بائیں جانب کے تمام بال ان کو مرحمت فرمائے۔ حضرت طلحہؓ ام سلیم کے دوسرے شوہر تھے اور حضرت انسؓ بن مالک ام سلیم کے بیٹے تھے۔ اس پورے خاندان کی اہل بیت رسول خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ جو خدومات رہیں ان کے بدلے بطور تشکر آپ خاتم النبیین ﷺ نے حضرت طلحہؓ کو اس ہدیہ کے لئے منتخب فرمایا۔ اس نعمت عظمہ میں ان کا کوئی شریک نہ تھا۔ حضرت طلحہؓ کے حصہ میں آج جو عظیم نعمت آئی تھی اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے غسل فرمایا، نیا لباس زیب تن کیا اور حضرت عائشہؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو خوشبو لگائی اور آپ خاتم النبیین ﷺ طواف زیارت کے لئے بیت اللہ شریف تشریف لے گئے۔ طواف اور واجب الطواف کے دو گانہ سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ خاتم النبیین ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹے کنوئیں سے ڈول کھینچ کھینچ کر حاجیوں کو زمزم پلا رہے تھے۔ انہوں نے جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا تو سیدنا عباسؓ نے اپنے بیٹے فضلؓ سے کہا "دوڑ کر اپنی ماں کے پاس جاؤ اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے لئے آب زم زم لے کر آؤ"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے جب یہ سنا تو فرمایا "نہیں مجھے اسی ڈول سے پلاؤ۔" عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اس میں مختلف لوگوں کے ہاتھ اور منہ لگے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے لئے الگ آب زم زم رکھا ہوا ہے۔" مگر آپ خاتم النبیین ﷺ نے اپنے لئے کسی امتیاز کو پسند نہیں فرمایا اور عام لوگوں کے ساتھ ہی زم زم پیا اور فرمایا "بنو عبدالمطلب اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ آب زم زم پلانے کی ذمہ داری اور شرف میں دوسرے لوگ تم پر غالب آجائیں گے تو میں خود تم لوگوں کے ساتھ پانی کھینچتا۔"

(یقیناً اگر لوگ اس دن آپ خاتم النبیین ﷺ کو پانی کھینچتا دیکھتے تو اسے سنت جان کر ہر ایک کی کوشش اور خواہش یہی ہوتی کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔ اور اس طرح حضرت عبدالمطلب کے خاندان کے ساتھ مخصوص حجاج کو آب زم زم پلانے کی خدمت کا شرف و امتیاز ان کے ہاتھوں سے نکل جاتا۔)

اس کے بعد آیات تشریق منیٰ میں مقیم رہے۔ پھر یوم النفر یعنی 13 ذوالحجہ کو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے منیٰ سے کوچ فرمایا۔ وادی الحاح میں ٹھہرے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں۔ عشاء کے بعد تھوڑا سا سو کر اٹھے پھر بیت اللہ گئے اور طواف وداع کیا۔ تمام مناسک حج مکمل فرما کر آپ خاتم النبیین ﷺ نے سواری کا رخ مدینہ کی طرف فرمایا۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے اس حج کو حجۃ الوداع یعنی رخصتی کا حج کہتے ہیں کیونکہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس کے تین ماہ بعد رحلت فرمائی۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس حج میں تین خطبات دیئے:

- 1- پہلا خطبہ 9 ذی الحجہ کو عرفہ کے مقام پر میدان کے بیچ میں جبکہ آپ خاتم النبیین ﷺ اپنی اونٹنی (جس کا نام قصویٰ تھا) پر سوار تھے۔
- 2- دوسرا خطبہ 10 ذی الحجہ کو منیٰ کے مقام پر دیا۔

3- تیسرا خطبہ 11 ذی الحج کو منی کے مقام پر دیا۔

ان تینوں خطبات میں جو باتیں بتائیں گئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- 1- مسائل کو پوری طرح سمجھ لو ممکن ہے کہ اس سال کے بعد میں اور آپ اکٹھے نہ ہو سکیں۔
 - 2- یاد رکھو تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزت و آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جیسے آج کے دن اس شہر کی اور اس مہینے کی حرمت سمجھتے ہو۔
 - 3- لوگو تمہیں عنقریب اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ یاد رکھو وہاں تم سے تمہارے مال کی باز پرس ہوگی یعنی اعمال کی بابت سوال کیا جائے گا۔
 - 4- زمانہ جاہلیت کے تمام طریقے پیروں میں مسل دیئے گئے ہیں۔
 - 5- اس زمانے کے خونوں کا آئندہ مطالبہ نہ کیا جائے گا۔
 - 6- جتنے سود تھے وہ سب معاف۔ آئندہ قطعاً خاتمہ۔
 - 7- میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مت دبانا۔ کافروں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مت ہو جانا۔
 - 8- خداوندی احکام کے مطابق جو تم پر حکومت کرے اس کی پوری پوری اطاعت کرنا۔
 - 9- اپنے پروردگار کی عبادت نماز، روزہ، مسلم حکام کی اطاعت پوری پابندی سے کرتے رہنا۔ جنت تمہاری ہے۔
 - 10- عورتوں کے متعلق اللہ کا خوف رکھنا۔ ان کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھنا۔ تم خاص ذمہ داری کے ساتھ ان کے سردار بنائے گئے ہو۔ عورتیں بھی مردوں کی پوری پوری اطاعت کریں۔ ان کی مرضی کے خلاف کسی کو گھر میں بھی نہ آنے دیں۔
 - 11- تم میں دو چیزیں چھوڑے چلا ہوں۔ جب تک انہیں پکڑے رکھو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میرا طریقہ اور تعلیم۔
 - 12- جو لوگ یہاں موجود ہیں میرے تمام پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں کیونکہ بسا اوقات دوسرا شخص پہلے سننے والے کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والا اور زیادہ سمجھدار ہوتا ہے۔
- "لوگو قیامت کے روز میری بابت بھی تم سے سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ کیا جواب دو گے؟" سب نے کہا کہ "شہادت دیں گے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اللہ کے احکامات ہم تک پہنچا دیئے تھے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے تبلیغ اور رسالت کا حق ادا کر دیا تھا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہمیں ہماری بھلائی اچھی طرح سمجھا دی تھی۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "اے اللہ! گواہ رہنا۔ اے اللہ! گواہ رہنا۔ اے اللہ! گواہ رہنا۔"
- یعنی 9، 10، 11 ذی الحج کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے جو خطبات فرمائے تھے ان کے جملے گویا کوزے تھے۔ جن میں علوم معارف، دنیاوی و دینی بھلائیوں کے سمندر بھر دیئے گئے تھے۔

مدینہ منورہ

جب مدینے کی بات ہوتی ہے
قص میں کائنات ہوتی ہے

جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے مکہ سے مدینے میں ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی یا اللہ آپ کے محبوب ترین شہر سے نکلا ہوں اب مجھے اپنے سب سے پسندیدہ شہر لے چلئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے آپ خاتم النبیین ﷺ مدینہ منورہ آئے۔ پس مدینہ منورہ اللہ تعالیٰ کا سب سے پسندیدہ شہر ٹھہرا۔ اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد بھی رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ نے اپنی باقی زندگی مدینہ منورہ میں ہی گزارنا پسند فرمائی۔ یاد رہے کہ سب شہر تلوار کے زور سے فتح ہوئے لیکن مدینہ منورہ ایک ایسا شہر ہے جو قرآن پاک کی تعلیمات سے ہرا بھرا ہوا۔ جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ مدینہ منورہ سے باہر کسی سفر میں جاتے تو واپسی کے سفر میں مدینہ شہر میں داخل ہوتے ہی اپنی سواری تیز کر دیتے اور اپنے چہرے مبارک سے کپڑا ہٹا دیتے۔ تاکہ مدینہ منورہ کی ہوا سے لطف اندوز ہو سکیں۔ راستے میں گرد و غبار کی وجہ سے چہرہ مبارک سے کپڑا نہ ہٹاتے۔ کیونکہ مدینہ کی خاک میں بھی شفا ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تلقین فرمائی کہ مدینہ منورہ ہی میں موت کی دعا کیا کریں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”جس کو مدینہ میں موت آئے گی میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا“ علماء کا کہنا ہے کہ جو فرمانبردار ہوں گے آپ خاتم النبیین ﷺ ان کی گواہی دیں گے اور گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے۔ ”اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے شہر میں موت نصیب فرما نا“۔ (بخاری شریف)

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے دعا فرمائی ”یا اللہ ابراہیم تیرے بندے تیرے دوست اور تیرے نبی تھے انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی میں بھی تیرا بندہ اور رسول خاتم النبیین ﷺ ہوں۔ میں وہی دعا مدینہ منورہ کے لیے کرتا ہوں۔ اے اللہ مدینہ والوں کو مکہ والوں کی نسبت دگنی برکت عطا فرما اور ان کے ”مد و صاع“ (ناپ تول کے پیمانے) میں بھی برکت عطا فرما۔“ (بخاری)

مدینہ منورہ ہر شخص کو اس کے گناہوں کو دور کرنے میں ایسے ہی مدد دیتا ہے جیسے بھٹی چاندی کو صاف و شفاف کرتی ہے۔ مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ اور مسجد قبا جن کی بنیاد خالصتاً تقویٰ اور اللہ کی رضا اور خوشنودی پر رکھی گئی ہے مدینہ منورہ ہی میں ہیں۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کا منبر مبارک قیامت کے دن جنت میں داخلہ کے لیے سیڑھی بھی ہوگی اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے منبر اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے روضہ مبارک کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ دجال مدینہ منورہ کی حدود میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (بخاری)

رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”مدینہ والوں کی عزت کرو، کیونکہ میں نے نہ صرف مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ہے بلکہ میری قبر بھی مدینہ میں ہوگی اور میں قیامت کے دن مدینہ منورہ ہی سے اٹھوں گا۔ پس اہل مدینہ کے حقوق کا خیال رکھو کیونکہ وہ میرے پڑوسی ہیں۔ تم پروا جب ہے کہ میرے پڑوسیوں کی غلطیوں اور لغزشوں کو نظر انداز کرو۔ اگر کوئی شخص میرے پڑوسیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا“۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے“۔ (سورہ النساء، آیت نمبر 69)

محمد خاتم النبیین ﷺ کا دار السلام اللہ اللہ
وہ باران فیض دوام اللہ اللہ

مدینہ منورہ کی مساجد:-

مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور فرمایا ”میری مسجد میں نماز ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ سوائے مسجد حرام کے۔“ (صحیح بخاری)

زارین مسجد کو مسجد نبوی کے آداب کا خاص خیال رکھنا چاہیے:- مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرے اور یہ دعا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَزَقِكَ

اور پھر اعتکاف کی نیت کرے کہ جب تک مسجد میں رہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔ مسجد میں سکون اور آداب سے چلے۔ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے، دروازوں اور گزرگاہوں میں نہ بیٹھے۔ تحبیت المسجد 2 رکعت پڑھے پھر دو رکعت ریاض الجنۃ میں ادا کرے اور اس کے بعد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کرے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت، نکلنے وقت اور صلوٰۃ و سلام پیش کرتے وقت خیال رکھے کہ دوسروں کو دھکنا دے، رش کے دنوں میں سلام پیش کرنے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرے۔ سلام عرض کرنے کے بعد قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

مسجد نبوی شریف کا اندرونی حصہ:-

یوں تو مسجد کا چپہ چپہ مبارک ہے لیکن بعض ستونوں اور محرابوں کا بیان ضروری ہے یا درہے کہ موجودہ مسجد کے ستون اسی جگہ پر ہیں جہاں پر رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں تھے۔

ستون:- مسجد نبوی شریف میں آٹھ ستون ہیں۔

- | | | | |
|-----------------|-------------------|-----------------------|---------------------|
| 1- استوانہ حناہ | 2- استوانہ عائشہؓ | 3- استوانہ ابی لبابہؓ | 4- استوانہ وفود |
| 5- استوانہ حرس | 6- استوانہ سریر | 7- استوانہ تہجد | 8- استوانہ جبرائیلؑ |

استوانہ تہجد اور استوانہ جبرائیلؑ (روضہ مبارک کے اندر ہیں۔)

استوانہ وفود، استوانہ حرس اور استوانہ سریر (نصف روضہ مبارک کے اندر اور نصف روضہ مبارک کے باہر ہیں۔)

ستونوں کی فضیلت:-

1- استوانہ حناہ کی فضیلت:- اسے ستون مصحف اور ستون مخلقہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ستون اس کھجور کے تنے کی جگہ پر ہے جس کے پاس نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے اور منبر بنائے جانے سے پہلے خطبہ کے دوران اس کا سہارا لیا کرتے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کیا "آقا پند فرمائیں تو آپ خاتم النبیین ﷺ کے لیے منبر بنادیں۔ جس پر آپ خاتم النبیین ﷺ جمعہ والے دن خطبہ دیا کریں تاکہ سب لوگ آپ خاتم النبیین ﷺ کو دیکھ سکیں اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی آواز سن سکیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے اثبات میں جواب دیا تو تین سیڑھیاں بنادی گئیں اور انہیں اس جگہ رکھا گیا جہاں آج منبر ہے۔ جمعہ کے روز جب آپ خاتم النبیین ﷺ اس تنے سے آگے بڑھے کہ منبر پر کھڑے ہوں۔ تو اس تنے نے چلانا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا۔ اس کی آواز سن کر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ منبر سے اترے اور اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کو سکون آیا۔ پھر آپ خاتم النبیین ﷺ منبر پر تشریف لے گئے۔ لیکن نماز اسی ستون کے پاس ادا فرماتے بخاری کی روایت ہے کہ جب آپ خاتم النبیین ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے تو ہم نے اس تنے سے 10 ماہ کی حاملہ اونٹنی جیسی رونے کی آواز سنی۔ (صحیح بخاری: 5585-سنن ابن ماجہ: 1414)

حضرت حسن بصریؒ جب یہ حدیث بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے "اللہ کے بندو یہ سوکھی لکڑی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی محبت میں تڑپتی تھی ہم لوگوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت اور آخرت میں ملاقات کا شوق اس سے زیادہ ہونا چاہیے۔"

2- استوانہ عائشہؓ کی فضیلت:- اس پر لکھا ہے (ہذا استوانہ عائشہ) اسے ستون قرعہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا یہ نام اس لیے ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جگہ متعین کر کے بتائی۔ جبکہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے صرف اتنا بتایا تھا کہ مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت معلوم ہو جائے تو وہاں نماز کی ادائیگی کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کریں۔ صحابہ کرامؓ کے بچوں کی ایک جماعت نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا "اُم المؤمنین وہ جگہ کون سی ہے؟" آپ خاموش رہیں تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ بچے چلے گئے۔ صرف ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر بیٹھے رہ گئے۔ ان حضرات نے آپس میں کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اب اُم المؤمنین عبداللہ کو بتادیں۔ خیال رکھنا ہے کہ وہ آج نماز کہاں ادا کرتے ہیں؟۔ کچھ دیر کے بعد وہ نکلے اور اس ستون کے پاس نماز ادا کی۔ ان کے ساتھی سمجھ گئے کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں یہ جگہ متعین کر کے بتائی ہے۔ اور وہ ستون۔ ستون عائشہؓ کے نام سے متعارف ہوا (مجمع الزوائد 10/4)

3- استوانہ ابی لبابہؓ کی فضیلت:- اس پر لکھا ہے (ہذا استوانہ ابی لبابہ) اسے ستونِ توبہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ممبر شریف سے چوتھا ستون ہے۔ اس ستون ابی لبابہ کا قصہ یہ ہے کہ جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے بنو قریظہ یہودیوں کی غداری کی وجہ سے ان کا محاصرہ کیا تو یہودیوں نے عرض کیا "ابو لبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم ان سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں (ابو لبابہ یہودی تھے جو بعد میں اسلام لے آئے تھے)"۔ جب ابو لبابہ ان لوگوں کے پاس گئے تو انہوں نے کہا "ابو لبابہ تمہارا کیا خیال ہے ہم محمد خاتم النبیین ﷺ کا فیصلہ تسلیم کر لیں"۔ ابو لبابہ نے (زور سے کہا) "ہاں تسلیم کرو"۔ لیکن ساتھ ہی گلے پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے (یعنی مار دیئے جاؤ گے) لیکن ایسا کرتے ہی انہیں احساس ہو گیا کہ انہوں نے راز فاش کر دیا ہے اور یہ راز فاش کر کے میں اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ لیکن اس کے بعد آقا خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں آنے کی ہمت تو نہ ہوئی۔ سیدھے مسجد نبوی میں گئے اور ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا۔ اور فیصلہ کر لیا کہ اب نہ کھانا کھاؤں گا نہ اس جگہ سے ہٹوں گا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔ وہ نودن اسی حالت میں رہے اور توبہ کرتے رہے۔ بار بار بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کی توبہ قبول کرنے کی بشارت دی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ مسکرائے۔ یہ دیکھ کر حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ آپ خاتم النبیین ﷺ کو ہمیشہ مسکراتا ہوئے رکھے لیکن یہ بتائیے کہ ابھی آپ خاتم النبیین ﷺ کس بات پر تبسم فرما رہے ہیں؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ابو لبابہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے"۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا "حضور خاتم النبیین ﷺ کیا میں ابو لبابہ کو یہ خوشخبری سنا دوں؟" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جی چاہے تو سنا دو"۔ جب انہیں یہ خوشخبری سنائی گئی تو لوگ انہیں کھولنے کے لیے آگے بڑھے۔ حضرت ابو لبابہؓ نے فرمایا "بخدا تم نہیں بلکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ مجھے اپنے ہاتھوں سے کھولیں گے"۔ کھلنے کے بعد حضرت ابو لبابہؓ نے عرض کیا "آقا خاتم النبیین ﷺ میں نے منت مانی تھی کہ (قبولیت توبہ کے بعد) میں اپنا سارا مال صدقہ کر دوں گا"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "تیسرا حصہ صدقہ کر دو"۔ (ابن کثیر)

4- استوانہ وفود کی فضیلت:- اس پر لکھا ہوا ہے (ہذا استوانہ الوفود) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اس ستون کے قریب باہر سے آنے والے وفود سے ملاقات فرمایا کرتے تھے اور اس دوران جلیل القدر صحابہ کرامؓ آپ خاتم النبیین ﷺ کے گرد تشریف فرما ہوتے تھے۔

5- استوانہ حرس کی فضیلت:- اس پر لکھا ہے (ہذا استوانہ الحرس) اسے بعض لوگ استوانہ علیؓ بن ابی طالب بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ کرامؓ کھڑے رہتے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ ماندہ کی 67 ویں آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا تھا: ترجمہ: "اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا"۔

مورخ عبد اللہ مطریؒ لکھتے ہیں کہ اس استوانہ کے سامنے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ایک دروازہ تھا جہاں سے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اسی استوانہ کے قریب حضرت علیؓ اکثر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

6- استوانہ سریر کی فضیلت:- اس پر لکھا ہے (ہذا استوانہ السریر) یہ روضہ اطہر کی کھڑکی کے ساتھ والا ستون ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق اس جگہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اعتکاف کے دوران اپنی چٹائی بچھایا کرتے تھے۔

7- استوانہ تہجد کی فضیلت:- یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہ جگہ صفہ شریف کے بالکل سامنے قبلہ کی سمت ہے۔

8- استوانہ جبرائیلؑ کی فضیلت:- حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ستون۔ اسے ستونِ مربعہ بھی کہتے ہیں۔ اسی جگہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ سے ملاقات کے لیے باقاعدگی سے داخل ہوتے تھے۔ وصال سے قبل رمضان المبارک میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن پاک کا دورہ بھی اسی جگہ فرمایا تھا۔ یہ علاقہ اب عوام کے لیے ناقابل رسائی ہے کیونکہ یہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے حجرے میں ہے۔

ریاض الجنۃ:- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے حجرہ مبارک اور منبر کی درمیانی جگہ ریاض الجنۃ کہلاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں "میرے گھر اور منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن حوض کوثر پر ہوگا"۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ جگہ جنت کے ایک باغیچہ کے عین نیچے ہے۔ یا یہ کہ یہاں ذکر و اذکار سے جو نزول رحمت اور سعادت حاصل ہوتی

ہے۔ وہ ایسی ہی ہے جیسے جنت کے باغیچے میں ہوں یا یہ جگہ جنت کا حقیقی باغیچہ ہے اور قیامت کے روز یہ جنت میں منتقل ہو جائے گی۔

منبر شریف کی فضیلت:

1- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا، "میرا منبر جنت کے ایک اونچے دروازے کی سیڑھی ہوگی۔" (مجمع الزوائد)

2- ارشاد فرمایا "جو شخص میرے منبر کے پاس جھوٹی قسم کھائے گا خواہ سبز مسواک سے متعلق ہی ہو ان کا ٹھکانہ دوزخ میں بن گیا۔" (سنن ابن ماجہ)

حجرہ شریف:- اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کا یہ حجرہ نوحجروں میں سے ایک ہے جہاں رحمت دو عالم خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے دو جانشین خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ آرام فرما ہیں۔ اس کے برابر والا حجرہ خالی ہے اس میں حضرت حضرت عیسیٰ علیہ سلام دفن کیے جائیں گے۔

تدفین کا قصہ:- اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ تین چاند میری گود میں آکر گرے ہیں۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ خواب سنایا جب اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ میرے حجرے میں دفن ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "یہ ان تین چاندوں میں سے ایک ہے اور سب سے افضل ہے۔"

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی وفات پیر کے دن ہوئی اور منگل کے دن تدفین ہوئی۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے جنازہ ادا کی۔ نماز جنازہ اپنی اپنی ادا کی گئی۔

کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ آقا کو منبر کے قریب دفن کیا جائے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں نے ارشاد نبوی خاتم النبیین ﷺ سنا ہوا ہے کہ نبی جہاں بھی اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کرے اسے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔" لہذا حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی تدفین ہوئی۔

جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق اسی حجرہ مبارک میں حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اور یہ ان تین چاندوں میں سے دوسرا تھا۔ جب حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو آپؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا "حضرت عائشہؓ کی خدمت میں جا کر میرا سلام عرض کرو۔ اور مجھے اپنے ساتھیوں کے قریب دفن کرنے کی اجازت مانگو۔" حضرت عائشہؓ نے فرمایا "میں نے یہ جگہ اپنے لیے رکھی ہوئی تھی لیکن آج میں حضرت عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔" حضرت عمرؓ کو جب یہ بات بتائی گئی تو آپؓ نے فرمایا: "اس پڑوس سے بڑھ کر میرے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔" (صحیح بخاری: 1392)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ کی صفت تو رات میں موجود ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ حضرت ابو مودودؓ کہتے ہیں کہ حجرہ شریف میں چوتھی قبر کی جگہ باقی ہے۔ (ترمذی: ۳۶۱۷)

محراب مسجد نبوی (خاتم النبیین ﷺ):-

1- **محراب نبوی خاتم النبیین ﷺ:-** رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں اور چاروں خلفاء کے زمانے میں مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں نہ تو کوئی محراب تھا اور نہ ہی کوئی مینار۔ یہ محراب عمر بن عبدالعزیزؓ نے 91ھ میں تعمیر کیا۔ اگر کوئی اس محراب میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے سجدے کی جگہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پاؤں مبارک کی جگہ پر ہوتی ہے۔ جبکہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے سجدے کی جگہ سامنے والی موٹی دیوار میں آگئی ہے۔

2- **محراب حنفی:-** ایک زمانے میں حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی امام قدرے مختلف جگہوں پر نماز پڑھاتے تھے، اس محراب کی جگہ حنفی امام نماز پڑھاتے تھے۔ آج کل مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں ایک ہی امام نماز پڑھاتے ہیں جو کہ حنبلی ہیں۔ یہ تبدیلی سعودی حکومت کے قیام پر معرض وجود میں آئی۔

3- **محراب عثمانی:-** تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ اس جگہ سے نماز کی امامت فرماتے تھے۔ اب بھی مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کے امام صاحب نماز کے دوران یہاں ہی کھڑے ہوتے ہیں یہ محراب بھی عمر بن عبدالعزیز نے بنوایا تھا۔

4- **محراب تہجد:-** رسول پاک خاتم النبیین ﷺ یہاں پر تہجد ادا کیا کرتے تھے۔

منبر شریف:- مسلم اور بخاری میں درج ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ میرے منبر اور میرے حجرے کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اور میرا منبر قیامت کے دن حوض کوثر پر ہوگا۔ مختلف علاقوں اور مختلف ممالک کے حکمران وقتاً فوقتاً مسجد نبوی شریف خاتم النبیین ﷺ کے لیے عالی شان منبر بنوا کر بھیجتے رہے ہیں۔ موجودہ منبر عثمانی دور کے سلطان مراد نے 998ھ میں بھیجا تھا۔

سیوری کے لیے چوترا: - اگر ہم مسجد نبوی شریف خاتم النبیین ﷺ میں بابِ جبرائیل سے داخل ہوں تو یہ چوترا ہمارے دائیں ہاتھ ہوگا۔ اسے سلطان نور الدین زنگی نے تعمیر کرایا تھا۔

صفہ: - صفہ کے معنی ہیں سایہ دار جگہ، یہ ایک چوترا تھا جہاں غریب اور بے گھر صحابہ کرامؓ مقیم تھے اور اسلامی تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ اگر ہم ستونِ عائشہ سے قبلہ کے مخالف سمت چلیں تو پانچویں ستون کے بعد صفہ تھا۔ جب رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے 7 ہجری میں مسجد نبوی شریف خاتم النبیین ﷺ کی توسیع فرمائی تو یہ حصہ تقریباً دس میٹر اور شمال کو منتقل کر دیا گیا۔

پیرِ حاء: - اگر ہم بابِ فہد سے مسجد نبوی میں داخل ہوں تو یہ کنواں تقریباً 15 میٹر مسجد کے اندر واقع ہے۔ وہاں فرش پر تین دائرے بنادیئے گئے ہیں۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اس کنویں پر کئی بار تشریف لائے اور اس کنویں کا پانی پیا۔ دراصل یہ کنواں اور باغِ حضرت طلحہؓ کی ملکیت تھے۔ جب انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 92 سنی (ترجمہ: ”تم اس وقت تک اعلیٰ تقویٰ حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اپنی سب سے پسندیدہ شے اللہ کی راہ میں نہ دے دو“) تو حضرت ابو طلحہؓ نے یہ کنواں اور باغ بطور صدقہ دے دیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ صحابہ کرامؓ ایسے ہی فی الفور اور پورے اخلاص سے قرآن پاک کی ہدایت پر عمل پیرا ہوا کرتے تھے۔ (مسند احمد)

حضرت ابوبکرؓ کا گھر مبارک: - اگر ہم منبر شریف سے پانچویں ستون کی طرف چلیں تو پانچویں ستون کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا گھر تھا۔ ایک دن نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا سب گھروں کے دروازے جو مسجد نبوی میں کھلتے ہیں بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکر صدیقؓ کے گھر کے دروازے کے۔ یہ اس بات کی پیشن گوئی تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ ہوں گے (بخاری)

سقیفہ بنی ساعدہ: - سقیفہ کے معنی بیٹھک یا کانفرنس روم کے ہیں۔ قبیلہ بنی ساعدہ کے اس کانفرنس روم میں صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو پہلا خلیفہ چنا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ مسجد نبوی شریف خاتم النبیین ﷺ سے باہر بابِ سعود اور کرم ہوٹل کے درمیان واقع ہے۔

مسجد قباء: - جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں ہی کی ایک شخصیت حضرت کلثومؓ کے ہاں قیام فرمایا اور پھر بعد میں انہی کی زمین پر مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ پھر اس مسجد کو تعمیر فرمایا۔ اس مسجد کی فضیلت سورہ توبہ کی آیت نمبر 108 میں ہے۔

ترجمہ: ”جو مسجد اول روز ہی سے تقویٰ کی بنیاد پر تیار کی گئی ہو۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ تم اسی میں نماز کے لئے کھڑے ہو۔“

☆ نیز ارشاد نبی کریم خاتم النبیین ﷺ فرمایا ”جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد قباء میں آکر نماز پڑھے۔ اسے ایک عمر کے کا ثواب ملے گا۔“ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1412) اس کے بعد یہ مسلمانوں کے لیے اہتمام عبادت و برکت کے لئے توبہ کا مرکز بن گئی۔ بالآخر 1406ھ بمطابق 1986 میں خادمِ حرمین شریفین شاہ فہد نے اس کی تعمیر و توسیع کی اب اس میں 20 ہزار نمازیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

مسجد قباء میں نماز کا ثواب: - ترمذی شریف میں درج ہے کہ مسجد قباء میں نماز ادا کرنے کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب کسی دوسری مسجد کے مقابلے میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ سوائے بیت اللہ شریف کے۔ بخاری شریف میں درج ہے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ہفتہ میں ایک بار مسجد قباء پیدل یا سواری پر جایا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اسی سنت پر کاربند تھے۔

بنو عمرو بن عوف (قباء): - (اوس) ان کی آبادی مسجد قباء کے قریب تھی اسی قبیلہ کی تعریف میں سورہ توبہ کی آیت نمبر 108 میں ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: ”اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

حضرت ابولبابہؓ کا تعلق اس قبیلے سے تھا۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے بعض غزوات میں انہیں امیر مدینہ مقرر فرمایا تھا۔ جب بنو قریظہ نے حضرت ابو لبابہؓ سے اپنے انجام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے گلے پر انگلی رکھ کر اشارہ کیا کہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ پھر فوراً ہی احساس ہو گیا کہ یہ راز فاش کر کے میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا۔ کچھ نہ کھانے کی قسم کھائی اور توبہ کرتے رہے۔ اس دوران بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے۔ نو دن کے بعد توبہ قبول ہوئی، سورۃ انفال آیت نمبر 27 انہی کی بابت نازل ہوئی۔ مسجد نبوی میں ستون ابولبابہؓ اسی واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔

مسجد دار سعد بن خثیمہؓ: حضرت سعد بن خثیمہؓ کا یہ گھر آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہجرت سے قبل ہی اسلام کا مرکز بن چکا تھا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کبھی کبھی اس میں نماز جمعہ ادا کیا کرتے تھے۔ جب آپ خاتم النبیین ﷺ ہجرت کر کے آئے تو حضرت کلثومؓ کے گھر میں قیام فرمایا اور اس دوران آپ خاتم النبیین ﷺ حضرت سعدؓ کے گھر میں بھی تشریف لاتے جو مسجد قبا کے مغربی کونے میں تھا۔ اسی نسبت سے وہاں بعد میں مسجد بنادی گئی۔ جو خادین حرمین شریف کے زمانہ میں مسجد قبا میں شامل کر دی گئی۔ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت سعدؓ اور ان کے والد حضرت خثیمہؓ میں قرعہ اندازی کی گئی کہ دونوں میں سے کون جہاد پر جائے گا۔ جب صاحبزادے کا نام نکلا تو حضرت خثیمہؓ نے درخواست کی کہ بیٹے اپنی جگہ مجھے جانے دو۔ بیٹے نے جواب دیا اباجان اگر جنت کے علاوہ کسی اور چیز کا معاملہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا۔ الغرض حضرت سعدؓ اس جنگ میں شریک ہوئے اور مقام شہادت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے والد حضرت خثیمہؓ جنگ احد میں شریک ہوئے اور مقام شہادت پر فائز ہوئے اس طرح ان کی تمنا بھی پوری ہوئی۔ (الاصابہ 23/2)

مسجد جمعہ: حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت اسعد بن زرارہؓ مدینہ منورہ میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ جب نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہجرت کر کے آئے تو قبا میں قیام فرمایا۔ جمعہ کے دن وہاں سے مدینہ منورہ کے لیے روانگی ہوئی۔ مسجد قبا سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بنو سالم کی بستی میں نماز جمعہ ادا کی۔ بنو سالم نے اس جگہ مسجد بنائی جو مسجد جمعہ اور مسجد بنی سالم کہلائی۔ اس تاریخی اہمیت کے پیش نظر خادم حرمین شریف شاہ فہد کے زمانہ میں اس کی تعمیر اور توسیع کا کام کیا گیا۔ اب اس میں 650 نمازیوں کی گنجائش ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ جب قبا سے مدینہ منورہ تشریف لانے کے لیے روانہ ہوئے تو بنو سالم نے عرض کیا ”آقا آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہمارے پیچازاد بنو عمر و بن عوف کو چند روز قیام کے شرف سے نوازا ہے۔ ہمیں بھی کچھ شرف بخش دیجئے۔“ آپ خاتم النبیین ﷺ اس بستی میں جلوہ افروز ہوئے اور جمعہ کی نماز ادا کی۔ وہاں جو مسجد بنائی وہ مسجد جمعہ کہلائی۔

اس قبیلہ میں حضرت ابو حصینؓ کے دو بیٹے عیسائی تھے، آپؐ نے انہیں زبردستی اسلام پر مجبور کیا تو آیت (لا اکراہ فی الدین) ”دین میں جبر نہیں“۔ سورہ بقرہ آیت نمبر 256 نازل ہوئی۔

اس قبیلہ کے حضرت ابو خثیمہؓ غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے ایک دن سخت گرمی تھی گھر پہنچے تو چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ پانی ٹھنڈا اور کھانا تیار تھا۔ کہنے لگے اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ سخت گرمی، لو اور سخت دھوپ میں ہوں اور ابو خثیمہ ان نعمتوں میں۔۔۔ یہ انصاف نہیں۔ اللہ کی قسم میں گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ پھر تیاری کی سامان سفر لے کر روانہ ہو گئے۔ تبوک میں آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”اللہ کرے یہ خثیمہؓ ہو“۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا آقا خاتم النبیین ﷺ وہی ہیں۔ حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کیا اور پھر آپ بیتی سنائی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے دعا دی۔

مسجد ضرار (جو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ ہی میں مسمار کر دی گئی تھی): نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے مدینہ منورہ آنے کے بعد منافقین ہر وقت خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہتے تاکہ کسی طرح مسلمانوں کو بچا دکھایا جاسکے۔ قرطبیؒ نے ایک عیسائی عالم کا قصہ تفصیل سے لکھا ہے کہ ایک شخص کا نام ابو عامر تھا اس نے مدینہ منورہ میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے تفصیلی ملاقات کی لیکن اسلامی تعلیمات سے اتفاق نہ کیا۔ بالآخر اس نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو چیلنج کیا اور بولا ہم دونوں میں سے جو بھی جھوٹا ہے وہ اپنے رشتہ داروں سے دور کسی دوسرے علاقے میں فوت ہوگا۔ اس نے اسلام کے دشمنوں کی ہلڑائی میں مدد کی لیکن ناکام ہوا۔ بالآخر مایوس ہو کر شام بھاگ گیا۔ کیونکہ ان دنوں شام عیسائیوں کی سرگرمیوں کا گہوارہ تھا، پھر وہ شام میں اپنے رشتہ داروں سے دور ہی فوت ہو گیا۔ شام میں قیام کے دوران ابو عامر نے مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کی۔ اس نے روم کے شہنشاہ کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے علاوہ اس نے مدینہ منورہ کے منافقوں کو ایک خط لکھا۔ جس میں انہیں مدینہ منورہ میں ایک مسجد نما عمارت تعمیر کرنے کو کہا تاکہ اس عمارت کو منافقوں کے اتحاد اور سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا جائے اور جب روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرے تو تمام منافق متحد ہو کر اس کی مدد کریں۔ پس مدینہ منورہ کے منافقوں نے قبا کی مسجد کے قریب ایک مسجد بنائی جس کا نام مسجد ضرار رکھا۔ ان کا یہ کہنا تھا ”یہ مسجد بوڑھے اور بیمار لوگوں کی سہولت کے لیے اور مسجد قبا میں نمازیوں کی بھیڑ کو کم کرنے کے لیے بنائی ہے۔“ ان منافقوں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے درخواست کی کہ وہ اس نئی مسجد میں نماز پڑھائیں (تاکہ لوگوں کے دلوں میں منافقین کی سرگرمیوں کے بارے میں شک و شبہ نہ رہے) رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ان سے کہا ”فی الحال میں تبوک کی جنگ کی تیاری میں مشغول ہوں جنگ سے واپسی کے بعد تمہاری خواہش پوری کر دوں گا۔“ جب رسول

پاک خاتم النبیین ﷺ جنگ تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے تو راستے میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی چالاک کی پاول کھول دیا۔ پس رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے اپنے چند صحابہ کو بھیجا کہ وہ مسجد ضرار کو مسمار کر دیں اور آگ لگا کر تباہ کر دیں۔ اس واقعے کی تفصیل سورہ توبہ آیت نمبر 109-107 میں ہے۔

ترجمہ: ”اور (ان میں ایسے بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ سے پہلے جنگ کر چکے ہیں ان کے لیے گھات کی جگہ بنائیں۔ اور اب قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصد تو صرف بھلائی تھی۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اس میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ پس مسجد ضرار کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا کے کنارے ایک عمارت تعمیر کرے ظاہر اوہ زمین مضبوط لگتی ہے لیکن پانی نے اس کی بنیادوں کو خالی کر دیا ہے۔ یقیناً ایسی عمارت غنقریب گر جائے گی اور اس کا نتیجہ سوائے تباہی اور نقصان کے کچھ نہ ہوگا۔“

مسجد قبلتین: مسجد قبلتین کا مطلب ہے ایسی مسجد جس میں دو قبلے ہوں یعنی ایک خانہ کعبہ کی طرف اور دوسرا مسجد اقصیٰ کی طرف۔ ابتدا میں سب انبیاء کرام علیہ السلام کے لیے قبلہ (یعنی نماز پڑھنے کی سمت) مکہ مکرمہ میں بیت اللہ تھا جو کہ آدم علیہ السلام کے وقت تعمیر کیا گیا۔ قرآن پاک سورہ آل عمران آیت نمبر 96 میں فرمان الہی ہے۔

ترجمہ: ”پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔ بابرکت اور جہاں (والوں) کے لیے موجب ہدایت۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے بھی یہی قبلہ تھا۔ بعد ازاں بنی اسرائیل کے کچھ انبیاء کرام علیہ السلام کے لیے یروشلم میں مسجد اقصیٰ قبلہ مقرر کیا گیا۔ یہ انبیاء کرام علیہ السلام مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کے لیے اسی طرح کھڑے ہوتے تھے کہ مسجد اقصیٰ اور بیت اللہ ان کے سامنے ہوتے تھے اسی طرح حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ بھی نماز کے دوران مکہ مکرمہ میں حجرہ اسود اور رکن یمانی کے درمیان اس طرح کھڑے ہوتے کہ بیت اللہ شریف اور مسجد اقصیٰ دونوں آپ خاتم النبیین ﷺ کے سامنے ہوتے۔ بخاری شریف میں درج ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھائی۔ کیونکہ سب انبیاء کی طرح آپ خاتم النبیین ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع تھے۔ گو آپ خاتم النبیین ﷺ کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ آپ کے لیے وہی قبلہ ہو جو حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے لیے تھا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کو امید بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی تبدیلی کا حکم فرمادیں گے۔ اسی انتظار میں آپ خاتم النبیین ﷺ اکثر اپنا چہرہ مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے۔ سورہ بقرہ آیت نمبر 144 میں فرمان الہی ہے۔

ترجمہ: ”(اے محمد خاتم النبیین ﷺ) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم تم کو اسی قبلہ کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف یعنی خانہ کعبہ کی طرف (پھیر لو۔ اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اس مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے نبی کی خواہش پوری کر دی۔ قبلہ تبدیل ہونے پر یہود چونک اٹھے، انہیں یہ احساس ہو گیا کہ علیحدہ قبلہ کا مطلب یہ ہوا کہ اب مسلمان ایک بالکل علیحدہ اور مخصوص مذہب رکھنے والی قوم ہے۔ اس لیے وہ اب مسلمانوں کے کھلم کھلا دشمن بن گئے اور مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو اور تیز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں اپنی ہی حکمت مخفی ہوتی ہے۔ قبلہ کی تبدیلی منافقین، اور مومنین مخلصین کو پرکھنے کی کسوٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ آیت نمبر 143 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: ”اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون ہمارے پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی۔ مگر جس کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتا) اور صاحب رحمت ہے۔“

بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک حدیث کے مطابق ایک دن رسول پاک خاتم النبیین ﷺ مسجد قبلتین میں ظہر (اور بعض روایات میں عصر) کی نماز ادا کر رہے تھے نماز کے دوران ہی قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا۔ پس رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے تمام مقتدیوں نے نماز کے دوران ہی اپنی سمت بدل لی۔ بعض صحابہ کرامؓ مسجد قبلتین میں نماز ادا کرنے کے بعد اپنے محلوں میں گئے تو اپنے بھائیوں کو مسجد اقصیٰ کی سمت نماز ادا کرتے ہوئے پایا۔ ان صحابہ کرامؓ نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ ہم نے ابھی ابھی رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی سمت منہ کر کے نماز ادا کی ہے۔ یہ سنتے ہی صحابہ کرامؓ کے بھائیوں نے بھی نماز کے دوران اپنا رخ بغیر کسی چون و چرا کے بیت اللہ کی طرف کر لیا۔

سازشیں:- رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور ان کے صحابہ کرامؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی قبور کی بے حرمتی کرنے کی کئی بار کوشش کی گئی۔ دشمنوں نے بار بار کوشش کی کہ ان اجسام مبارک کو ان کی قبروں سے نکال لیا جائے تاکہ مدینہ منورہ توجہ کا مرکز نہ رہے۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی) نے اپنی کتاب تاریخ مدینہ میں پہلے علماء کے حوالے سے تین بڑی سازشوں کا ذکر کیا ہے۔

پہلی سازش:- ابن نجار نے اپنی کتاب بغداد کی تاریخ میں لکھا ہے کہ 386ھ سے 411ھ تک ایک فاطمی حکمران مصر کا بادشاہ تھا اور مدینہ منورہ اس کے زیر اثر تھا۔ اس حکمران کی کوشش یہ تھی کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے جسم مبارک مدینہ سے مصر منتقل کر دیئے جائیں تاکہ مدینہ کی بجائے مصر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے مصر میں ایک نہایت شاندار عمارت تعمیر کی جس میں وہ ان اجسام کو رکھنا چاہتا تھا۔ حکمران نے اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے ایک کارندے ابوالفتوح کو مدینہ بھیجا۔ جب یہ کارندہ مدینہ پہنچا تو اہل مدینہ کو اس سازش کی خبر ہو گئی۔ اس موقع پر قاری زلبانی نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔ سورہ توبہ آیت نمبر 12-13

ترجمہ: ”اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہیں طعن کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ یہ (بے ایمان لوگ ہیں اور) ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ عجب نہیں اپنی حرکات سے باز آجائیں بلکہ تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کے جلاوطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے عہد شکنی کی ابتداء کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ اللہ ہی زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو بشرطیکہ تم ایمان رکھتے ہو۔“

اس یاد دہانی سے اہل مدینہ ابوالفتوح اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دینے کو تیار ہو گئے۔ ابوالفتوح ڈر گیا اور بول اٹھا میں اس منصوبے کو ہرگز عملی جامہ نہ پہناؤں گا خواہ حاکم مصر مجھے قتل ہی کر دیں اس دوران مدینہ منورہ میں ایک بہت بڑا طوفان آیا جس سے کئی گھرتباہ ہو گئے۔ ابوالفتوح کو مدینہ منورہ سے بھاگنے کا ایک اچھا بہانہ مل گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ اور آپ خاتم النبیین ﷺ کے ساتھیوں کو ان مجرموں سے نجات دی۔ اسی حکمران نے بعد میں ایک اور کوشش بھی کی لیکن وہ دوبارہ ناکام ہوا۔

دوسری سازش:- سہمودی کے قول کے مطابق عیسائیوں نے یہ سازش 557ھ میں مرتب کی۔ اس وقت شام کے بادشاہ کا نام نور الدین زنگی تھا اور اس کے مشیر کا نام جمال الدین اصفہانی تھا۔ ایک رات نور الدین زنگی نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو تین مرتبہ خواب میں دیکھا۔ ہر بار رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلطان سے کہا کہ ”مجھے ان دونوں کی شرارت سے بچاؤ“۔ سلطان کو یہ خیال گزر رہا کہ یقیناً مدینہ منورہ میں کوئی نئی چیز رونما ہوئی ہے۔ اس نے اپنے مشیر کو خواب سنایا اور تیاری کر کے مدینہ پہنچے۔ سلطان اپنے ساتھ اہل مدینہ کے لیے قیمتی تحفے بھی لایا۔ اپنی آمد مدینہ کے بعد مشیر نے مدینہ منورہ میں اعلان کروایا کہ شام کا سلطان آیا ہے اور اہل مدینہ کے لیے تحائف آئے ہیں ہر شخص اپنا تحفہ وصول کرنے کے لیے سلطان کے پاس آجائے۔ اس اعلان کے بعد لوگ آنا شروع ہوئے اور سلطان نے اہل مدینہ کو تحفے دینے شروع کر دیئے۔ تحفے دینے کے دوران سلطان ہر شخص کو غور سے دیکھتا لیکن وہ کرنچی آنکھوں والے دوا آدمی نظر نہ آئے۔ جب سب لوگ تحفے لے چکے تو سلطان نے پوچھا ”کیا کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟“ لوگوں نے جواب دیا ”دو بہت متقی اور مالدار افراد ہیں وہ کسی سے تحفے نہیں لیتے بلکہ وہ تو خود اہل مدینہ میں تحائف تقسیم کرتے رہتے ہیں وہ عبادت اور ذکر الہی میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔“ سلطان نے حکم دیا ”انہیں بھی لایا جائے۔“ جب وہ دونوں آئے تو سلطان نے انہیں پہچان لیا۔ یہ وہی دونوں تھے جن کی شرارت سے بچانے کے لیے آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا تھا۔ سلطان نے ان سے پوچھا ”تم کون ہو؟“ انہوں نے جواب دیا ”ہم مراکش کے باشندے ہیں حج کے لیے آئے تھے۔ اب ہم حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے پڑوسی کی حیثیت سے یہاں پر مقیم ہیں۔“ سلطان نے پوچھا ”تمہاری رہائش کہاں ہے؟“ ان کی رہائش روضہ مبارک کے قریب مسجد نبویؐ کی جنوبی دیوار میں کھڑکی کے قریب تھی۔ یہ کھڑکی اب بھی موجود ہے۔ سلطان نے ان دونوں کو واپس جانے سے روکا اور خود ان کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے کافی تلاش کیا کتاہیں وغیرہ تو تھیں لیکن کچھ نظر نہ آیا، آخر سلطان نے فرش پر بچھی ہوئی ایک دری کو ہٹایا تو ایک سرنگ کے دھانے کا نشان ملا۔ کھولا تو دیکھا کہ ایک سرنگ روضہ مبارک تک پہنچ چکی تھی۔ سلطان نے ان دونوں کو بلوایا اور کہا: ”سچی بات بتاؤ۔“ انہوں نے اقرار کیا ”ہم دونوں عیسائی ہیں۔ اور ہمیں رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے جسم مبارک کو نکالنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ہم ہر روز سرنگ کھودتے ہیں اور رات کے وقت مٹی جنت البقیع قبرستان میں بکھیر دیتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جب ہم اس سرنگ کے ذریعے قبر اطہر تک پہنچے تو بجلی کڑکی زبردست زلزلہ سا آیا اور ایک طوفان سا آگیا اور آج ہماری یہ سازش ظاہر ہو گئی۔“ سلطان کو اتنی بڑی سازش کا علم ہوا تو بے اختیار رو پڑا۔ پھر ان دونوں کے سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ سلطان اس بات پر کہ

اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا ہے بہت روئے، پھر سلطان نے روضہ مبارک کے گرد ایک گہری خندق کھدوائی۔ اور اس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا تاکہ پھر کبھی کوئی بھی سرنگ کھود کر ان مبارک قبور تک نہ جاسکے۔ سلطان نے روضہ مبارک کے قریب ایک چبوترہ بھی بنوایا۔ تاکہ اس پر ان قبور کی حفاظت کے لیے ہر وقت پاسبان رہے۔ یہ چبوترہ اب بھی موجود ہے اور باب جبرائیل علیہ السلام سے داخل ہوتے ہی دائیں جانب ہے۔ بعض زائرین مدینہ منورہ اس مقام کو اصحاب صفہ کا چبوترہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصحابہ صفہ کا چبوترہ مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کے اندر تھا۔ جبکہ یہ چبوترہ اس وقت کی مسجد کے چار دیواری سے باہر تھا۔ (بخاری شریف، جلد 3، عنوان: گنبد خضراء کے حالات)

تیسری سازش:- طبری نے اپنی کتاب ”الریاض النظرہ“ میں ذکر کیا ہے کہ حلب شہر (شام) کے چند لوگ مدینہ منورہ آئے۔ وہ مدینہ منورہ کے گورنر کے لیے پیش بہا تھا ئف لائے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ روضہ مبارک میں داخل ہو کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجسام مبارک کو یہاں سے نکال کر باہر کریں۔ گورنر کی مذہبی سوچ بھی ایسی ہی تھی۔ اس نے اس کام کی اجازت دے دی۔ گورنر نے مسجد کے خادم کو بلایا اور کہا ”رات کو کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے۔ تم دروازہ کھول دینا اور جو کچھ وہ کریں تم بالکل کوئی اعتراض نہ کرنا اور نہ ان کے کام میں کوئی مداخلت کرنا۔“ عشاء کی نماز سے کافی دیر کے بعد کسی نے باب السلام پر دستک دی۔ خادم نے مسجد کا دروازہ کھول دیا۔ تقریباً 40 آدمی مسجد میں داخل ہوئے۔ ان کے پاس کدال، پھاڑے اور توڑ پھوڑ کرنے والے تمام اوزار موجود تھے۔ خادم نے یہ دیکھا تو سہم کر مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ یہ لوگ روضہ مبارک کی طرف چل پڑے۔ ابھی یہ لوگ منبر مبارک تک نہ پہنچے تھے کہ یکا یک زمین ان لوگوں کے پیروں کے نیچے سے پھٹ گئی اور یہ تمام لوگ بمعہ اپنے تمام اوزاروں اور ہتھیاروں کے زمین میں دفن ہو گئے۔ گورنر مدینہ کو ان لوگوں کی واپسی کا بے چینی سے انتظار تھا جب یہ لوگ واپس نہ آئے تو اس نے خادم کو بلوایا اور ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا۔ خادم نے ان کے آنے اور دفن ہو جانے کا تمام واقعہ گورنر کو سنایا۔ گورنر نے کہا ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔“ پھر گورنر خادم کے ساتھ خود مسجد نبوی خاتم النبیین ﷺ میں جائے وقوع کو دیکھنے کے لیے آیا اور زمین پر پھٹنے کا نشان پایا تو خادم کو کہا کہ ”خبردار اس واقعے کے بارے میں تم کسی کو کوئی بات نہ بتانا۔ ورنہ تمہارا سرا ڈا دیا جائے گا۔“

اللہ کے دشمن اپنی عقل سے تدابیر بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی تدابیر بناتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی تدابیر انسانی تدابیر پر حاوی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میں فرمایا: ترجمہ: ”(ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور (ادھر) اللہ تعالیٰ تدبیر کر رہا تھا اور یقیناً اللہ تعالیٰ اعلیٰ تدبیر کرنے والا ہے۔“ (سورہ انفال، آیت نمبر 30) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی دنیاوی حیات میں بھی اور پردہ فرما جانے کے بعد بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے۔ قرآن پاک سورہ مائدہ آیت نمبر 67 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”واللہ یحصمک من الناس“ ترجمہ: ”اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔“

اس طرح انسانی تدابیر تمام ناکام رہیں بلکہ ان ذلیل سازشوں کے دوران رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کے بہت سے اور معجزات بھی آشکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دشمنوں کے بڑے منصوبوں اور ذلیل سازشوں سے اپنی حفاظت میں رکھے اور ہم سب مسلمانوں کو اچھے اعمال کی توفیق دے تاکہ تمام مسلمان رب العزت کی حفاظت کے مستحق بن جائیں۔ (آمین)

جہاد فی سبیل اللہ

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ**

ترجمہ: ”تم پر جہاد (لڑائی) فرض کر دیا گیا ہے۔ یہ چاہے تمہیں پسند نہ آئے (یعنی چاہے تمہیں برا لگے)۔“ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 216)

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کی تمام تعلیمات فطرت کی صحیح عکاسی کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کائنات کے خالق نے انسانی مزاج اور اس کی تمام تر ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس دین کو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے تجویز کیا ہے۔ یہ دین انسان کی راہنمائی کا ضامن ہے یہ دین انسان کی حیثیت کا صحیح تعین کرتا ہے۔ یہ زندگی کی مثبت تعمیر کرتا ہے۔ یہ کائنات کے بارے میں اصولی اور ٹھوس معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس دین کا اصلی مصدر قرآن حکیم ہے اور تشریفی مصدر سنت رسول خاتم النبیین ﷺ ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول خاتم النبیین ﷺ انسان کی عظمت اور بزرگی کے امین ہیں۔ چنانچہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی غلامی قبول کر لیتا ہے وہ مسلم کہلاتا ہے۔ مسلم یا مسلمان کا مطلب ہے فرمانبردار۔ اور مسلمان دنیا میں امن و امان کو قائم کرنے، فتنہ و فساد اور ظلم و زیادتی کو مٹانے اور عدل و انصاف کی بہار لانے اور دین کو سر بلند کرنے کی جو سعی و کوشش کرتا ہے۔ اسے جہاد کہتے ہیں۔

جہاد کا مفہوم:- لغوی اعتبار سے جہاد سے مراد، وہ کوشش اور محنت ہے جو کسی خاص مقصد کے لئے کی جائے۔ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد ہر وہ کوشش اور محنت ہے جو اللہ کی راہ میں کی جائے۔ اس طرح ہر وہ کوشش جو کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لئے اور اقامت دین کے لئے کی جائے جہاد ہے۔

جہاد کی اقسام:- 1- جہاد بالنفس 2- جہاد بالمال 3- جہاد باللسان 4- جہاد بالقلم 5- جہاد بالعلم 6- جہاد بالقتل

جہاد بالنفس:- انسان اپنے نفس کی شرارتوں اور سرکشی کے خلاف جو جدوجہد کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند بنائے وہ جہاد بالنفس ہے اور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے اسے جہاد اکبر سے تعبیر کیا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد بھی کتب تاریخ میں ملتا ہے کہ

ترجمہ: ”(بڑا) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے۔“ (اخر جہ احمد بن حنبل فی المسند، 6/20، الرقم/23996، والترذی فی السنن، کتاب فضائل الجہاد، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطاً، 4/165، الرقم/1621)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ”رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے پاس غازیوں کی ایک جماعت حاضر ہوئی۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”تمہیں جہاد اصغر (جہاد بالسیف) سے جہاد اکبر (جہاد بالنفس) کی طرف لوٹ کر آنا مبارک ہو“۔ عرض کیا گیا ”جہاد اکبر کیا ہے؟“ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”انسان کا اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا جہاد اکبر ہے“۔ (اخر جہ البیہقی فی الزہد الکبیر، 165/373-والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجہ، 1/282، الرقم/3934) علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

کیا یہ ممکن ہے ساقی نہ رہے جام رہے؟

تو دنیا کی رونق اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے ہے۔

جہاد بالمال:- جہاد بالمال یہ ہے کہ انسان اپنے مال اور دولت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔ دین کی اقامت اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے خرچ کرے اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی عنایت سمجھے۔

سورہ الصف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ترجمہ: ”نکلوا اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے“۔ (سورۃ الصف، آیت نمبر ۱۱)

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔ ترجمہ: ”مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے“۔ (سنن ابی داؤد، جلد

2، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 2504)

جہاد باللسان:- اس سے مراد زبان سے جہاد ہے۔ اس سے مراد ہے کہ حق کو تسلیم کر لینے کے بعد اسے دوسروں تک پہنچایا جائے۔ حق کے پہچاننے میں اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں جو دشواریاں اور تکالیف پیش آئیں ان کو برداشت کیا جائے۔ اور ابلاغ حق کے لئے اپنی پوری سعی و کوشش کی جائے۔ اس جدوجہد کا نام لسانی جہاد ہے۔

اس کا اطلاق مندرجہ ذیل امور پر ہوتا ہے۔

- 1 ابلاغ حق کیا جائے۔
- 2 ظالموں کو ان کے ظلم پر متنبہ کیا جائے اور غلط کاروں کو ان کی غلط کاریوں سے آگاہ کیا جائے۔
- 3 جب حق و باطل اور اسلام و کفر کی قوتیں میدان کارساز میں آمنے سامنے ہوں تو اپنی پرتا شیر گفتار اور تقاریر سے ملی اور قومی جنگی ترانوں سے مجاہدین کے دلوں کو گرمایا جائے۔ قرآن مجید سورہ الانفال، آیت نمبر 65 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: ”اے نبی (خاتم النبیین ﷺ)! مومنین کو جنگ پر ابھارو“۔ جنگ پر ابھارنے اور ترغیب دینے کا سب سے بڑا ذریعہ پرتا شیر گفتگو ہے۔ اس کے لئے بھرپور کوشش لسانی جہاد پر دلالت کرتی ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے لسانی جہاد کی ترغیب ان الفاظ میں فرمائی ہے۔
- ترجمہ: ”مشرکین سے جہاد کرو (ان سے لڑائی کرو) اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے“۔ (ابوداؤد، نسائی، حاکم وقال صحیح علی شرط مسلم)
- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ:
- ترجمہ: ”جو اللہ کی راہ میں نکلا اور اسے موت آگئی یا قتل کر دیا گیا، یا گھوڑے یا اونٹ سے گر کر مر گیا، یا کسی جانور کے کاٹنے سے یا کسی وجہ سے بھی اپنے بستر پر مر گیا، خواہ کوئی موت بھی وہ مرا جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دی تھی تو وہ شہید اور اس کا ٹھکانہ جنت ہے“۔ (سنن ابی داؤد)
- ترجمہ: ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا صرف وہ ہے جو اس نیت سے جہاد کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو“۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2810)

جہاد بالعلم اور جہاد بالقلم:

- 1- جہاد بالعلم سے مراد یہ ہے کہ علم و حکمت کے میدان میں کلمہ اللہ کی حقانیت اور صداقت کو ثابت کرنے کے لئے علمی بنیادوں پر کام کیا جائے اور معقول دلائل کے ساتھ منکرین حق کی فکری یلغار کو ناکام بنا دیا جائے اور تمام تخلیقی، تحقیقی اور فکری صلاحیتیں اللہ کے دین کی تشریح و تعبیر میں صرف کی جائیں۔
- 2- جہاد بالعلم کا ایک پہلو یہ ہے کہ دشمنان اسلام کی طرف سے جو اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا علمی جواب دیا جائے اور دین کی حقانیت کو ثابت کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔
- 3- جہاد بالعلم کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ قتال (جنگ) کے لئے بہترین منصوبہ بندی کی جائے۔ اور جدید ترین ہتھیاروں کی تیاری اور ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے۔ لسانی، علمی اور فکری کوشش کی جائے۔

حدیث: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدولت تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ایک اس کا بنانے والا، جو اس کے بناتے وقت نیکی اور جہاد کی نیت رکھے۔ دوسرا تیر پکڑنے والا اور تیسرا تیر پھینکنے والا“۔ (ترمذی، سنن ابی داؤد)

جہاد بالقلم: قتال یا جنگ، جہاد فی سبیل اللہ کی وہ انتہائی کڑی ہے۔ جہاں اللہ اپنے بندے سے جان کی بازی لگانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور بندہ دشمنان دین کے فتنہ و فساد، ظلم و ناانصافی کے مٹانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے میدان جنگ میں اترتا ہے۔ اور مقابلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دین کو سر بلند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو قتال فی سبیل اللہ بھی کہتے ہیں۔ اس قتال میں اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنی جانیں جان آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ شہید کہلاتے ہیں اور جو فتح یاب ہو کر واپس آتے ہیں وہ غازی کہلاتے ہیں۔ قتال وہ آخری وار ہے جو دشمنان دین پر کیا جاتا ہے اور یہ وار چونکہ حق کی سر بلندی کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے اس میں شرکت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے ترجمہ: ”تم پر جہاد کو فرض کر دیا گیا ہے چاہے تم اسے ناپسند ہی کرو“۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 216)

اس قتال کو با مقصد بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو اہم ہدایات دی ہیں۔

- 1- ترجمہ: ”مفسدوں اور فتنہ پروروں سے اس وقت تک لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے“۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر 193)
- 2- ترجمہ: ”مشرکوں اور کافروں سے اس وقت تک مقابلہ کرو یہاں تک کہ وہ اپنے ہتھیار ڈال دے“۔ (سورۃ محمد، آیت نمبر 4)

حدیث:

ترجمہ: نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "لوگوں میں سے بہترین وسیلہ رزق والا وہ آدمی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے رکھتا ہے۔ اور جب کبھی کسی سانحہ یا جارحیت کی خبر سنتا ہے تو اپنے گھوڑے کی پشت پر تیزی سے وہاں پہنچتا ہے اور اس کا ارادہ دشمنوں کو قتل کرنے اور خود شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے کا ہوتا ہے۔" (مسلم شریف)

حدیث:

ترجمہ: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا شخص صرف وہ ہے جو اس نیت سے جہاد کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔" (مسلم)

حدیث:

ترجمہ: "جس شخص نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کی نیت سے امام کی اطاعت کی اور اپنی سب سے قیمتی چیز جان، اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی۔ اپنے ساتھی کو آسانی میں رکھا اور آپس کے لڑائی جھگڑے سے بچا۔ اس کا سونا اس کا جائگنا بھی باعث اجر ہوگا۔" (سنن ابن ماجہ، جلد سوئم، حدیث نمبر 2515)

اللہ تعالیٰ قرآن پاک، سورہ توبہ، آیت نمبر 20 میں فرماتا ہے۔

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے رہے۔ اللہ کے ہاں ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہ ہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔"

جہاد ایک سعادت ہے لیکن اب اس کو جرم بنا دیا گیا ہے۔ جہاد ایک عبادت ہے لیکن آج کل اس کو فساد قرار دے دیا گیا ہے۔ جہاد ایک فخر ہے مگر آج کل اس کو عار سمجھ لیا گیا ہے۔ جہاد ایک رعب تھا لیکن مسلمان ہی اس رعب سے مرعوب ہو گئے۔ جہاد نصرت کا دروازہ ہے جسے بند کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ جہاد مسلمانوں کے لئے ایک عظمت کا نشان ہے۔ اس نشان کو قائم رہنا چاہیے۔ جہاد آج کل موقوف کر دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم لوگ جہاد کو از خود بند کر سکتے ہیں؟ یا جہاد کو کسی زمانے میں موقوف کیا جاسکتا ہے؟

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "جہاد میری امت میں جب سے شروع ہوا ہے۔ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک میری امت کا آخری فرد یا آخری گروہ دجال کو شکست نہ دے دے۔ جب تک میری امت کے افراد ظلم کرنے والے کے ظلم کو باطل نہ کر دیں اور جب تک میری امت کے افراد انصاف نہ کرنے والوں کو انصاف پر آمادہ نہ کر لیں۔" (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر 59- ابوداؤد، حدیث نمبر 2532)

یہ ہیں جہاد کے بنیادی تین مقاصد اور جہاد امت مسلمہ میں اول و آخر ضرور جاری رہے گا۔

توبہ

توبہ قرب الہی کی طرف لے جانے والا ایک راستہ ہے۔ توبہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

اللہ کو گواہ بنا کر اپنی غلطی پر ندامت اور آسندہ ایسی غلطی نہ کرنے کا وعدہ توبہ کہلاتا ہے۔ توبہ کا مطلب ہے لوٹ آنا۔ انسان جب گناہ کا ارتکاب کر کے پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آسندہ ایسا نہیں کرے گا تو گویا نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے اور جب وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی ناراضگی دور کر کے رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اگر انسان کو اپنے خطا کار یا گناہ گار ہونے کا احساس ہو جائے تو جان لینا چاہیے کہ توبہ کا وقت آ گیا ہے۔ اپنے گناہوں کا احساس ہی توبہ کی ابتدا ہے۔ اگر گناہ کا کوئی گواہ نہ ہو تو توبہ تنہائی میں ہونی چاہیے اگر اگر گناہ پوری قوم کے سامنے سرزد ہوا ہے تو توبہ بھی پوری قوم کے سامنے ہونی چاہیے۔

دراصل توبہ کا خیال خوش بختی کی علامت ہے جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہ بد بخت ہے۔ بد قسمت ہے۔ شیطان کو اپنی غلطی پر توبہ کا خیال نہ آیا۔ ہمیشہ کے لیے مردود ہو گیا۔ انسان حکم عدولی پر توبہ کرتا رہتا ہے، آدم علیہ السلام نے توبہ کی اس لیے اشرف المخلوقات ہیں۔ کافر اپنے کفر کو دین جانتا ہے وہ اپنی عبرت کو پہنچے گا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اپنے ضمیر اور اپنے مزاج کے خلاف عمل کرنا گناہ ہے۔ توبہ روح کا غسل ہے۔ جتنی باریک جائے روح پاک صاف ہوتی ہے۔ توبہ کا خیال آنا ہی خوش بختی کی علامت ہے کیونکہ جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہی لوگ خسارے میں ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے گناہ اپنے مزاج کے خلاف عمل کرنے کا نام نہیں۔ گناہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف عمل کرنے کا نام ہے۔ گناہ اخلاقیات کے حوالے سے نہیں گناہ دین کے حوالے سے ہے۔ اخلاقیات کا دین اور ہے اور دین کی اخلاقیات اور ہیں۔ مثلاً سچ بولنا اخلاقی فریضہ ہے اور دینی فریضہ بھی لیکن دین نے ایسی صداقتیں بھی بیان کی ہیں جو اخلاقی صداقتوں سے بہت مختلف اور ماوراء ہیں۔ دین کی صداقتیں اللہ، فرشتے، رسول، مرنے کے بعد جی اٹھنا، حشر و نشر، روح وغیرہ یہ ایسی صداقتیں ہیں جنہیں اخلاقیات سمجھنے سے قاصر ہے۔ بس یہ سمجھ لیں کہ اخلاقیات انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطہ حیات کا نام ہے۔ اور دین اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ حیات کا نام ہے۔ تو گناہ کیا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے انکار کا نام ہے۔

ایک پیغمبر اور ایک مفکر میں فرق صرف یہی ہے کہ پیغمبر ایک اور دنیا کی صداقت بھی بیان کرتا ہے جبکہ مفکر اس دنیا اور اس معاشرے کی اصلاح کی بات کرتا ہے۔ گویا اخلاقیات دین کا حصہ ہے لیکن دین، دین اخلاقیات سے بہت بلند ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین (یا دینیات) اخلاقیات اور الہیات کے مجموعے کا نام ہے۔ توبہ اپنی پسند اور ناپسند کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند کے حوالے سے ہے۔ ہم اس بات سے توبہ کرتے ہیں جو ہمارے عمل میں اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا باعث ہو۔ اس میں برائی بھی شامل ہو سکتی ہے اور وہ عبادت بھی جسے ریا کاری (دکھاوا) کہا جاتا ہے اور وہ منافقت بھی جو آج کل لوگوں میں بہت عام ہے تو ہمارا ہر وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو گناہ ہے۔ اور ایسے عمل سے توبہ کرنا ہی عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ ہم اپنے لیے ایک زندگی چاہتے ہیں۔ اپنے انداز کی زندگی من چاہی زندگی۔ اللہ ہمارے لیے ایک زندگی چاہتا ہے۔ رب چاہی زندگی۔ ایک اور انداز کی زندگی اگر ان دونوں میں فرق ہے تو غلطی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پسند کے علاوہ کسی اور انداز کی زندگی کو پسند کرنا گناہ ہے اور اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ توبہ جفا کا لباس اتار کر وفا کا لباس پہننا ہے۔ حضرت سہیل بن عبد اللہ تستریٰ فرماتے ہیں کہ "حرکات مذمومہ کو افعال محمودہ سے بدل دینے کا نام توبہ ہے۔"

پیغمبر خطا سے معصوم ہوتا ہے۔ کسی پیغمبر کا استغفار کرنا عجب ہے۔ اصل یہ ہے کہ نئے مقامات حاصل ہونے پر پرانے مقامات پر استغفار ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا ہر آنے والا لمحہ گزشتہ لمحہ سے بہتر تھا۔ اس لیے جب نئے مقامات پر پہنچتے تو پہلے مقام پر توبہ کرتے۔ اس لیے فرمایا "میں دن میں ستر مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔" (صحیح بخاری) یہ توبہ خطا پر نہیں ہے بلکہ عروج کی منزل استغفار اور الحمد کی منزل ہے۔ نئی بلندی کا شکر ادا کرنا اور پہلے درجے پر استغفار یعنی ایک مکمل نیک اور وحی الہی پر چلنے والی زندگی کے لیے بھی استغفار کا عمل منشاء الہی کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ توبہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی، حضرت جبرائیلؑ اور حضرت میکائیلؑ ان کے پاس آئے اور فرمایا "اے آدم اللہ پاک نے جو آپ علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تو آپ کا کبجہ ٹھنڈا ہوا۔" حضرت آدم علیہ السلام نے کہا "اے جبرائیل علیہ السلام اگر توبہ کی قبولیت کے بعد بھی مجھ سے اس گناہ کا سوال ہو تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟" اس وقت ان پر وحی کی گئی "اے آدم تو نے اپنی اولاد کے لیے رنج و مشقت بھی چھوڑی اور توبہ بھی تو جو کوئی اس (توبہ) سے مجھ کو پکارے گا میں اس کو سنوں گا۔ جیسے تیری سنی اور جو کوئی مجھ سے مغفرت کا سوال کرے گا۔ میں بخل نہ کروں گا کیونکہ میرا نام قریب اور مجیب ہے۔ اے آدم میں توبہ کرنے والوں کو قبروں سے ہنساتے ہوئے اور بشارت سناتے ہوئے اٹھاؤں گا وہ جو دعا کریں گے قبول ہوگی۔"

سب سے بڑی بات گناہ کا احساس ہونا ہے۔ گناہ کا احساس پیدا ہو جائے تو گناہ سے نفرت ضرور ہوگی۔ جب نفرت ہوگئی تو دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم پیدا ہو گا۔ دوبارہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ ہی توبہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ”جس نے کوئی قصور کیا اور پھر اس قصور کو دل میں یاد کر کے خائف ہوا تو وہ قصور اس کے نامہ اعمال سے محو ہو جاتا ہے۔ بندہ بعض اوقات گناہ کرتا ہے اور مدت العمر اس پر نادم ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت شیطان افسوس کرتا ہے کہ کیا ہی خوب ہوتا کہ میں اس کو اس گناہ میں مبتلا ہی نہ کرتا۔“

ایک شخص نے حضرت ابن مسعودؓ سے سوال کیا میں نے ایک گناہ کیا ہے، میری توبہ قبول ہو جائے گی۔ آپؓ اس کی طرف متوجہ ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ”جنت کے آٹھ دروازے ہیں، سب کھلتے اور بند ہو جاتے ہیں لیکن توبہ کے دروازے پر ایک فرشتہ مقرر ہے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تجھے چاہیے کہ عمل کر اور نا امید نہ ہو کہ گناہوں کے کفارے کے لیے توبہ ہے۔ توبہ بہترین دعا ہے۔“

حضرت عبدالرحمن بن ابی القاسمؓ نے فرمایا کہ ”مسلمان کا توبہ کرنا ایسا ہے جیسے اسلام کے بعد اسلام لانا۔ توبہ منظور ہو جائے تو وہ گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوتا اور جب گناہ معاف ہو جائے تو گناہ کی یاد بھی نہیں رہتی۔ اگر اللہ احسان فرمادے تو انسان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔ اس کی سابقہ برائیوں کو اچھائیوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اللہ توبہ کرنے والوں پر بڑا مہربان ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام نے توبہ کی تو خلافت ارضی عطا ہوئی۔ یونسؑ نے توبہ کی انہیں نجات مچھلی کے پیٹ سے ملی۔ تو ہر توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب عطا کیا۔

روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان تھا اس نے 20 برس اللہ کی عبادت کی پھر اس نے نافرمانی بھی بیس برس کی پھر آئینہ میں جو دیکھا تو داڑھی میں سفیدی نکل آئی اور برا محسوس ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا ”میں نے 20 برس تیری اطاعت کی اور 20 برس نافرمان رہا۔ اب اگر اپنی تمام تر حرکات سے باز آ کر تیری طرف رجوع کروں تو کیا تو مجھے معاف فرمادے گا؟“ اُسی وقت ایک آواز آئی (ہاتف غیب کی آواز) ”تو نے ہم سے دوستی کی ہم نے تجھ سے محبت کی تو نے ہماری نافرمانی کی ہم نے تجھ کو مہلت دی اور اگر اب تو ہماری طرف رجوع کرے گا تو پذیرائی فرمائیں گے۔“ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث کہتا ہوں یا نبی مرسل سے سنی ہوئی کہتا ہوں یا کتاب آسمانی سے دیکھی ہوئی بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ”بندہ گناہ کرنے کے بعد اگر ایک لمحہ ندامت کرتا ہے تو پل مارنے سے پہلے وہ گناہ اس سے محو کر دیا جاتا ہے۔“ عبادات نعمتوں کے ساتھ کالعدم ہو جائیں گے۔ گناہ باقی رہ جائیں گے۔ گناہوں کے کفارے کے لیے توبہ ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ”توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو، اس لیے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔“

صغیرہ گناہ، کبیرہ گناہوں میں کیسے تبدیل ہوتے ہیں؟

بندہ گناہ کرتا رہے توبہ نہ کرے، اپنے گناہ کو ہلکا تصور کرے، چھوٹے چھوٹے گناہوں پر دوام رکھے، مثلاً جھوٹ، غیبت، طعنے، عیب جوئی تو آدمی کا دل مرجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک قاعدہ ہے کہ جتنا انسان اپنے گناہ کو بڑا سمجھے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو چھوٹا جانے گا اور جتنا انسان اپنے گناہ کو چھوٹا خیال کرے گا اتنا ہی وہ گناہ اللہ کے نزدیک بڑا ہوگا۔ اس لیے کہ گناہ کو بڑا سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں کراہت اور نفرت اس گناہ کے لیے موجود ہے اور گناہ کو چھوٹا جاننا اس بات کی دلیل ہے کہ دل کی اس کے ساتھ الفت ہے۔

حدیث: ”مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ایک پہاڑ اوپر آگیا ہے اور بس اب سر پر آن گرے گا اور کافریا منافق اپنی خطا کو ایسا جانتا ہے جیسے ناک پر مکی اور اس کو اڑا دیا۔“ (یعنی چھوٹا) (مسند احمد)

صغیرہ گناہ کے کبیرہ گناہ میں تبدیل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گناہ کر کے خوش ہو اور فخر کرے۔ مثلاً مناظرہ کرنے والا کہتا پھرے ”دیکھا میں نے کیا جواب کر دیا، یا کیسا بیوقوف بنایا۔ یا تاجر کہے دیکھو کیسی ملاوٹ کی، کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکتا، یا رشوت لینے والا کہے کہ یہ تو کمیشن ہے سب کو دینا ہوتا ہے یہ رشوت کہاں ہے؟“ یعنی گناہ کرے اور اس کو کہتا پھرے۔ اس لیے کہ اس میں اول تو اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کو دور کرنا ہے اور اللہ ہر ایک کا پردہ رکھنے والا ہے۔ دوسرے غیر شخص کو اس گناہ کی رغبت دینی ہے۔ تو گویا ایک گناہ کے ضمن میں دو خطائیں ہوئیں۔ صفات اور انعامات خداوندی میں ایک یہ بھی ہے کہ اچھی بات ظاہر کرتا ہے اور عیوب کو چھپاتا ہے۔ اس لیے علماء کا کہنا ہے کہ اول تو انسان گناہ ہی نہ کرے اور اگر کرتا ہے تو اس کی ترغیب نہ دے ورنہ گناہ کا مرتکب گردانا جائے گا۔ اگر کوئی عالم صغیرہ گناہ کرے تو وہ اس کا کبیرہ گناہ لکھا جائے گا اس لیے کہ عالم کی دیکھا دیکھی ہزاروں لوگ وہ گناہ کریں گے۔ عالم تو مرجاتا ہے مگر اس کی برائی باقی رہتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "عالم کی خرابی دوسروں کے اتباع سے ہے۔ اس لیے کہ عالم تو اس گناہ پر توبہ کرے گا لیکن اس کی دیکھا دیکھی جن لوگوں نے ویسا ہی عمل شروع کیا وہ اس پر توبہ نہ کریں گے۔"

بنی اسرائیل کی حکایتوں میں مذکور ہے کہ "ایک عالم لوگوں کو بدعت سکھا کر گمراہ کیا کرتا تھا۔ پھر اس کو توبہ نصیب ہوئی تو ایک مدت تک خلق کی اصلاح کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کو وحی کی کہ "اس سے کہہ دو اگر تو نے صرف میرا ہی قصور کیا ہوتا تو میں معاف کر دیتا لیکن اس کا کیا علاج کہ تو نے میرے بندوں کو گمراہ کیا۔ اور ان کی گمراہی کے باعث میں نے انہیں دوزخ میں ڈال دیا۔" (یعنی اب تیرے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے؟)

تابع سے گناہ ہو جائے تو کیا کرے؟

جب تابع شخص (جس نے پہلے توبہ کر لی تھی) کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس پر دوبارے واجب ہیں۔

- 1- ندامت کرے
- 2- گناہ کو بخوشی کرنے کے لیے فوراً کوئی نیکی کرے اور پھر توبہ کرے۔
- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی گناہ کے بعد آٹھ کام کرے تو توقع کی جاسکتی ہے کہ گناہ معاف ہو جائے گا۔ چار کام دل کے اعمال میں سے ہیں اور چار کام اعضاء کے اعمال میں سے ہیں۔

دل کے اعمال کے چار کام

- 1- توبہ یا قصد توبہ
- 2- گناہوں سے احتراز کا عزم
- 3- گناہ پر عذاب سے ڈرنا
- 4- اللہ سے اس گناہ کے معاف کرنے کی اور اپنے بخشے جانے کی توقع رکھنا۔

اعضاء کے چار کام

- 1- گناہ کے بعد 2 رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھنا
- 2- نفل پڑھنے کے بعد 70 مرتبہ استغفار پڑھنا اور سورۃ سبحان اللہ و بحمدہ، سبحان اللہ العظیم پڑھنا۔
- 3- صدقہ دینا
- 4- ایک روزہ رکھنا

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ "بندے کو ہر حال میں اپنے رب کی حاجت ہوتی ہے۔ اس لیے جب گناہ ہو جائے تو التجا کرے۔" الہی میرا پردہ فاش نہ کرنا، الہی میری توبہ قبول کرنا، الہی مجھے عصمت اور عزت نصیب کرنا، جب کوئی عمدہ کام ہو جائے تو عرض کرے "الہی اس عمل کو مجھ سے قبول کرنا، میرا خاتمہ بخیر کرنا۔ میرا خاتمہ کامل ایمان پر کرنا۔"

یہ دنیا ایک بیمار خانہ ہے اس میں جو کچھ ہے وہ مردہ ہے۔ جو اس میں موجود ہیں وہ بیمار ہیں۔ دل کے بیمار نسبتاً جسم کے بیماروں کے زیادہ ہوتے ہیں۔ علماء طبیب ہیں اور سلاطین اس بیمار خانے کے منتظم دل کے مرض جو بدن کی نسبت زیادہ ہو گئے ہیں تو اس کی تین وجوہات ہیں۔

- 1- اول یہ کہ دل کے مریض کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میں مریض ہوں۔
- 2- دوم یہ کہ اس مرض کا دنیا میں مشاہدہ نہیں ہوتا۔ جبکہ بدن کے مرض کا انجام موت ہے اور اس کو سب دیکھتے ہیں۔ موت سے ہر ایک کو نفرت ہے۔ اس لیے بدن کا علاج خوب کرایا جاتا ہے۔
- 3- سوم یہ کہ دل کے مریض کا علاج کرنے والے نایاب ہیں۔ یعنی طبیب نایاب ہیں۔ اس لیے کہ اس مرض کے طبیب عالم ہیں اور وہ خود اس زمانے میں مرض میں مبتلا ہیں۔

خالق نے جس عمل سے روکا ہے اس سے رک جانا ہی سعادت مندی ہے۔ نیت کا گناہ نیت کی توبہ سے معاف ہوتا ہے۔ عمل کا گناہ عمل کی توبہ سے معاف ہوتا ہے۔ تحریر کا گناہ تحریر کی توبہ سے ختم ہوتا ہے۔ جس ڈگری کا گناہ ہوگا اس ڈگری کی توبہ درکار ہوگی۔ جس انسان کو جو دولت عطا ہوتی ہے۔ اس کی باز پرس ہوگی۔ زبان کی تاثیر، الفاظ کی تاثیر، علم کی تاثیر، عمل کی تاثیر، غرض ہر تاثیر اس کے نامہ اعمال میں رکھی جائے گی۔ اس لیے اگر نصیب یاوری کرے تو اپنی کسی بھی تاثیر کو نیکیوں میں اضافے کے لیے استعمال کر جائے لیکن ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ جو انسان جتنا موثر ہوگا۔ اس کا گناہ بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔ اس لیے کہ ہم اپنے گناہوں کو اپنے حلقہ تاثیر میں بندھ دیتے ہیں اور یوں ہم زیادہ سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اگر توبہ بر ملا نہ ہو تو بر ملا گناہ معاف نہیں ہوتا۔ جتنے بڑے جہوم میں جھوٹ بولا گیا تو اس کے لیے اتنی ہی بڑی سزا ہے۔ اس سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ اتنے ہی بڑے جہوم میں توبہ کی جائے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو دائیں ہاتھ کے فرشتے سے بائیں ہاتھ کا فرشتہ گناہ لکھ لینے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اس پر دائیں ہاتھ کا فرشتہ کہتا ہے ”ٹھہر جا شاید توبہ کر لے“ پس بائیں ہاتھ کا فرشتہ چھ ساعت تک اس گناہ کو نہیں لکھتا۔ اگر اس دوران بندہ توبہ کر لیتا ہے تو لکھتا ہی نہیں اور اگر توبہ نہیں کرتا تو گناہ لکھ لیا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ سے حدیث مروی ہے کہ ”مہر کرنے والا فرشتہ عرش کے سائے سے لٹکا ہوا ہے۔ جب بہت سی بے حرمتیاں ہوتی ہیں اور حلال چیزیں حرام سمجھی جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ مہر کرنے والے فرشتے کو زمین پر بھیج دیتا ہے۔ وہ دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ پھر اچھائی اور برائی کی سمجھ اور پہچان جاتی رہتی ہے۔“ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ لعنت منہ کے سیاہ ہونے اور مال کے ناقص ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ لعنت یہ ہے کہ آدمی ایک گناہ سے نکل کر دوسرے اس جیسے یا اس سے زیادہ بڑے گناہ میں مبتلا ہو جائے۔ اس لیے کہ لعنت کے معنی محروم کر دینا اور رحمت سے دور کر دینا ہے۔ اور توفیق الہی کا عنایت نہ ہونا بڑا ہی افسوس ناک ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جب بندہ اپنی شہوت کو میری اطاعت پر مقدم سمجھتا ہے تو اس کی ادنیٰ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ میں اس کو اپنی مزہ دار مناجات سے محروم کر دیتا ہوں۔“

حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے کہا ”مجھے کچھ وصیت فرمائیے“۔ انہوں نے کہا ”ہنسی صورت رہا کرو، غصہ مت کیا کرو، ایسے رہو کہ دوسروں کو تم سے فائدہ ہو، کسی کو تم سے ضرر نہ پہنچے، بے حجاب مت پھرو، اور بدون اچھنبے کی چیزوں کے مت ہنسا اور اہل قصور کو ان کی خطاؤں کا طعنہ مت دو۔ اپنی خطاؤں پر رو یا کرو۔ اس لیے کہ گناہوں سے توبہ کر کے اطاعت الہی پر متوجہ ہونے سے لذت مناجات الہی حاصل ہوتی ہے۔ اس لذت و حلاوت کے علاوہ، اگر اور کچھ نہ ملتا تب بھی کافی تھا جبکہ اس کو مزید جنت کی نعمتیں بھی دی جائیں گی۔“

حضرت شفیق بلخیؒ فرماتے ہیں ”بدترین شخص وہ ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرے اور زندگی کی امید پر توبہ کرے۔“ حضرت شفیق بلخیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا توبہ کرنے آیا ہوں مگر بہت دیر سے آیا ہوں۔ حضرت شفیق بلخیؒ نے فرمایا ”موت سے پہلے توبہ کرنا دیر نہیں ہے۔“ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فرمان ہے: ”بوڑھے آدمی کا توبہ کرنا عمدہ کام ہے، لیکن اگر جوان آدمی توبہ کرے تو یہ بہت ہی عمدہ کام ہے۔“ درجوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک نے ایک دفعہ مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ سے فرمایا ”ابو محمد اب میری حالت یہ ہو گئی ہے کہ اچھا کام کرتا ہوں تو اس سے کوئی خوشی نہیں ہوتی اور برا کام کرتا ہوں تو رنج نہیں ہوتا۔“ اس پر حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا ”امیر المؤمنین اب آپ کا دل پورے طور پر مچکا ہے۔“

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ”جس گناہ کے بعد ندامت نہ ہو نادمہ ہے کہ وہ گناہ اسے اسلام سے خارج نہ کر دے۔“ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ”گناہ کے بعد توبہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قربت میں اضافہ کا سبب ہے۔“ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔ ”الہی مجھے ان لوگوں میں شامل کر دے جو نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور برا کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔“

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ”مصیبت زدہ کی فریاد رسی اور کسی مبتلائے رنج کی تکلیف کو دور کرنا بڑے گناہوں کے کفارے میں سے ہے۔“ آپؓ فرماتے ہیں جو دعا کرے گا اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ جو توبہ کرے گا اس کی توبہ ضرور قبول ہوگی۔ جو استغفار کرے گا اس کی مغفرت ضرور ہوگی۔ جو شکر کرے گا اس کو ضرور زیادتی نعمت حاصل ہوگی۔ اس لیے اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جائے اور وہ نفس کا تزکیہ کرنے کا خواہش مند ہو تو لازماً ندامت سے دوچار ہوگا۔ اب اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس گناہ سے توبہ کرے اور جو کچھ وہ کر چکا ہے۔ اس گناہ سے بچنے کے لیے رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔ بندہ جب نیکی کی طرف لوٹتا ہے تو اللہ

تعالیٰ بھی ناراضگی دور کر کے رحمت کی طرف لوٹ آتا ہے۔

قرآن پاک سورہ النساء، آیت نمبر 16 میں ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا

ترجمہ: "بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

توبہ پر رب تعالیٰ کی خوشی:

حضرت عیسیٰؑ کی صحبت میں ہر طرح کے لوگ حاضر ہوا کرتے تھے، نیک و بد، پارسا، گناہ گار، حضرت عیسیٰؑ ہر ایک کے ساتھ محبت کا سلوک کیا کرتے تھے۔ انہیں اچھی بات کی نصیحت کرتے اور برائیوں پر خبردار کرتے۔ اور انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، مذہبی پیشواؤں نے اعتراض کیا کہ یہ تو گناہ گاروں کو بھی اپنے ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں۔

ایک دن حضرت عیسیٰؑ نے ان سے سوال کیا "تم میں کون ایسا ہے جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور جب ان میں سے ایک بھیڑ کھوجائے تو وہ نناوے بھیڑوں کی فکر چھوڑ کر گم ہونے والی بھیڑ کو ڈھونڈتا نہ پھرے؟ اس وقت تک جب تک وہ بھیڑ اسے نہ مل جائے۔ اور جب وہ گم شدہ بھیڑ مل جائے تو خوشی کے مارے اسے اپنے کندھوں پر نہ اٹھائے اور گھر پہنچ کر لوگوں کو یہ نہ بتائے کہ میری یہ بھیڑ گم گئی تھی۔ اب مل گئی ہے تم بھی میرے ساتھ خوشی مناؤ کہ اب بھیڑ مجھے مل گئی ہے۔ میں تم سے یہ بات کہتا ہوں کہ نناوے لوگوں کی نسبت جو توبہ نہیں کرتے ایک توبہ کرنے والے گناہ گار بندے کے لیے آسمان پر زیادہ خوشی منائی جاتی ہے۔ یا پھر تم مجھے یہ بتاؤ؟ کہ کوئی ایسی عورت ہے کہ جس کے پاس دس درہم ہوں اور ان میں سے ایک کھوجائے۔ تو وہ گھر میں چراغ جلا کر جھاڑو نہ دے اور جب تک وہ گم شدہ درہم اسے نہ مل جائے وہ اسے ڈھونڈتی نہ رہے۔ پھر جب وہ درہم اسے مل جائے تو اپنی ساتھیوں سے یہ نہ کہتی پھرے کہ میرا یہ درہم گم ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے مجھے دوبارہ مل گیا ہے۔ میں خوش ہوں تم بھی میرے ساتھ خوشی مناؤ کہ مجھے میرا گم شدہ درہم واپس مل گیا۔ اسی طرح میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ ایک توبہ کرنے والے گناہ گار کی توبہ پر اللہ تعالیٰ آسمان پر فرشتوں کے سامنے خوشی کا اظہار فرماتا ہے۔"

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایک شخص نے اپنی سواری پر ذرا راہ رکھا اور سفر کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں ریگستان تھا وہ شخص تھک کر سو گیا، اٹھا تو سواری اور سامان سب غائب پایا ڈھونڈا لیکن کہیں بھی سواری نہ ملی۔ آخر تھک ہار کر ایک جگہ گر گیا اور مارے تھکن کے دوبارہ آنکھ لگ گئی۔ پھر کچھ دیر کے بعد آنکھ کھلی تو سواری اور ذرا راہ سب کچھ پاس ہی تھا۔ اس شخص کی خوشی کا کیا عالم ہوگا؟ کہ مایوسی کے بعد اسے سب کچھ مل گیا۔" صحابہ کرامؓ نے کہا کہ "واقعی اس شخص کی خوشی ناقابل بیان ہے۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ پر اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔" (صحیح بخاری)

موت کی تیاری

وقت نزاع:-

موت آنے سے پہلے مرنے والے پر عموماً موت آنے کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب مریض پر موت آنے والی ہے اس طرح موت کے قریبی وقت کو عالم نزاع کہا جاتا ہے۔ کپٹیاں بیٹھ جاتی ہیں، ناک کی ہڈی ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ منہ کی کھال سخت ہو جاتی ہے۔ سانس اکھڑ جاتی ہے اور جلدی جلدی آنے لگتی ہے اس وقت کلمہ کی تلقین کرتا اور:- مرنے والے کا منہ قبلہ کی طرف کر دینا سنت ہے۔ اس وقت مرنے والے کے پاس بلند آواز سے کلمہ کا ورد کریں اسی کو کلمہ کی تلقین کہتے ہیں۔ مرنے والا جب ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو تلقین کرنا بند کر دیں۔ مرنے والے کو کلمہ پڑھنے کی تلقین کرنا مستحب ہے۔

حدیث: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، ”جس کا آخری کلام ”لا الہ الا اللہ ہو تو وہ جنت میں جائے گا“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، حدیث نمبر 1621)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ”جس نے مرتے وقت یہ کلمات پڑھے تو آگ اسے کبھی نہ کھائے گی۔ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم (طبرانی)

جس شخص پر موت کا عالم طاری ہو یعنی ایسے آثار پیدا ہو چکے ہوں کہ اس کی روح جسم سے نکلنے والی ہے تو اس وقت اس کے قریب نیک لوگوں کو بیٹھنا چاہیے اور دنیا کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ مرنے والے کے پاس سورۃ یسین کی تلاوت کرنے سے روح نکلنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

حدیث: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا، ”ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن پاک کا دل سورۃ یسین ہے۔ لہذا جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو اس کے بدلے میں اس کے اعمال میں 10 قرآن پاک پڑھنے کا ثواب لکھا جائے گا“۔ (مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، حدیث نمبر 2147)

صاحب مراقبہ نے فرمایا ”اس سورت میں اسلام کے تین بنیادی اصول ہیں۔ توحید، رسالت اور حشر و نشر پر زور دیا گیا ہے“۔ زبان اور دیگر اعضاء سے تعلق رکھنے والی چیزیں دوسری سورتوں میں ذکر کی گئیں ہیں اس طرح اس سورت میں صرف دل کے اعمال ہی کا تذکرہ ہے تو اسے قرآن پاک کا دل کہہ دیا گیا۔ مرتے وقت مرنے والا اندر سے کمزور ہو جاتا ہے۔ اعضاء بے جان ہو رہے ہوتے ہیں لیکن دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ ہر طرف سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اس لیے مرتے وقت مریض کے نزدیک ایسی سورۃ پڑھی جاتی ہے جس سے اس کے دل کو تقویت پہنچتی ہے اور اس کے ایمان اور تصدیق کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے نزاع کے وقت سورۃ یسین پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جسم پر موت وارد ہونے کے آخری لمحات بڑے سخت ہوتے ہیں جبکہ جسم سے جان نکلنے والی ہوتی ہے۔ نبیوں اور ولیوں پر یہ وقت عام لوگوں کی نسبت زیادہ شدید ہوتا ہے اس کی وجہ اہل روحانیت کے نزدیک تجلیات الہیہ کا نزول ہوتا ہے جو موت کے وقت اللہ کے خاص بندوں پر زیادہ ہو جاتا ہے۔ عالم نزاع میں میت کی سہولت کو مد نظر رکھنا چاہیے یعنی اس کے ساتھ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے اس کو تکلیف ہو اور نہ ہی اس کو رنجش پہنچانے والا کوئی کام کیا جائے کیونکہ موت کے وقت مریض اللہ کی رحمت کا منتظر اور اپنے گناہوں کی معافی کا طلب گار ہوتا ہے اس لیے پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی کو کوئی بری بات منہ سے نہیں نکالنی چاہیے۔ کیونکہ اس وقت جو کچھ منہ سے نکالا جاتا ہے اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اللہ والوں کے منہ پر اچھی بات ہی ہوتی ہے لہذا کوشش کرنی چاہیے کہ ایسے مریض کے پاس جس پر موت کے آثار نظر آرہے ہوں کوئی اللہ والا ہو اس سے میت کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ قریب المرگ مریض یا میت کے پاس اچھی بات کہنا سنت ہے۔

حدیث: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”جب تم کسی میت کے پاس جاؤ تو اچھی بات کہا کرو کیونکہ فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں جو تم اس وقت کہتے ہو۔ جب حضرت ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں کیا کہوں“؟ فرمایا ”تم یوں کہو: اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور مجھے ان کا اچھا بدل عطا فرما“۔ پس اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بدلے محمد خاتم النبیین ﷺ مرحمت فرمائے“۔ (جامع ترمذی، جلد 1، حدیث نمبر 977-سنن ابن ماجہ، جلد 2، حدیث نمبر 1447)

حدیث:- حضرت ابوسلمہؓ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ ”جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگو کر پہنے اور فرمایا کہ میں

نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "مرنے والا ان کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جس میں اس نے وفات پائی ہوگی"۔ (ابوداؤد)
 حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن یا شب جمعہ مرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھتا ہے" (ترمذی)

اہل محبت پیر کے دن کو بہت افضل جانتے ہیں کیونکہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کا وصال پیر کے دن ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسی دن وصال فرمایا۔

موت کا مزہ:-

ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ کوئی انسان موت سے بچ نہیں سکتا۔ قرآن پاک سورہ الانبیاء، آیت نمبر 35 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
 ترجمہ "ہر شخص نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہاری آزمائش اچھائی اور برائی سے کرتے ہیں اور تم نے ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے"۔

سورہ آل عمران، آیت نمبر 185

ترجمہ "ہر انسان نے موت کا مزہ چکھنا ہے اور قیامت کے روز تمہارا اجر تمہیں دیا جائے گا۔ پس جو آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہوا تو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے میں مبتلا رکھنے والا ساز و سامان ہے"۔

سورہ العنکبوت، آیت نمبر 57

ترجمہ "ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تمہیں ہماری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے"۔

سورہ آل عمران، آیت نمبر 145

ترجمہ: "اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا۔ ہر ایک کا وقت مقرر رکھا ہے اور جو دنیا میں اجر چاہتا ہے ہم اسے یہاں ہی دے دیتے ہیں اور جو آخرت کے ثواب کا طالب ہے ہم اسے آخرت میں ثواب دیں گے اور شکر کرنے والوں کو ہم بہت جلد جزا دیں گے"۔

سورہ منافقون، آیت نمبر 11

ترجمہ: "کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ ہرگز کسی کو وقت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے"۔

سورہ الاحزاب، آیت نمبر 16

ترجمہ: "آپ خاتم النبیین ﷺ فرمادیجئے موت یا قتل سے (جہاد سے) بھاگو تو یہ ذرا بھی نفی نہ دے گا اس کے باوجود ہر کسی کو دنیا میں فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے"۔

سورہ جمعہ، آیت نمبر 8

ترجمہ: "آپ (خاتم النبیین ﷺ) فرمادیجئے کہ موت جس سے تم فرار چاہتے ہو وہ ضرورتاً پروردگار کے ہاتھ کی پھر تمہیں اس کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ جو غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ پھر جو اعمال تم کرتے ہو وہ اس سے تمہیں باخبر کر دے گا"۔

موت کی سختی:-

موت کے وقت جسم سے جان نکلنے کو موت کی سختی کہتے ہیں۔ یعنی جان نکلتے وقت جسم کو بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ تمام بزرگان دین اس بات پر متفق ہیں کہ جان کنی کی تکلیف تلوار سے کسی کو کٹنے کے لئے کی تکلیف سے زیادہ سخت ہے۔ ہمارے مشکل ترین اوقات میں نزاع کے وقت کی تکلیف اور روز محشر کی تکلیف سب سے زیادہ ہے۔ اگر موت کی تکالیف کا ایک قطرہ تمام آسمان اور زمین پر رہنے والوں پر ٹپکا دیا جائے تو سب مرجائیں جبکہ قیامت میں ایک گھڑی کی تکلیف اس تکلیف سے بھی ستر گنا زیادہ ہوگی۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا "موت کیسی ہے؟" آپ نے فرمایا "بیری کے درخت کے مانند ہے جس کی شاخیں ہر برگ سے اُگ گئیں ہوں اور پھر ان کو کوئی کھینچے یہ ہے موت کی آسان تر تکلیف"۔

حضرت شہد ابن اوسؓ سے روایت ہے کہ "موت دنیا اور آخرت کی ہولناکیوں میں سب سے زیادہ ہولناک ہے یہ آروں کے چیرنے سے، قینچیوں کے کاٹنے سے، اور ہانڈیوں کے ابلنے سے زیادہ ہے اگر مردہ زندہ ہو کر موت کی حالت اور تکلیف لوگوں کو بتا دیتا تو ان کا عیش اور نیند سب ختم ہو جاتے۔" (ابن ابی الدنیا)

روایت ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاصؓ کی وفات کا وقت آیا تو ان کے بیٹے نے ان سے کہا ”اے ابا جان آپ کہا کرتے تھے کہ کوئی عقلمند انسان مجھے نزع کے عالم میں مل جائے تو میں اس سے موت کی حالت دریافت کروں؟ تو آپ سے زیادہ عقلمند کون ہوگا برائے مہربانی آپ ہی مجھے موت کے حالات بتا دیجئے۔“ آپؓ نے فرمایا ”بخدا میرے بیٹے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے پہلو ایک تخت پر ہیں اور میں سوئی کی نوک کے برابر سوراخ سے سانس لے رہا ہوں اور ایک کانٹوں والی شاخ میرے قدموں کی طرف سے سر کی جانب کھینچی جا رہی ہے۔“ یہی حدیث ابن سعد نے عوانہ بن الحکمؓ سے روایت کی ہے۔ (ابن ابی الدنیا)

حضرت علیؓ سے روایت ہے آپؓ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ ایک ہزار تلوار کی چوٹیں میرے نزدیک بستر پر مرنے سے بہتر ہیں۔“ (ابن ابی الدنیا)

حضرت فضیل بن عیاضؓ سے روایت ہے کہ ”کیا وجہ ہے کہ مرنے والے انسان کی روح نکالی جاتی ہے اور اتنی تکلیف پر وہ خاموش رہتا ہے لیکن اگر کسی انسان کے پیر میں چیونٹی کاٹ لیتی ہے تو وہ تڑپ جاتا ہے۔“ آپؓ نے فرمایا ”فرشتے اسے باندھ دیتے ہیں۔“

حضرت ابوقنادہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”شہید کو موت کی تکلیف صرف اتنی ہوتی ہے کہ جتنی کہ چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔“

حضرت انسؓ سے روایت ہے ”مرنے والے انسان کو فرشتے باندھ دیتے ہیں ورنہ وہ جنگلات میں بھاگتا پھرتا۔“

ملک الموت:-

ملک الموت کا نام عزرائیلؑ ہے جس کا مطلب ہے اللہ کا بندہ۔ دنیا کا نظام چار فرشتوں کے سپرد ہے۔

1- جبرائیل علیہ السلام کے سپرد لشکروں اور ہواؤں کا کام ہے

2- میکائیل کے سپرد بارش اور نباتات کا کام

3- عزرائیل کے سپرد روح قبض کرنے کا کام

4- اسرافیل سب کو بچھڑاتے ہیں اور قیامت میں صور پھونکیں گے۔

(ابن ابی حاتمؒ، ابن ابی شیبہؒ، اور ابوشیخؒ نے ”عظمت“ میں اور ”شعبہ ایمان“ میں بھیقیؒ نے روایت کیا)

ملک الموت کو حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی تنبیہ:-

حضرت خزرجؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ”میں نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو ایک میت کے پاس دیکھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ ملک الموت سے خطاب فرما رہے تھے کہ: ”اے ملک الموت میرے ساتھی کے ساتھ نرمی کرو کیونکہ وہ مومن ہے۔“ ملک الموت نے جواب دیا کہ ”آپ خاتم النبیین ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل خوش ہو کہ میں تو ہر مومن پر نرمی کرتا ہوں۔ اے محمد خاتم النبیین ﷺ میں جب آدمی کی روح قبض کرتا ہوں اور چیخنے والے چیختے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ بخدا ہم نے اس پر ظلم نہیں کیا اگر تم اللہ تعالیٰ کے کئے پر راضی ہو تو مستحق اجر ہو گے ورنہ لائق عذاب اور ہم کو تو بار بار آنا ہی ہے۔ اس لیے ڈرتے رہو خیمے والے ہوں یا کچے مکانوں والے، نیک ہوں یا بد، پہاڑی علاقوں میں رہنے والے ہوں یا ہموار زمینوں پر بسنے والے، ہر رات اور ہر دن میں ہر ایک چہرے کو غور سے دیکھتا ہوں اس لیے میں ہر چھوٹے اور بڑے کو ان سے زیادہ پہچانتا ہوں۔“ (ابن ابی الدنیا)

ابوشیخؒ کی روایت ہے ”ملک الموت دن میں تین مرتبہ لوگوں کے چہروں کو دیکھتے ہیں جس کی عمر پوری ہو جاتی ہے اور اس کا رزق دنیا سے ختم ہو جاتا ہے اس کی روح قبض فرماتے ہیں۔ جب گھر والے رونے لگتے ہیں تو ملک الموت دروازے کے پٹ پکڑے فرماتے ہیں ”میں نے تمہارا کوئی قصور نہیں کیا میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں۔ نہ میں نے اس کا رزق کھایا اور نہ میں نے اس کی روح قبض کی۔ اور مجھے تو تمہارے پاس بار بار آنا ہے۔ حتیٰ کہ تم میں سے کوئی باقی نہ بچے گا۔“

حضرت خواجہ حسنؒ فرماتے ہیں ”اگر لوگ اس فرشتے کو دیکھ پائیں اور اس کے کلام کو سن لیں تو میت بھول کر خود اپنے آپ کو رونے لگ جائیں۔“

حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے ”زمین ملک الموت کے لیے طشت کردی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں اور جس کو چاہیں اٹھالیں۔ ان کے کچھ مدگار ہیں جو روح قبض کر کے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔“ (احمد ابونعیم)

حضرت عباسؓ سے روایت ہے ”ملک الموت ہی تمام اہل زمین کو موت دیتے ہیں اور ان کو تمام اہل زمین پر اس طرح مسلط کیا گیا ہے کہ جیسے تم میں سے کوئی اپنی ہتھیلی پر رکھی کوئی چیز پر۔ جب وہ کسی پاک نفس کو قبض کرتے ہیں تو اس کو ملانکہ رحمت کے سپرد کر دیتے ہیں اور جب کسی خبیث روح کو قبض کرتے ہیں تو اس کو ملانکہ

عذاب کے سپرد کر دیتے ہیں۔“

حضرت ربیع بن انسؓ سے روایت ہے کہ ”ملک الموت کے بارے میں ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ تنہا روحیں قبض کرتے ہیں“ تو انہوں نے فرمایا کہ ”ملک الموت کے مددگار اور تابع ہیں اور وہ ان کے قائد ہیں۔“

حضرت جابر بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ”ملک الموت پہلے لوگوں کو بلا کسی مرض کے وفات دیتے تھے تو لوگ ملک الموت کو برا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے تھے۔ چنانچہ ملک الموت نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے امراض کو پیدا کر دیا۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں بیماری کی وجہ سے مرا اور فلاں فلاں بیماری سے۔ ملک الموت کا نام نہیں لیتے۔ (ابن ابی الدینا)

ملک الموت کی پُرہیت شکل:-

حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا کہ ”اے ملک الموت آپ مجھے اپنی وہ صورت دیکھائیں جس میں آپ کفار کی روح کو قبض کرتے ہیں؟“ ملک الموت نے کہا ”یہ دیکھنا آپ کی طاقت سے باہر ہوگا“ لیکن آپ کے اصرار پر انہوں نے فرمایا ”اپنا منہ موڑ لیجئے“۔ اب جو دیکھا تو ایک سیاہ شخص ہے جو منہ میں آگ لیے ہوئے آ رہا ہے اسکے کانوں میں سے بھی آگ نکل رہی ہے یہ حال دیکھ کر آپؑ پر غشی طاری ہو گئی۔ اب جو دیکھا تو آپؑ علیہ السلام اپنی اصلی حالت پر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ ”اگر کافر کو محض تمہاری شکل ہی دیکھنے کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی تو یہ بھی بہت بڑی تکلیف ہے۔ اب ذرا یہ بتائیے کہ مومن کی روح آپ کس طرح نکالتے ہیں۔“ فرشتہ نے کہا کہ ”ذرا منہ پھیرئے“ آپؑ نے منہ پھیر لیا پھر جو دیکھا تو آپؑ علیہ السلام کے سامنے ایک حسین نوجوان تھا جس کا جسم مہک رہا تھا جس کے کپڑے سفید تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ”اگر مومن کو صرف آپؑ کا دیدار ہی موت کے وقت کروایا جائے تو کافی ہے۔“

”قرآن پاک میں سورہ نحل آیت نمبر 32 پارہ 14 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ترجمہ: ”مومن کی روحیں فرشتے خوش طبعی کی حالت میں قبض کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں سلامتی ہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بسبب اس کے تم اچھے عمل کرتے تھے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ”قریب المرگ شخص کے پاس ملائکہ آتے ہیں اگر وہ شخص نیکو کار ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں ”اے پاک جان جو پاک بدن میں تھی اب اس حالت میں باہر آ کہ تجھے مسرت اور رزق کی خوشخبری اور ایسے رب کریم کی ملاقات کی نوید کے ساتھ جو (تجھ سے) ناراض نہیں ہے۔“ (ابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ”جب مومن دنیا سے رخصت ہونے لگتا ہے تو اللہ کے فرشتے جن کے چہرے سورج کی مانند چمکتے ہیں نازل ہوتے ہیں ان کے ہمراہ جنتیں، خوشبویں اور کفن ہوتے ہیں وہ ایسی جگہ بیٹھتے ہیں جہاں سے مردہ ان کو دیکھتا ہے۔ جب اس کی روح پرواز کرتی ہے تو ہر فرشتہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔“ (کتاب الاحوال وایمان)

کافروں کی روح قبض ہونے کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ: (سورہ انعام آیت نمبر 93)

ترجمہ ”اور کاش تم ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا موت کی سختی کے وقت دیکھو جب فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں ہمارے حوالے کرو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور تم اس کی آیتوں پر تکبر کیا کرتے تھے۔“

کافر کو موت کی سختی سزا کے طور پر دی جائے گی۔ (سورہ نحل، آیت نمبر 28)

ترجمہ ”اے کافر جو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے تو فرشتے جب ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو کچھ بھی برائی نہ کرتے تھے اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے تھے۔“

مرنے کے بعد روحوں کا ملنا:-

حضرت صالح مرویؓ سے روایت ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مرنے کے بعد روحوں آپس میں ملاقات کرتی ہیں اور یہ دریافت کرتی ہیں کہ ”تم لطیف جسم

میں ہو یا خبیث میں؟“

حضرت لیث بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ”ایک شخص شام والوں میں سے شہید ہو گیا تو وہ ہر جمعہ کی رات کو خواب میں اپنے باپ کے پاس جاتا اور اس سے گفتگو کرتا لیکن

ایک جمعہ کی رات کو نہ آیا اور پھر دوسرے جمعہ کو آیا۔ باپ نے اس سے نہ آنے کی وجہ معلوم کی اس نے بتایا کہ وجہ یہ ہوئی کہ تمام شہداء کو حکم دیا گیا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے جنازے میں شرکت کریں۔ یہ واقعہ ٹھیک حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی وفات کے وقت پیش آیا۔ حضرت ثابت بنانیؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب اس کے استقبال کے لئے آتے ہیں اور وہ آپس میں مل کر خوش ہوتے ہیں۔“ (ابن ابی الدنیا)

میت کی آنکھیں بند کرنا:-

- 1- اس کی آنکھیں بند کر دینا سنت ہے۔
 - 2- موت کے بعد میت کو کپڑے سے ڈھانپ دینا بھی سنت ہے۔
 - 3- میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔
- میت کو غسل دینے والا نیک، متقی اور ایماندار ہونا چاہئے اور اسے سنت کے مطابق میت کے طریقہ غسل سے آگاہ ہونا چاہئے۔ میت کو غسل دینے کا اجر بے پناہ ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کے مطابق میت کو غسل دینے والا گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہو۔
- میت کو نیم گرم پانی سے غسل دینا بہتر ہے۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں میت کو نیم گرم پانی سے غسل دیتے تھے۔ غسل میت میں پہلے وضو کے اعضاء کو دھونا سنت ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ ہمیشہ طہارت اور پاکیزگی کے کاموں میں ہمیشہ ابتدا دائیں طرف سے فرماتے تھے۔ اور خاص کر غسل میت کو آپ خاتم النبیین ﷺ نے دائیں جانب سے شروع کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ام عطیہؓ روایت کرتی ہیں کہ ”جب ہم نے رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو غسل کے وقت آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا اس کی دائیں جانب اور مقامات وضو سے شروع کرو۔“ (بخاری شریف)
- حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”جو میت کو غسل دے اسے غسل کرنا چاہیئے اور جو میت کو کندھا دے اسے وضو کرنا چاہیئے۔ اور غسل کے لیے جو پانی تیار کیا جائے اسی میں کافور اور بیری کے پتے ملا لینا سنت ہے۔“ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے (سنت موکدہ)
- میت پر غسل کے دوران ایک مرتبہ پانی بہانا فرض ہے اور تین مرتبہ پانی بہانا مستحب ہے (سنت غیر موکدہ)

تین سے زیادہ مرتبہ بھی پانی بہا سکتے ہیں لیکن وہ طاق بار ہونا چاہیئے۔ یعنی پانچ، بار یا سات بار۔ علماء کا کہنا ہے کہ بیری کے پتوں اور کافور کے استعمال کی وجہ سے موزی جانور میت کے پاس نہیں آتے۔ غسل کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ عورت کی میت کو غسل دینے کے بعد میت کے بالوں کو کھول کر کندھوں پر ادھر ادھر دونوں طرف کریں سر کو رومال میں چھپا دیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”اپنے مردوں کی بھلیاں یاد کرو اور ان کی برائی سے رک جاؤ۔“ (ترمذی)

مسائل غسل:-

- 1- عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے
- 2- بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اپنی بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے لیکن اسے غسل نہیں دے سکتا۔ (عام طور پر جو مشہور ہے کہ مرنے کے بعد نہ منہ دیکھ سکتا ہے نہ کندھا دے سکتا ہے نہ قبر میں اتار سکتا ہے یہ سب غلط ہے)۔
- 3- عورت کا انتقال ہوا اور وہاں کوئی عورت نہیں ہے کہ نہلائے تو تیمم کرایا جائے۔ پھر تیمم کروانے والا محرم ہو تو ہاتھ سے تیمم کرائے اور اجنبی ہو یا شوہر ہو تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر میٹھی پر ہاتھ مارے اور تیمم کرائے۔ شوہر کے سوا کوئی اور اجنبی ہو تو کلائیوں کی طرف نظر نہ کرے۔ اور شوہر ہو تو اس کی حاجت نہیں اور اس مسئلہ میں جو ان عورت یا بوڑھی عورت دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے۔
- 4- مرد کا انتقال ہوا اور وہاں کوئی مرد ہے اور نہ اس کی بیوی تو جو عورت وہاں ہے اسے تیمم کرائے۔ پھر اگر عورت محرم ہے یا اس کی باندی ہے تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹنے کی حاجت نہیں اور اجنبی ہو تو کپڑا لپیٹ کر تیمم کروائے (عالمگیری)
- 5- اگر کسی ایسی جگہ انتقال ہوا کہ پانی نہیں ہے تو تیمم کروائیں۔ پھر نماز جنازہ ہو اور اگر نماز جنازہ کے بعد پانی مل گیا اور دفن نہیں کیا تو پہلے غسل پانی سے کرائیں پھر دوبارہ نماز جنازہ پڑھائیں (فتاویٰ عالمگیری)
- 6- اگر خنثی (مُخَنَّث، ہیچرہ) کا انتقال ہو گیا ہے تو اسے غسل نہیں دیا جائے گا بلکہ تیمم کرایا جائے گا۔ تیمم کروانے والا اجنبی ہو تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے اور کلائیوں پر نظر

نہ کرے۔

7- خنثی کسی مرد یا عورت کو غسل نہیں دے سکتا۔ خنثی اگر چھوٹا بچہ ہے تو اسے مرد بھی نہلا سکتے ہیں اور عورتیں بھی غسل دے سکتی ہیں۔

8- مسلمان کو غیر مسلم غسل نہیں دے سکتا۔

9- مردہ اگر پانی میں ملا ہے تو بہ نیت غسل اسے تین بار پانی میں اور حرکت دے دیں۔ سنت کے مطابق غسل ادا ہو جائے گا۔ ایک بار حرکت دی تو واجب ادا ہو گیا۔

10- اگر کسی مسلمان کا آدھے سے زیادہ دھڑ ملا تو غسل و کفن دیں گے اور نماز جنازہ پڑھا کر دفن کریں گے۔ اب اگر نماز جنازہ کے بعد وہ باقی جسم بھی مل گیا تو اس پر دوبارہ غسل اور نماز جنازہ ہوگا۔

11- اگر میت کا سر نہیں ملا ہے مگر لمبائی میں سر سے پیر تک دایاں یا بایاں ایک حصہ ملا تو ان دونوں صورتوں میں نہ غسل ہے نہ کفن بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں گے (فتاویٰ عالمگیری)

12- میت کی داڑھی یا سر کے بالوں میں کنگھا کرنا، یا ناخن تراشنا، یا کسی جگہ کے بال مونڈھنا یا کسی جگہ کے بال کترنا یا اکھاڑنا ناجائز اور مکرمہ تحریمی (حرام) ہیں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ جس حالت پر ہے اسی حالت میں دفن کر دیں۔ اگر ناخن یا بال تراش لیے ہیں تو انہیں کفن میں رکھ دیں (در مختار، عالمگیری، ادا المختار)

13- میت بوسیدہ ہے تو نہلانے کی ضرورت نہیں صرف پانی بہا دیں۔

14- نہلانے کے بعد ناک، منہ اور کان وغیرہ میں ضرورت ہو تو روئی رکھیں کوئی حرج نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ نہ رکھیں۔ (فتاویٰ عالمگیری)

15- اگر بچہ مرا ہوا پیدا ہوا اس پر غسل نہیں۔ پیدا ہونے کے بعد مرا ہے تو اسے غسل دیا جائے گا۔

16- اگر کسی غلطی کے بنا پر کسی میت کو غسل دیئے بغیر قبر میں اتار دیا لیکن ابھی تک مٹی نہیں ڈالی تو اسے نکال کر غسل دیا جائے گا ہاں اگر مٹی ڈال دی ہے تو پھر معاملہ سپرد خدا کر دیا جائے اور میت کو قبر سے نہ نکالا جائے۔

17- اگر میت کا کوئی حصہ خشک رہ جائے اور کفن دینے کے بعد یاد آئے تو کفن کھول کر اس حصہ پر پانی بہا دینا چاہیئے۔ اگر کوئی معمولی سا حصہ خشک رہ گیا ہے تو اس صورت میں کفن اتارنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کسی گیلہ کپڑے سے اس حصہ کو تر کر دینا کافی ہوگا۔

مسنون کفن:-

1- سفید کپڑے میں کفن دینا سنت ہے۔

2- اچھا کفن دینا سنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ مردوں کو اچھا کفن دو کہ وہ باہم ملاقات کرتے ہیں اور اچھے کفن سے خوش ہوتے ہیں۔ اچھے کفن سے مراد، کفن کا پورا ہونا، پاکیزہ ہونا، سفید ہونا چاہیے چاہے دھلا ہو یا صاف سفید کپڑا ہو۔ اس سے مراد قیمتی اور اعلیٰ کپڑا نہیں ہے (ایسا کفن سخت حرام ہے)

3- میت کا کفن اس کے خالص ذاتی مال سے ہونا چاہیئے۔ جس کے ساتھ کسی دوسرے کا حق وابستہ نہ ہو۔ اگر خالص مال نہیں تو اس کا کفن اس کے ذمہ ہوگا جس کے ذمہ زندگی میں اس کا نان نفقہ تھا۔ اگر اس کے پاس بھی نہیں تو عام مسلمانوں کو کفن دینا فرض ہے۔ اگر نہ دیا تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر ان کے پاس بھی نہیں تو ایک کپڑے کا کسی سے بھی سوال کر لیں۔

4- کفن میں ضرورت سے زیادہ کپڑا نہ استعمال کیا جائے۔

5- خنثی اگر عورت کی طرح ہے تو اسے عورت کی طرح پانچ کپڑے دیئے جائیں گے اور اگر مرد کی طرح ہے تو اسے مرد کی طرح تین کپڑے دیئے جائیں گے۔

شمولیت جنازہ:-

جنازہ میں شامل ہونا فرض کفایہ ہے۔

حدیث (ترجمہ): حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”جو شخص نمازہ جنازہ تک جنازے کے ہمراہ رہا اسے ایک قیراط کے برابر ثواب ملے گا۔ اور جو شخص دفن ہونے تک جنازہ کے ہمراہ رہا اسے دو قیراط برابر ثواب ملے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول خاتم النبیین ﷺ قیراط کیا ہے؟ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا دو قیراط دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہیں۔“ (نسائی)

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا، ”جنازہ لے جانے میں جلدی کرو اگر وہ اچھا ہے تو بہتر چیز تم آگے بھیج رہے

ہو اور اگر وہ برا ہے تو ایک برابر جو تم اپنی گردن سے اتار رہے ہو۔" (بخاری)

3- جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا سنت ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ترجمہ حدیث: "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے وہ جنازہ رکھے جانے سے پہلے نہ بیٹھے۔ جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونا احترام انسانیت کی بنا پر ہے اس لیے اسلامی آداب میں سے ہے۔"

4- جنازے کو کندھا دینا سنت ہے۔ حدیث: حضرت ابوہندمؓ سے روایت ہے کہ میں دس سال حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں رہا میں نے ان سے سنا فرماتے تھے کہ: رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جو جنازے کے پیچھے چلا اور اسے تین مرتبہ اٹھایا اس نے جنازے کا وہ حق ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا" (ترمذی)

5- جنازے کے ساتھ پیدل چلنا افضل ہے۔ جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیے۔ جنازے کے آگے چلے تو اتنا دور رہے کہ ساتھیوں میں شمار نہ کیا جائے۔

حدیث: "حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "جنازہ متبوع ہے تابع نہیں جو آگے چلے وہ جنازے کے ساتھ نہیں"۔ (ابن ماجہ)

جنازہ متبوع ہے یعنی جنازے کے اتباع کی جائے اس کے پیچھے چلا جائے۔

6- عورتوں کا جنازہ میں جانا شرعاً سختی سے منع ہے۔

نماز جنازہ:-

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، جنازے میں شرکت کرنا سنت ہے۔

نماز جنازہ میں دو چیزیں فرض ہیں

1- چار مرتبہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا)

2- قیام کرنا (کسی شرعی عذر کے بغیر بیٹھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں)

ان فرائض کے علاوہ جنازہ میں تین امور سنت ہیں۔

1- ثناء پڑھنا (اللہ کی حمد کرنا)

2- نبی کریم خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجنا

3- میت کے لئے دعا کرنا۔

4- نماز جنازہ کی تکبیر چار ہیں اگر امام چار سے زیادہ تکبیر کہیں تو خاموش رہیں اور امام کے سلام کا انتظار کریں۔

5- اہل سنت والجماعت کے نزدیک پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہیں

6- ایسی میت جس کو نماز جنازہ پڑھائے بغیر دفن کر دیا گیا ہے بعد میں معلوم ہوا اگر میت کو تازہ ہی دفن کیا گیا ہے تو میت نکال کر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر

میت کو دفن کے کچھ ٹائم گزر گیا ہے اور اس کے پھٹنے کا گمان نہیں تو اسے قبر سے نکال کر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

دفن میت:-

آبادی کے ساتھ ایک طرف مردوں کو دفن کرنے کے لئے ایک جگہ مخصوص کر دی جاتی ہے جسے قبرستان کہتے ہیں۔ قبرستان میں مردے کو دفن کرنے کے لئے جو جگہ کھودی جاتی ہے اسے قبر کہتے ہیں۔ کھودنے کے اعتبار سے قبر دو طرح کی ہوتی ہے۔

1- لحد 2- صندوق

1- لحد سے مراد وہ قبر ہے جس میں میت کے رکھنے کے لئے قبلہ کی جانب سے مزید جگہ تہہ خانہ کی صورت میں کھودی جاتی ہے اس میں میت کو رکھ کر اینٹوں یا پتھروں سے بند کر دیا جاتا ہے اس طرح کی قبر بنانا عین سنت ہے اور ایسے قبر کو بغلی قبر بھی کہتے ہیں۔

2- صندوقی قبر سے مراد سیدھی قبر ہے۔ یعنی زمین کو چاروں طرف سے سیدھا کھودا جاتا ہے۔ ایسی قبر میں میت رکھنے کی جگہ درمیان میں ہوتی ہے۔ ایسی قبر بنانا جائز ہے۔ لیکن بغلی قبر یعنی لحد بنانا افضل ہے کیونکہ یہ سنت ہے اور مردے کو دفن کرنے کا بے حد ثواب ہے۔ قبر کو کشادہ رکھنا سنت ہے۔ قبر کو گہرا کھودنا سنت ہے۔ مردے کی

تعزیت:-

تعزیت کا مطلب اظہار ہمدردی ہے۔ جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو اس کی تعزیت کے لئے جانا اظہار ہمدردی کرنا ہے اور ایسا کرنا سنت ہے۔ تعزیت میں یہ کہے یہی اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت کرے اور اس کو اپنی رحمت سے ڈھانپے اور تمہیں صبر کی توفیق دے۔

موت کے وقت خود بخود آنسو نکل آتے ہیں یہ جائز ہے اسلام میں بلند آواز سے رونا پیٹنا جائز نہیں۔ خود بخود آنسو آ جانا فطری تقاضہ ہے۔ یہ دل کا غبار اگر آنکھوں سے باہر نہ آئے تو ایک قسم کا مرض پیدا ہو جاتا ہے جسے کہتے ہیں۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”وہ شخص ہماری امت میں سے نہیں ہے جو اپنے گال پیٹے۔ گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی باتیں کرے۔“ (بخاری)

حدیث: حضرت مکحولؓ اور قاسم حضرت ابی امامہؓ سے روایت کرتے ہیں ”حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے چہرہ نوچنے والی، گریبان پھاڑنے والی اور تباہی اور ہلاکت کا شور مچانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔“ (ابن ماجہ)

حدیث: حضرت اسید بن ابی اسیدؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے بیعت ہونے والی صحابیات میں سے ایک نے فرمایا کہ ”رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے جن باتوں پر ہم سے عہد لیا ان میں سے یہ بھی ہیں کہ (کسی کی موت پر) ہم اپنے چہرے نہ نوچیں، بین کر کے نہ روئیں، گریبان نہ پھاڑیں اور اپنے بالوں کو نہ بکھیریں۔“ آپؐ نے فرمایا ”ہاں۔“

موت کی خبر انتہائی صدمہ پہنچانے والی ہوتی ہے جب کسی کو کسی کی موت کی اطلاع ملے یا کسی کی موت کی خبر سنے تو فوراً اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھنا چاہیئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ”ہمارا وجود ہمارا مال، ہماری اولاد یعنی ہمارا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

حدیث: حضرت حسن بن علیؓ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں ”کوئی مسلمان مرد یا مسلمان خاتون ایسی نہیں جن پر کوئی مصیبت آئے اور وہ مصیبت کو یاد کر کے خواہ اس کو کتنا ہی طویل عرصہ گزر چکا ہو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح ثواب سے نوازتا ہے جتنا کہ مصیبت کے وقت اس کے پڑھنے سے اجر ملتا ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موت کے علاوہ بھی کسی قسم کی چھوٹی بڑی مصیبت پر یہ پڑھنا چاہیئے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اس کو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بھی مصیبتوں میں سے ہے۔“ (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر 1760)

جب کسی کے گھر کوئی فوت ہو جائے تو اس کے گھر کھانا بھیجنا چاہیئے۔ یہ ایک دن کا کھانا بھیجنا سنت ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب میرے والد جناب جعفرؓ کی لاش آئی تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ”آل جعفرؓ کے لئے کھانا تیار کرو۔ کیونکہ ان کو وہ حادثہ پیش آیا ہے جو کھانے پکانے سے روک دیتا ہے۔“ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

موت کی حقیقت (موت سے صورتک)

موت کی حقیقت کے بارے میں لوگ مختلف قسم کے گمان رکھتے ہیں جو کہ غلط ہیں۔ مثلاً

- (1) بعض گمان کرتے ہیں کہ موت ختم ہو جانا ہے، نہ حشر ہوگا نہ نشر، نہ خیر و شر کا کچھ انجام ہوگا۔ انسان کی موت ایسی ہے جیسے اور حیوانات کی یا سگھی ہوئی گھاس کی۔ یہ رائے ملحدین اور اُن کی ہے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔
- (2) بعض گمان کرتے ہیں کہ موت سے آدمی نیست ہو جاتا ہے اور قبر سے لے کر حشر تک نہ کسی عذاب سے درد پاتا ہے اور نہ ثواب سے راحت پاتا ہے۔
- (3) اور بعض گمان کرتے ہیں کہ روح جاتی رہتی ہے، موت سے نیست نہیں ہوتی اور ثواب اور عذاب دونوں روحوں کو ہوتا ہے، جسموں کو نہیں ہوتا اور جسم نہ اُٹھائے جائیں گے اور نہ پھر سے زندہ ہوں گے۔

یہ سب اقوال، گمان خراب ہیں اور حق سے پھرے ہوئے ہیں اور جو بات اعتبار کے لائق اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ یہ وہ ہے کہ موت صرف حال کے بدلنے کا نام ہے اور روح کا جسم میں دوبارہ آنا نہ قبر میں کچھ دُشوار نہ حشر میں۔ گویا موت سارے اعضاء کا اپانچ ہو جانا ہے۔ ہم نے کہا کہ "موت حال کے بدلنے کا نام ہے" حال کا بدلنا دو طرح سے ہے۔

- (1) اوّل یہ کہ مردے سے اس کے آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں، جملہ اعضاء چھن گئے۔ اہل واقارب، زن، زر، تمام اشیاء، گھر بار، سواری، غلام، جائیداد چھن گئی۔ پس اگر دنیا میں اُس کی کوئی ایسی چیز ہوگی کہ اُس کا دل اُس سے اُنس و راحت پاتا تھا، تو اس جدائی پر اس کو انتہائی تکلیف ہوگی، اُس کا دل ہر چیز کی طرف التفات کرے گا، مال کی طرف جدا، جاہ کی طرف جدا، یہاں تک کہ اگر دنیا میں وہ کوئی گُرتا پہن کر خوش ہوا کرتا تھا، تو اُس کے چھوٹنے کا بھی رنج ہو گا۔ دوسری طرف ایک اور شخص ہے کہ بجز خدائے بزرگ و برتر کے ذکر کے کسی اور چیز سے خوش نہ ہوتا تھا۔ اور نہ کسی سے اُلفت رکھتا تھا، تو اُسے مرنے سے بڑی آسائش ملے گی۔

- (2) دوسری وجہ حال کے بدلنے کی یہ ہے کہ موت کے باعث انسانوں کی وہ باتیں کھل جاتی ہیں جو زندگی میں نہیں کھلتیں۔ سب سے پہلے آدمی کے سامنے جو حال کھلے گا وہ اُس کی نیکیوں کا نفع یا بُرائیوں کا نقصان ہوگا۔ اس لیے بدکار، فاسق و فاجر کے لیے حیرت کا مقام ہوگا اور جو شخص دنیا سے زورِ راہ لے کر جاتا ہے، اُسے وہاں خوشی ہوتی ہے کہ منزل مقصود کو پہنچ گیا۔ بُرائیوں کا عذاب اور رنج، انسان کے لیے بہت بڑے عذاب ہیں، کہ سب سے پہلے نزاع کے وقت پھر دُفن کے وقت اور کچھ عذابوں کے لیے روح جسم میں دوبارہ لائی جاتی ہے اور کبھی معاف کر دیا جاتا ہے، اللہ کی مرضی اس لیے کہ جو شخص دنیا میں مگن، اس کے عیش و آرام میں مطمئن اور آخرت کو بھولا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا حال ایسا سمجھیں جیسا کوئی شخص بادشاہ کے محل اور سلطنت اور پایہ تخت میں خوب مزے اُڑائے اور اعتماد کرتا ہو کہ بادشاہ میرے معاملے میں سہولت برتے گا یا بادشاہ کو ان باتوں کا کیا معلوم ہوگا؟۔

اور پھر بادشاہ، اس کو اچانک پکڑے اور بادشاہ بھی وہ جو زبردست اور اپنے محل یا سلطنت میں ناشائستہ افعال کرنے والوں سے اُن کے عوض لینے والا ہو اور کسی کی سفارش نافرمانوں کے بارے میں نہ نہتا ہو، اس صورت میں اُس کو گرفتاری کا حال سوچنا چاہیے۔ کہ اُس وقت اُس کو کس قدر حیا، شرم اور ندامت و حسرت ہوگی، یہی حال بدکار میت کا ہے، اب دیکھیے کہ اس طرح میت کی دو قسمیں ہیں۔

1- یا سعید ہوتا ہے (نیک بخت)

2- یا شقی (بد بخت)

احادیثِ نبوی خاتم النبیین ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات:-

- (1) نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے" (جامع ترمذی، جلد دوم، حدیث نمبر 2460) یہ حدیث صریح نص ہے اس بات میں کہ "موت کے معنی صرف حال کو بدلنے کے ہیں"۔ اور یہ کہ میت کے واسطے جو کچھ سعادت یا شقاوت ہوتی ہوگی

ہے۔ وہ بلا تاخیر مرتے ہی ہو جایا کرتی ہے۔ صرف بعض اقسام کے عذاب اور ثواب البتہ بعد میں ہوتے ہیں، مگر ان کی اصل اُسی وقت ہو جاتی ہے۔

(2) حضرت انسؓ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ سے روایت کرتے ہیں "موت قیامت ہے، پس جو مر اُس کی قیامت اُسی وقت قائم ہوگی"۔ (الاحیاء، ص 421 ج 4)

(3) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ "مومن کی مثال اُس کی روح کے نکلنے وقت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے کوئی شخص قید خانے سے چھوڑ دیا جائے، لیکن یہ اُس شخص کا حال ہے جو دنیا سے کنارہ کش رہتا تھا اور سوائے ذکر اللہ تعالیٰ کے اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ تھی، تو ایسے شخص کو موت سے دنیا کے تمام موزیوں سے چھٹی ہو جاتی ہے اور محبوبِ حقیقی سے تخلیہ نصیب ہو جاتا ہے، مومن کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت سے گھبراتا ہے لیکن جب اپنے پروردگار کے پاس جاتا ہے تو پھر دنیا میں آنا پسند نہیں کرتا"۔

(4) حضرت عمرو بن دینارؓ فرماتے تھے "جب انسان مرتا ہے اور جو کچھ اس کے گھر میں اس کے بعد ہوتا ہے وہ سب جانتا ہے، یہاں تک کہ لوگ مردے کو غسل اور کفن دیتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتا ہے"۔

(5) حضرت صالح مصریؒ فرماتے ہیں "میں نے سنا ہے کہ روحيں موت کے وقت ملا کرتی ہیں اور آنے والے مردہ سے سوال کرتی ہیں کہ تیرا ٹھکانہ کہاں ہوا؟ تو پاک جسم میں رہا یا ناپاک جسم میں رہا"۔

(9) حضرت عبید بن عمیرؓ کہتے ہیں "اہل قبور خبر کے منتظر رہتے ہیں، جب کوئی مردہ اُن کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں؟ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ وہ کہتا ہے "دنیا سے تو وہ آگیا، کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟" وہ کہتے ہیں کہ نہیں، پھر کہتے ہیں کہ "إِنَّ اللَّهَ وَانَا إِلَهُهِدَارِ جَعُونَ" اُس کو کسی اور راستے سے لے گئے، ہمارے پاس تو نہیں لائے، ہائے اُس کے اعمال اُس کو دوزخ میں لے گئے"۔

قبر کے احوال:-

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ "اے خانہ خراب آدمی تجھ کو کس چیز نے مجھ سے مغالطے میں رکھا؟ کہ تُو نے یہ نہ جانا کہ میں تنہائی کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں اور میں کیڑوں کا گھر ہوں"۔ (ترمذی)

پس اگر یہ نیک بخت ہو تو اس کی طرف سے کوئی جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ "تُو دیکھتی نہیں کہ یہ شخص اچھی بات کا حکم کیا کرتا تھا اور بُری بات سے منع کیا کرتا تھا"، قبر کہتی ہے "تُو اب میں اس پر سبز ہوئی جاتی ہوں (یعنی جنت کا باغ) اور اُس کا جسم نور بن جائے گا اور روح خدا تعالیٰ کے پاس چلی جائے گی" پھر قبر کہتی ہے کہ "جو مجھ میں مطیع ہو کر آئے گا وہ خوش ہو کر نکلے گا اور جو عاصی ہو کر آئے گا وہ تباہ ہو کر نکلے گا"۔

جب قبر میں مُردے کو عذاب ہوتا ہے تو اُس کے پڑوسی مُردے اُس سے کہتے ہیں "اے آنے والے کیا تُو نے ہمارے آنے کے بعد عبرت نہ پکڑی، تجھ کو تو مہلت تھی، تُو نے تدارک اُس چیز کا کیوں نہ کر لیا جو تیرے اقارب سے رہ گئی تھی؟ آج تیرا کوئی نہیں"۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں "جب نیک بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُس کے اعمال نیک، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ اُس کو گھیر لیتے ہیں۔ پھر جب عذاب کے فرشتے اُس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے کہ اس سے الگ رہو، یہ شخص اللہ کے واسطے ان پاؤں پر کھڑا رہا کرتا تھا۔ پھر فرشتے سر کی طرف سے آتے ہیں تو روزہ کہتا ہے اِدھر تم کو راہ نہیں ملے گی، دنیا میں یہ شخص اللہ کی رضا کے لیے پیاسا رہا کرتا تھا۔ جب فرشتے بدن کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں کہ یہاں سے الگ رہو، اِس نے اِس بدن سے حج کے لیے بہت محنت اور مشقت اُٹھائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، تم کو یہاں جگہ نہ ملے گی، فرشتے ہاتھوں کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے، ان ہاتھوں سے اِس شخص نے بہت صدقہ کیا ہے اور ایسا صدقہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے دیا کرتا تھا۔ تب فرشتے اسے کہتے ہیں، مبارک باد تم کو "تُو پاک ہی زندہ رہا اور پاک ہی مرا"۔ پھر اس کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور جنت کا بستر بچھاتے ہیں، بہشتی پوشاک لاتے ہیں، قبر کو تاحد نظر کشادہ کرتے ہیں اور جنت میں سے ایک قندیل آ جاتا ہے اور وہ اِس روشن قبر میں روزِ محشر تک رہے گا۔

(3) عذابِ قبر اور مکرر نکیر کا سوال:-

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "ہم رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے، جب قبر پر پہنچے تو دیکھا کہ ابھی تک قبر تیار نہیں ہوئی تھی، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ بیٹھ گئے، ہم بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے، ایسے لگتا تھا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ میں لکڑی تھی، اس کے ساتھ آپ خاتم النبیین ﷺ زمین کو کریدنے لگ گئے، آپ خاتم النبیین ﷺ نے سر اٹھایا اور دو تین بار

فرمایا: "عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو"۔ اس کے بعد آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "مومن آدمی جب اس دنیا کے آخری اور آخرت کے پہلے مراحل میں ہوتا ہے تو آسمان سے سورج کی طرح کے انتہائی سفید چہروں والے فرشتے اس کے پاس آتے ہیں، ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو ہوتی ہے، وہ آکر اس آدمی کی آنکھوں کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں، اتنے میں موت کا فرشتہ آکر اس کے سر کے قریب بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: "اے پاکیزہ روح! اللہ کی بخشش اور رضامندی کی طرف نکل"۔ اس کی روح آرام سے بہتی ہوئی یوں نکل آتی ہے، جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے۔ جنت کے فرشتے اس روح کو موت کے فرشتے کے ہاتھوں میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں رہنے دیتے، بلکہ وہ فوراً اسے وصول کر کے جنت والے کفن اور خوشبو میں لپیٹ دیتے ہیں، اس سے روئے زمین پر کستوری کی عمدہ ترین خوشبو جیسی مہک آتی ہے، فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں اور وہ فرشتوں کی جس جماعت اور گروہ کے پاس سے گزرتے ہیں، وہ پوچھتے ہیں "یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟" اسے دنیا میں جن بہترین ناموں سے پکارا جاتا تھا، وہ فرشتے ان میں سے سب سے عمدہ نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، یہاں تک کہ وہ اسے پہلے آسمان تک لے جاتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھولتے ہیں، ان کے کہنے پر دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس روح کو اوپر والے آسمان تک چھوڑ کر آتے ہیں، اس طرح اسے ساتویں آسمان تک لے جایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میرے بندے کے (نامہ اعمال والی) کتاب علیٰ نبین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف واپس لے جاؤ، کیونکہ میں نے اس کو اسی سے پیدا کیا ہے، اس لیے میں اس کو اسی میں لوٹاؤں گا اور پھر اس کو دوسری مرتبہ اسی سے نکالوں گا"۔ پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں "تیرا رب کون ہے؟" وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ ہے"۔ وہ کہتے ہیں "تیرا دین کیا ہے؟" وہ کہتا ہے "میرا دین اسلام ہے"۔ وہ کہتے ہیں "یہ جو آدمی تمہارے اندر مبعوث کیا گیا تھا، وہ کون ہے؟" وہ جواب دیتا ہے: "وہ اللہ کے رسول خاتم النبیین ﷺ ہیں"۔ وہ کہتے ہیں "یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟" وہ کہتا ہے "میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور میں نے اس کی تصدیق کی"، اس کے بعد آسمان سے اعلان کرنے والا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے "میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دو، اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دو"۔ پس اس کی طرف جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آنے لگتی ہیں اور تاحہ نظر اس کے لیے قبر کو فراخ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس ایک انتہائی حسین و جمیل، خوش پوش اور عمدہ خوشبو والا ایک آدمی آتا ہے اور کہتا ہے "تمہیں ہر اس چیز کی بشارت ہو جو تمہیں اچھی لگے، یہی وہ دن ہے جس کا تیرے ساتھ وعدہ تھا"۔ وہ قبر والا پوچھتا ہے "تو کون ہے؟" تیرا چہرہ تو ایسا چہرہ لگتا ہے، جو خیر کے ساتھ آتا ہے۔ وہ جواباً کہتا ہے "میں تیرا نیک عمل ہوں"۔ وہ کہتا ہے "اے میرے رب! قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ سکوں"۔

آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "کافر آدمی جب اس دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کی طرف جا رہا ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے آتے ہیں، ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں، وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں، اتنے میں موت کا فرشتہ آکر اس کے سر کے قریب بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے "اے خبیث روح! اللہ کے غصے اور ناراضگی کی طرف نکل آ"، وہ اس کے جسم میں بکھر جاتی ہے۔ پھر فرشتہ اسے یوں کھینچتا ہے جیسے کانٹے دار سلاخ کو تراون میں سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ جب فرشتہ اسے نکال لیتا ہے تو دوسرے فرشتے اس روح کو اس کے ہاتھ میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں رہنے دیتے، بلکہ وہ اسے فوراً ٹاٹوں میں لپیٹ لیتے ہیں، روئے زمین پر پائے جانے والی سب سے گندی بدبو اس سے آتی ہے، فرشتے اسے لے کر اوپر کو جاتے ہیں۔ وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں "یہ خبیث روح کس کی ہے؟" اس آدمی کو دنیا میں جن برے ناموں سے پکارا جاتا تھا، وہ ان میں سے سب سے برا اور گندنا نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، یہاں تک کہ فرشتے اسے پہلے آسمان تک لے جاتے ہیں اور دروازہ کھولانے کا کہتے ہیں، لیکن اس کے لیے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَا تَفْتَحْ لَهُم أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ

ترجمہ: "اوپر جانے کی خاطر ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں اس وقت تک نہ جاسکیں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے نکے سے نہ گزر جائے"۔ (سورہ الاعراف، آیت نمبر 40)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اس کے (نامہ اعمال) کی کتاب زمین کی زیریں تک پہنچیں میں لکھ دو۔ پھر اس کی روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ خاتم النبیین ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (سورہ حج، آیت نمبر 31)

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتُخَطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ

ترجمہ: "اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے، وہ گویا آسمان سے گر پڑا اور اسے پرندوں نے اچک لیا یا ہوا اسے اڑا کر دور دراز لے گئی۔"

اس کے بعد اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے اور دفرشتے اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں "تیرا رب کون ہے؟" وہ کہتا ہے "ہائے ہائے! میں تو نہیں جانتا۔" وہ پوچھتے ہیں "یہ جو آدمی تمہارے اندر مبعوث کیا گیا تھا، وہ کون ہے؟" وہ کہتا ہے "ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔" آسمان سے اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے "یہ جھوٹا ہے، اس کے لیے جہنم کا بستر بچھا دو اور اس کے لیے جہنم کی طرف دروازہ کھول دو"، پس وہاں سے اس کی طرف جہنم کی حرارت اور بدبو آنے لگتی ہے۔ اس کی قبر اس پر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ ایک انتہائی بد شکل، بد صورت، گندے لباس والا بدبودار آدمی اس کے پاس آ کر کہتا ہے "تجھے ہر اس چیز کی بشارت ہو جو تجھے بری لگتی ہے، یہ وہی دن ہے کہ جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔" وہ پوچھتا ہے "تو کون ہے؟" تیرا چہرہ تو ایسا چہرہ ہے جو شر کے ساتھ آتا ہے۔" وہ کہتا ہے "میں تیرا رب ہوں۔" وہ قبر والا کہتا ہے "اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔" (مسند احمد، حدیث نمبر 3028)

اس لیے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔" (جامع ترمذی، حدیث نمبر 2460)

قبر میں بستر بھی اعمال کے مطابق لگایا جاتا ہے، کسی کا ریشم و حریر کا، کسی کا آگ یا کانٹوں کا۔ قبر اعمال کے مطابق کھلتی ہے، کسی کی بالشت بھر، کسی کی ہاتھ بھر، کسی کی فرلانگ بھر اور کسی کی تاحہ نظر۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "قبر میں کافر پر نانوے اڑدھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں، جو قیامت کے قائم ہونے تک اسے ڈستے رہتے ہیں، (وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ) اگر ان میں سے ایک اڑدھا زمین پر پھونک مار دے تو وہ سبزہ نہ اگا سکے۔" (مسند احمد، جلد 3، حدیث نمبر 3312 - مشکوٰۃ المصابیح، جلد 1، حدیث نمبر 134)

اس خاص شمار سے جو حدیث میں مذکور ہیں تعجب نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ ان سانپوں اور بچھوؤں کو موافق شاربِ رے اخلاق یعنی تکبر، عجب، خود بینی، جلن، حسد، کینہ، ریا، بغض وغیرہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ یہ صفات چند گنتی کی ہیں اور یہ صفات سب کی سب اپنی ذات سے مہلک ہیں، اور یہی خود بچھو اور سانپ بن جائیں گے۔ تو جو صفت اس بندے میں ان میں سے زیادہ ہوگی وہ اڑدھے کی شکل اختیار کرے گی، اُس کے بعد اُس کی بد صفات کے مطابق بچھو، کیڑے، مکوڑے وغیرہ اور اہل دل اور اہل بصیرت ان مہلکات کو اور ان کے منقسم ہونے کو (فروعات میں) نور بصیرت سے دیکھتے ہیں۔ مگر یہ کہ ان کے شمار پر (یعنی ان کی گنتی پر) بجز نور نبوت اور کسی چیز سے اطلاع نہیں ہوتی۔ غرض ان جیسی احادیث کے ظاہر صحیح ہیں اور ان میں پوشیدہ اسرار ہیں جو صرف اور صرف ارباب بصیرت کے نزدیک ظاہر ہیں۔ پس جس شخص پر ان کی حقیقت منکشف نہ ہو اُس کو ان احادیث کے ظاہر معنوں کا انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ کمتر درجہ ایمان کا یقین کرنا اور مان لینا ہے۔ غرض صفات مہلکہ نفس کے اندر موت کے وقت تکلیف دینے والے بن جاتے ہیں ان کی تکلیف سانپ اور بچھو کی سی تکلیف کی طرح ہو جاتی ہے۔

جو شخص دنیا سے محبت نہ رکھتا ہو اور خُدا تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اُنس نہ رکھتا ہو اور دیدارِ الہی کا شائق ہو تو وہ موت کے وقت دنیا کی قید سے چھٹ جائے گا۔ اپنے محبوب کے پاس آئے گا اور اب ابدالِ باد تک زوال کے کھٹکے سے بے خوف ہو کر چین اڑائے گا، تو اب اگر کسی کو عمل کرنا ہے تو ایسے ہی مزے کے لیے کرے۔ یعنی ہمیں چاہیے کہ ہم محنت صرف عذاب کے دُور کرنے کی تدابیر میں کریں۔ خواہ عذاب کسی قسم کا بھی ہو، بلکہ یا زیادہ۔ اس کے لیے عمل اور عبادت کی طرف توجہ کرنی پڑے گی اور یہاں بے حد مجاہدہ کام بنائے گا۔ عمل و عبادت جتنی زیادہ ہوں گی ایمان اتنا ہی قوی ہوتا جائے گا۔ ایمان جتنا قوی ہوگا معرفت اتنی راست ہوگی اور جو شخص معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچان لیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچان لیتا ہے وہ اپنی نفی کر دیتا ہے اور جو اپنی نفی کر دیتا ہے وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔

پس اگر ہم عمل اور عبادت کو چھوڑ کر عذاب کی کیفیت کے جاننے میں مشغول ہو جائیں گے تو ہماری مثال ایسی ہوگی جیسے کسی شخص کو بادشاہ پکڑ کر ہاتھ اور ناک کاٹنے کے لیے قید کر دے اور وہ رات بھر سوچتا رہے کہ بادشاہ میرے ہاتھ اور ناک چھری سے کاٹے گا، تلوار سے یا پھر اُسترے سے اور یہ نہ سوچے کہ اس عذاب سے بچنے کا حیلہ کیا ہے؟ تو یہ نہایت جہالت ہوگی۔ پس جب یقیناً معلوم ہو چکا کہ بندے پر مرنے کے بعد یا تو سخت عذاب ہوگا یا آسائش جادوانی میسر آئے گی۔ تو بندے کو چاہیے کہ اس کی تدابیر کرے کہ عذاب سے کیسے بچا جائے؟ تا کہ آسائش میسر آئے۔ عذاب و ثواب کی کیفیت میں گفتگو کرنا محض فضول اور تصبیح اوقات ہے۔

ابراہیم زیتون فروش نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ میت پر رو رہے تھے، فرمایا کہ اگر تم اپنے احوال پر تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ شخص تو تین خوفوں سے بچ گیا

- 1- ملک الموت کی صورت دیکھ لی۔
- 2- موت کی تلخی اُس نے چھ لی۔
- 3- خاتمے کے خوف سے بے خوف ہو گیا۔

اور تمہارے لیے یہ سب باتیں باقی ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام ہانی کہتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی تر ہو جاتی، کسی نے ان سے کہا "آپ جنت اور دوزخ کا ذکر بھی کرتے ہیں، لیکن اس وقت تو اتنا نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر اس قدر روتے ہیں؟" انھوں نے کہا کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے "قبر آخرت کی منازل میں سب سے پہلی منزل ہے، اگر کوئی آدمی اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو بعد والے مراحل اس سے زیادہ آسان ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی شخص اس سے ہی نجات نہ پاسکا تو بعد والے مراحل اس سے مشکل ہوں گے۔" اور رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں نے جب بھی (اللہ کے عذاب کے) مناظر دیکھے تو قبر کا منظر سب سے ہولناک پایا۔" (مسند احمد، حدیث نمبر 3297)

حضرت علیؑ سے کسی نے پوچھا کہ آپؑ قبرستان میں کیوں بیٹھتے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ "یہ عمدہ ہمسائے ہیں کہ زبان کو روکے ہوئے ہیں اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔" حضرت مجاہدؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اَوَّلُ جَوْزِ آدَمی سے گفتگو کرتی ہے وہ قبر کا گڑھا ہے جو مُردے سے کہتا ہے کہ میں کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں، میں تاریکی کی جگہ ہوں، یہ چیزیں تو میں نے تیرے لیے تیار کی ہیں، تُو نے میرے لیے کیا سامان تیار کیا ہے؟" حضرت ابودرداءؓ قبروں پر بہت دیر بیٹھا کرتے، لوگوں نے وجہ معلوم کی تو بتایا کہ "میں ایسے لوگوں میں بیٹھتا ہوں جو مجھ کو میری آخرت یاد دلاتے ہیں اور جب میں ان کو چھوڑ کر آتا ہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔"

حضرت ربیع بن خثیمؓ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی، جب اپنے دل میں سختی پاتے تو اس کے اندر گھس کر لیٹے رہتے اور بڑی دیر تک پڑے رہتے، پھر فرماتے۔ "اے رب! مجھ کو پھر دنیا میں بھیج کہ شاید میں کوئی بھلا کام کروں، اس میں جو میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں" اس بات کو کوئی بارہراتے پھر اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتے ربیع اب تو تُو واپس بھیج دیا گیا ہے، اب عمل کر۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک لونڈی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا "اے امیر المومنین میں نے اس وقت (تہجد کے وقت) ایک عجیب معاملہ دیکھا ہے۔ آپؑ نے اُس سے پوچھا "کیا معاملہ؟" اُس نے کہا کہ "میں نے دیکھا کہ دوزخ دوزخیوں کے واسطے دھڑا دھڑا جل رہی ہے۔ پھر پل صراط کو اُس کی پشت پر رکھ دیا گیا۔" آپؑ نے فرمایا "پھر کیا ہوا؟" اُس نے کہا "پھر عبدالملک بن مروان کو لائے اور اُس پل پر اُن کو چڑھایا گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دور وہ چلا تھا کہ پل الٹ گیا۔ وہ دوزخ میں گر گیا۔" آپؑ نے فرمایا "پھر؟" اُس نے کہا "پھر عبدالملک کے بیٹے ولید کو لائے اور اُن کو پل پر سوار کر دیا گیا۔ وہ بھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ پل نے کروٹ لی اور وہ دوزخ میں جا پڑے۔" آپؑ نے فرمایا "پھر؟" اُس نے کہا کہ "پھر سلیمان بن عبدالملک کو لائے اور پل صراط پر چڑھا دیا۔ وہ بھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ پل تر چھا ہو گیا۔ اور وہ دوزخ میں گر پڑے۔" آپؑ نے فرمایا "پھر؟" اُس نے کہا کہ "پھر میں نے آپؑ کو دیکھا کہ آپؑ گولائے۔" اُس باندی کا یہ کہنا تھا کہ آپؑ نے ایک چنچ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ وہ لونڈی اٹھی اور آپؑ کے کان میں پکار پکار کر کہنے لگی۔ "امیر المومنین میں نے آپؑ کو دیکھا کہ آپؑ بچ گئے آپؑ پل صراط سے صحیح و سالم گزر گئے۔ آپؑ نجات پا گئے تھے۔ ہر چند کہ لونڈی یہ کان میں جینتی رہی مگر آپؑ آہ و بکا کے نعرے مارتے رہے اور پاؤں دے دے کر زمین پر مارتے رہے۔"

میمون بن مہرانؓ کہتے ہیں "میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ قبرستان میں گیا، جب انہوں نے قبروں کو دیکھا تو روئے، پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اے میمون! یہ میرے باپ دادوں کی یعنی بنی امیہ کی قبریں ہیں، گویا دنیا والے کبھی ان کی لذت اور عیش میں شریک ہی نہ تھے، دیکھ کیسے بچھڑے پڑے ہیں، ان پر مصیبتیں ٹوٹ پڑی ہیں، ان کے بدنوں میں کیڑوں نے گھر بنا لیے ہوں گے" پھر روئے اور فرمایا "بخدا میں ان میں سے کسی کو ایسا نہیں جانتا کہ اُس پر قبر میں انعام ہوا ہوگا، ان میں سے کوئی بھی عذاب خدا سے محفوظ نہ رہا ہوگا" یہ کہا اور قبرستان سے روتے ہوئے نکل آئے۔

موت کی حقیقت (صور سے آخری فیصلے تک کا بیان)

میت کے حال کی شدت، نزاع کے وقت کی سختی اور خاتمے کے خوف کا خطرہ، پھر قبر کی تاریکی، اس کے کیڑوں کی تکلیف سہنا، پھر منکر نکیر اور ان کے سوال، پھر عذابِ قبر کو بھگتنا۔ ان سب سے بڑھ کر وہ خطرات ہیں جو مردہ کے سامنے ہیں۔ یعنی صور کا پھونکا جانا اور قیامت کے دن اٹھنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا اور اعمال کے لیے ترازو کا کھڑا ہونا۔ پھر باوجود باریکی اور تیزی کے پُل صراط سے گزرنے۔ پھر مقدمہ کے فیصلے کے لیے یعنی سعادت یا شقاوت کا حکم لگنے کے لیے پکار کا منتظر رہنا۔ تو یہ احوال خطرات ایسے ہیں کہ ہمیں ان کا پہچانا ضروری ہے، پھر ان پر خوب یقین اور تصدیق کے طور پر ایمان لانا اور فکر اور عمل کرنا۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن پر ایمان صرف زبان ہی زبان پر رہتا ہے دلوں میں نہیں بیٹھا ہوا، یعنی نمیر میں جگہ نہیں پکڑی۔ لوگ موسم گرما کی گرمی اور جاڑے کی سردی کے لیے کتنا سامان اکٹھا کرتے ہیں۔ لیکن دوزخ کی گرمی اور زمہرے کی سردی جو کہ نہایت سخت ہوگی اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہاں جب آخرت کا حال ان سے پوچھیں تو زبان سے ہر بات کا اقرار کرتے ہیں مگر دل ہمارے ان سے غافل ہیں۔

اور اگر ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ تیرے سامنے کے کھانے میں زہر ہے اور دوسرا کہے کہ مجھے معلوم ہے اور پھر وہ کھانا بھی کھائے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس نے زبان سے اس کو سچ کہا اور عمل سے جھٹلایا اور یہ عمل سے جھٹلانا زبان کے جھٹلانے کی نسبت زیادہ ہے۔ اگر ہمارا ایمان دوبارہ اٹھنے پر قوی ہے تو دل میں اُس دن کے تمام خوفوں کو ٹھان لینا چاہیے اور اس میں اتنا فکر اور اتنی عبرت کرنی چاہیے کہ دل سے دنیا کا آرام و راحت سب نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کی حاضری کی تیاری میں لگ جائیں۔ اول تو اس آواز کی فکر کریں جو کہ قبر میں کان میں پڑے گی، یعنی صور پھونکنا ایک خوفناک آواز ہوگی جس سے قبروں میں سے مردے نکل پڑیں گے۔

پس اپنے آپ کو فرض کریں کہ میں بھی قبر سے، چہرہ متغیر اور بدن سے سر سے پاؤں تک غبار آلود قبر کی مٹی میں لتھڑا ہوا نکلا اور چیخ کی شدت سے حیران، تمام مخلوق اپنی اپنی قبر سے نکل پڑی ہے اور قبر میں کب آرام تھا کہ ایک مصیبت تو انتظار کی سختی کی تھی کہ نہ جانے کب اور کیا انجام ہوگا؟ اور اب یہ آواز اور خوف تو سن لو کہ پھونک سے ڈرو، پس ایسے حال میں خلق کی کیفیت اور اُن کی ذلت اور شکستہ حالی اور بیچارگی اور اس چیز کا خوف، اور حکم سعادت یا شقاوت کا انتظار سوچیں اور اپنے آپ کو اُن کے درمیان فرض کریں کہ جیسے لوگ ٹوٹے حال سے ہوں گے ویسے ہی ہم بھی ہوں گے، پس ایسے حال میں اور اپنے دل کی کیفیت میں اس مقام پر فکر کرو کہ کیسی گزرے گی؟۔

روزِ محشر اور لوگ :-

پھر غور کریں کہ جی اٹھنے کے بعد ننگے پاؤں، ننگے بدن، کیسے زمینِ محشر میں ہنکائے جائیں گے؟ محشر کی زمین ایک سفید زمین ہے جس میں کسی قسم کی اونچ نیچ نہیں۔ نہ کوئی ٹیلہ ہے کہ اُس کے پیچھے چھپا جاسکے اور نہ کوئی گڑھا ہے کہ اُس میں اندر اتر جائے اور آنکھ سے اوجھل ہو جائے، بلکہ ساری زمین ایک سی پھیلی ہوئی ہے۔ اس زمین کی طرف لوگ گروہ درگروہ حاضر ہوں گے، لوگوں کے دل اُس دن زور زور سے دھڑکتے ہوں گے اور آنکھیں اُس دن جھلکی ہوئی ہوں گی، پس اے مسکین! اُس روز کے ہول اور شدت پر غور کر کہ جب خلقت اُس زمین پر اکٹھی ہو جائے گی، تو ان کے اوپر ستارے بکھرے پڑیں گے، آفتاب بے نور اور چاند بے روشن ہو جائے گا۔ زمین پر بالکل اندھیرا ہو جائے گا۔ لوگ اس پریشانی میں ہوں گے کہ دفعۃً "سروں کے اوپر آسمان پھٹ پڑیں گے، نہ معلوم اُن کے پھٹنے کی آواز دلوں پر کیا رنگ لائے گی؟۔"

اُس دن آدمی ننگے پاؤں ننگے بدن پریشان حال گرمی کی شدت سے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ خلق کا ایک اڑدھام ہوگا۔ اسی کھڑے ہونے کی جگہ میں ساتوں آسمان، ساتوں زمین کے لوگ، فرشتے، جن، انسان، شیاطین، وحشی درندے، پرندے، جانور سب موجود ہوں گے، پھر ان پر آفتاب نہایت تیزی سے چمکے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کے حساب سے پسینے میں ڈوب جائے گا۔ کسی کا پسینہ پیروں تک، کسی کا کولہوں تک اور کسی کا کندھوں تک ہوگا۔

بہت سے لوگوں کو پسینوں کی لگا میں دی جائیں گی، جن کا پسینہ کانوں کی لوت تک ہوگا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہاتھ مبارک کومنتہ تک اشارہ کر کے دکھا دیا کہ کیسے منہ اٹھائیں گے اور بعض کا پسینہ اُن کو ڈھانپ لے گا، ہر شخص یہ غور کرے کہ اُس کا پسینہ کہاں تک جائے گا؟ ہمیں جان لینا چاہیے کہ اگر دنیا میں کسی کا پسینہ اللہ کی راہ میں یعنی، جہاد، نماز، روزہ، حج اور امر بالمعروف اور نہی عنی المنکر کی مشقت میں نہ نکلا تو اُس روز اُس کا پسینہ حیا اور خوف کے باعث بہت زیادہ نکلے گا۔

اگر انسان جہالت اور مغالطے سے الگ ہو کر سوچے تو یقیناً "جان لے گا کہ اطاعتِ الہی میں سختیوں کو برداشت کرنا اور پسینوں کو بہانا آسان ہے جو تھوڑی دیر کے لیے ہوتا ہے اور کرب، خوف، انتظار، قیامت میں پسینہ کا آنا بہت زیادہ دیر تک ہے، اس لیے کہ وہ دن ہی ایسا ہے کہ جس میں "حدت" اور "شدت" دونوں زیادہ ہیں۔

قیامت کے دن کی بڑائی:-

جس روز کہ خلق اُوپر کوتاہ لگائے کھڑی ہوگی، اُن کے دل چیرے ہوئے ہوں گے، نہ اُن سے کوئی کلام کرے گا اور نہ اُن کے معاملے میں نظر کی جائے گی۔ تو تین سو برس کھڑے رہیں گے، نہ کھانے کا کوئی لقمہ کھائیں گے اور نہ پانی کا کوئی گھونٹ پیئیں گے، نہ ہوا کا جھونکا اُن پر چلے گا۔ حضرت کعبؓ اور حضرت قتادہؓ اس آیت "جس دن لوگ کھڑے رہیں گے، رب العالمین کے انتظار میں" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تین سو برس تک کھڑے رہیں گے، بلکہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے اس آیت کو پڑھا تو فرمایا کہ "تم لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ خدا تعالیٰ تم کو اس طرح جمع کرے گا، جیسے ترکش میں تیر کچھ بھرے ہوئے ہوتے ہیں، پچاس ہزار سال تک تمہاری طرف نظر نہیں کرے گا۔"

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "تم اس دن کو کیا خیال کرتے ہو، جس روز کہ لوگ اپنی مانگوں پر بقدر پچاس ہزار برس کھڑے رہیں گے نہ کوئی لقمہ کھائیں گے اور نہ کوئی پانی کا گھونٹ پیئیں گے، جب ان پر اتنی مشقت ہوگی کہ تاب نہ رہے گی، تو ایک دوسرے سے کہیں گے کہ چلو، خدا تعالیٰ کے نزدیک جس کی عزت ہے اُس کو تلاش کریں کہ ہمارے حق میں شفاعت کرے۔ پس جس پیغمبر کے دامن کو پکڑیں گے وہی اُن کو ہٹا دے گا اور نفسی نفسی کہے گا۔ اور کہے گا کہ آج اللہ تعالیٰ کا غصہ اتنا زور پر ہے کہ کبھی ایسا نہ تھا۔ یہاں تک کہ آخر میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ جیسا حکم پائیں گے شفاعت فرمائیں گے۔"

اے انسان اب اُس دن کے طول کا سوچ، اس کے انتظار کی سختی پر غور کر اور دیکھ کہ اس چھوٹی سی دنیا کی عمر میں گناہوں پر صبر کرنے کا انتظار تو بہت ہی کم ہے اُس دن کی لمبائی اور سختی کے مقابلے میں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب آپ خاتم النبیین ﷺ سے اس دن کا طول پوچھا گیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ وقت مومن پر اتنا ہلکا اور تھوڑا معلوم ہوگا کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں اپنی فرض نماز ادا کیا کرتا تھا۔" (مسند احمد، حدیث نمبر 13080)

پس ہمیں کوشش مومن بننے کی کرنی چاہیے، جب تک زندگی میں سانس باقی ہے، تب تک معاملہ ہمارے اختیار میں ہے اور عنان استعداد ہمارے ہاتھ میں۔ ان چھوٹے دنوں میں اُن بڑے دنوں کے لیے کچھ کر لیں تو اتنا فائدہ ہوگا کہ خوشی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ غور تو کریں کہ صرف پچاس ساٹھ برس کی محنت اور پچاس ہزار سال کی تکالیف سے ہمیشہ کی نجات۔ اے مسکین تو اُس دن کی تیاری کر جس کی شان بڑی، زمانہ دراز، حاکم زبردست اور وعدہ قریب آگاہ۔ اُس روز ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی اور بدی اپنے سامنے پائے گا، اُس روز معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے آج کے دن کے لیے کیا بھیجا تھا۔ جس روز زبانیں گوگی ہو جائیں گی، ہاتھ اور پاؤں بولیں گے، وہ دن ایسا ہے کہ جس کی یاد نے آپ خاتم النبیین ﷺ کو بوڑھا کر دیا تھا۔

ایک دن حضرت ابو بکرؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے پوچھا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ آپ خاتم النبیین ﷺ بوڑھے ہو گئے ہیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "مجھ کو سورۃ ہود، سورۃ واقعہ، سورۃ مرسلات، سورۃ عم یقیناً سورۃ شمس نے بوڑھا کر دیا ہے۔" (مشکوٰۃ المصابیح، جلد 3، حدیث نمبر 5354)

قرآن پاک کے الفاظ زبان سے ادا کرتے وقت اگر ہم اس کے مطلب پر غور کرتے تو قریب تھا کہ ہمارے پتے پھٹ جاتے، جب ہم نے زبان کی حرکت ہی پر اکتفا کیا تو قرآن پاک کے ثمر سے محروم ہو گئے۔ جن اُمور کا ذکر قرآن پاک میں ہے ان میں ایک قیامت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن کے بعض مصائب ذکر فرمائے ہیں۔ قیامت کے بہت سے نام ارشاد فرمائے، قیامت کے ہر نام کے اندر بھید ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اس کے معنی کی پہچان کریں اور پھر اس کے بھید کو جانیں۔ قیامت کے نام یہ ہیں:-

روز قیامت، روز حسرت، روز ندامت، روز حساب، روز محاسبہ، روز سوال، روز سبقت، جھگڑے کا دن، رعب کا دن، زلزلے کا دن، اُلٹ دینے کا دن، کڑک کا دن، روز واقعہ، روز قارعہ، روز راجعہ، روز رافعہ، روز غاشیہ، روز مصیبت، روز حاقہ، روز طامہ (ملانے والا)، روز فراق، روز مساق، روز قصاص، روز تناؤ، روز مآب (لانیوالا)، روز عذاب، روز گریز، روز قرار، روز لقا، روز بقا، روز قضا، روز جزا، روز بلا، روز گریہ، روز حشر، روز نشر، روز وعید، روز پیشی، روز وزن،

روزِ حق، روزِ حُکم، روزِ فضل، روزِ جمع، روزِ بعثت، روزِ فتح، روزِ رسوائی، روزِ عظیم، روزِ عظیم، روزِ عیسٰی، روزِ دین، روزِ یقین، روزِ نشور، روزِ معیر، روزِ نفع، روزِ صبح، روزِ جنبش، روزِ توبخ، روزِ خوف، روزِ اضطراب، روزِ منتہی، روزِ میقات، روزِ معیاد، روزِ مرصاد، روزِ قلق، روزِ عرق، روزِ افتاد، روزِ مادی، روزِ میقات، روزِ معیاد، روزِ مرصاد، روزِ عرق، روزِ انکداد، روزِ انتشار، روزِ اشتقان، روزِ وقوف، روزِ خروج، روزِ خلود، روزِ تغابن، روزِ عبوس، روزِ معلوم، روزِ موعود، روزِ مشہود۔

وہ روز جس میں شک نہیں، وہ روز جس میں امتحان دل کے بھیدوں کا ہوگا، وہ روز جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کام نہ آ سکے گا، وہ روز جس میں آنکھیں اوپر کھلیں گی، وہ روز جس میں کوئی رفیق نہ ہوگا، وہ روز جس میں کوئی کسی کا بھلا نہ کرے گا، وہ روز جس میں لوگ دوزخ کی طرف دھکیلے جائیں گے، وہ روز کہ جس میں لوگ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے، وہ روز کہ جس میں لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے، وہ روز کہ جس میں باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہ آئے گا، وہ روز کہ جس میں آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ سے بھاگے گا، وہ روز کہ جس میں نہ بولیں گی زبانیں اور نہ ان کو اجازت ہوگی، وہ دن کہ جس میں کوئی عذاب الہی سے روکنے والا نہ ہوگا، وہ روز کہ جس میں لوگ نکل کھڑے ہوں گے، وہ روز کہ جس میں آگ میں عذاب دیئے جائیں گے، وہ روز کہ جس میں مال اور اولاد فائدہ نہ دے گی، وہ روز کہ جس میں ظالموں کا عذر اُن کے کام نہ آئے گا، وہ روز کہ جس میں بھیدوں کی جانچ اور دل کے پوشیدہ راز ظاہر کئے جائیں گے، وہ روز کہ جس میں کہ آنکھیں اور آوازیں دبی ہوئی ہوں گی، وہ روز کہ جس میں ترازو قائم ہوگی، وہ روز کہ جس میں دفتر اعمال کھولے جائیں گے، وہ روز کہ جس میں دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔

انسان کے گناہوں پر آٹھ گواہ :- قیامت کے دن ہر انسان کے گناہوں پر آٹھ گواہ پیش ہوں گے۔

پہلا گواہ :- جس جگہ بندے نے گناہ کیا ہوگا، وہ جگہ وہ زمین کا ٹکڑا قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔!! (سورۃ الزلزال آیت نمبر 5، 6)

دوسرا گواہ :- وہ دن بھی گواہی دے گا جس دن بندے نے گناہ کیا ہوگا۔ (سورۃ البروج آیت نمبر 3)

تیسرا گواہ :- قیامت کے دن ان کی زبان گواہی دے گی۔ (سورۃ النور آیت نمبر 24)

چوتھا گواہ :- انسان کے جسم کے باقی اعضاء ہاتھ پاؤں یہ بھی گواہی دیں گے۔ (سورۃ یٰسین آیت نمبر 25)

پانچواں گواہ :- دوفرشتے جو تم پر نگران مقرر ہیں جو معزز ہیں، لکھنے والے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ (سورۃ الانفطار آیت نمبر 12)

چھٹا گواہ :- وہ نامہ اعمال جو فرشتے لکھ رہے ہیں تو زبان بھی گواہی دے گی اور نامہ اعمال بھی دیکھائے جائیں گے۔ (سورۃ الکہف آیت نمبر 49)

ساتواں گواہ :- آپ خاتم النبیین ﷺ بھی گواہ ہوں گے، اللہ رب العزت آپ خاتم النبیین ﷺ سے بھی گواہی مانگیں گے۔ (سورۃ النساء آیت نمبر 41)

آٹھواں گواہ :- اللہ رب العزت قرآن میں فرماتے ہیں، جو تم گناہ کرتے ہو، ہم قیامت کے دن اس پر گواہ ہوں گے۔ (سورۃ یونس آیت نمبر 61)

ہمارے گناہوں پر اللہ خود گواہ ہوگا (اللہ اللہ) کیا عالم ہوگا۔

پس اے انسان تجھ کو کس چیز نے خداوند کریم پر مغالطہ دیا کہ تُو نے رب کو بھول کر نافرمانی اور گناہ پر گناہ کیا۔ پس نہایت ہی خرابی ہے ہم سب غافلوں کی کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمارے پاس سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کو بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب مبین بھی بھیجی اور اس میں ہمیں قیامت کے دن کی تمام صفات بھی بتائیں پھر ہماری غفلت کو بھی جتایا اور ہم پھر بھی نہ جاگیں۔

ہمیں چاہیے کہ قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھیں اور اس کے معنی پر غور کریں اور قیامت کے دن کے بہت سے ناموں اور اُن کے اوصاف کے معنی پر غور کریں اور قیامت کے بہت سے ناموں اور ان کے اوصاف کو سمجھیں اور اُن مصیبتوں سے چھوٹنے کی فکر کریں جو اُس دن پیش آنے والی ہیں، اُس دن تنکے تنکے کا سوال ہو گا۔ قیامت کی سختی، پسینے کی بلا اور ان بڑی آفات کے درمیان یکا یک آسمان کے کناروں سے بڑے ڈیل ڈول اور نہایت موٹے تند خوف رشتے کو حکم ہوگا کہ "گناہ گاروں کے ماتھے کے بال پکڑ کر جبار کے سامنے پیش ہونے کی جگہ پر لے آؤ۔"

اُس روز اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کو سچا فرمادے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "نزدیک آگاہ لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر منہ پھیرتے ہیں،" پس آگاہی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند، وہ دیکھتے ہیں اس کو دُور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک، اور تُو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو۔"

پھر دوزخ کو پاس بلا یا جائے گا، اب بھی وقت ہے، ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم احکام قرآن پاک کو جان کر اُس پر عمل نہیں کرتے؟ قرآن پاک کے معنی جاننے

کی کوشش نہیں کرتے؟ قیامت کے دنوں کے بہت سے ناموں اور اُن کے اوصاف کی جانچ ہی نہیں کرتے، کچھ سوچتے ہی نہیں، ہمیں تو یہ دنیا کھا ہی گئی ہے اور ہمیں اندازہ ہی نہیں کہ ہمارا وقت کتنی تیزی سے گزر رہا ہے۔ اُس کے بعد فرشتے ہر ایک کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کریں گے اور اللہ تعالیٰ بالمشافہ سوال فرمائے گا کیا میں نے تجھے جوانی کی نعمت نہ دی تھی؟ تُو نے کس چیز میں اس کو کھوایا؟

زندگی کی نعمت نہ دی تھی تُو نے کس چیز میں اس کو ڈبویا؟

میں نے تجھ کو علم کی دولت نہ دی تھی اس علم پر کیا عمل کیا؟

جب اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے انعام و احسان ایک ایک کر کے جتا رہا ہوگا تو ساتھ ہی ساتھ ہماری نافرمانیوں کا پردہ بھی چاک کیا جا رہا ہوگا، کیسی شرم؟ کیسی حیا؟ کیسی ندامت؟ کیسی حسرت کا مقام ہوگا؟ بندے کے منہ پر مہر ہوگی، اُس کے اعضاء ان باتوں کا جواب دیں گے۔

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "روِ محشر اللہ تعالیٰ اس طرح ہر کسی سے سوال کرے گا کہ اُس کے اور تمہارے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔" (صحیح بخاری، حدیث نمبر

(7443)

اللہ تعالیٰ بندے سے ارشاد فرمائے گا:-

1- "کیا میں نے تیرے اوپر انعام نہیں کیا تھا؟"

2- "کیا میں نے تجھ کو مال نہ دیا تھا؟"

3- "کیا تیرے پاس میں نے کوئی رسول نہ بھیجا تھا؟"

وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو آگ، بائیں طرف دیکھے گا تو آگ، حتیٰ کہ اوپر دیکھے گا تو بھی آگ دکھائی دے گی۔

پس ہر ایک کو اس آگ سے بچنے کے لیے صدقہ و خیرات کرنی چاہیے خواہ نصف کھجور صدقہ کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ) کا ہر وقت ذکر کرے، کیونکہ قیامت کے دن انسان کی مصیبت اور حسرت بہت بڑی ہوگی۔ اُس دن حسرت ہی حسرت ہوگی۔ اب بھی وقت ہے کہ آنکھیں کھولیں، لیکن ہماری یہ آنکھیں بھی بڑی عجیب ہیں۔ یہ جب تک بند نہیں ہوتیں کھلتی ہی نہیں ہیں۔ بند ہونے کے بعد کھلیں تو حسرت اور ندامت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

میزانِ عمل:-

پھر ہمیں نامہ اعمال کے ملنے اور میزان کے باب میں فکر کرنے میں غفلت نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ اس کے بعد آدمی تین گروہوں میں ہو جائیں گے۔

1- ایک گروہ وہ ہوگا جن کے پاس نیکی نہ ہوگی، اُن کے لیے ایک سیاہ گردن دوزخ سے نکلے گی اور جیسے پرندہ دانہ چُن لیتا ہے ویسے ہی وہ ان کو اٹھا کر دوزخ میں ڈال دے گی اور دوزخ اُن کو نگل لے گی اور اُن پر بدبختی کی ندا ہو جائے جس کے بعد کبھی سعادت نہ ہوگی۔

2- دوسرے وہ لوگ ہوں گے جن کے لیے پکارنے والا یہ پکارے گا کہ جو لوگ ہر حال میں خُدا تعالیٰ کی حمد کیا کرتے تھے وہ کھڑے ہو جائیں، اس آواز کو سن کر حمد کرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور جنت کو چلے جائیں گے، پھر یہی معاملہ تہجد گزاروں کے ساتھ ہوگا، پھر اُن لوگوں کے ساتھ بھی معاملہ ہوگا جن کو خُدا تعالیٰ کی یاد سے نہ دنیا کی تجارت نے روکا، نہ دُنیا کی خرید و فروخت نے اور ان لوگوں کو سعادت کی ندا دے دی جائے گی، جس کے بعد کبھی بدبختی نہ ہوگی۔

3- پھر تیسری قسم کے لوگ آئیں گے، یہ وہ قسم ہوگی جنہوں نے نیک اور بد دونوں عمل کئے، لوگوں کی نگاہوں سے تو بد اعمال دُور رہے لیکن اللہ کے پاس سب حاضر ہو گئے۔ اُن کے لیے ترازو کھڑی کر دی جائے گی، لوگوں کی آنکھیں اُس وقت پھٹی پڑی ہوں گی، کہ نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا بائیں ہاتھ میں، پھر فرشتہ جو وہاں مقرر ہوگا زور سے پکارے گا، "فلاں شخص سعید ہوا اور ایسی سعادت پائی کہ جس کے بعد کبھی شقاوت نہیں" (کیونکہ اس کا میزان کا پلہ بھاری رہا)۔ اور جس کا میزان کا پلہ ہلکا رہے گا تو یہ فرشتہ زور سے پکارے گا کہ "فلاں شخص بد بخت ہوا اور ایسی شقاوت پائی کہ اس کے بعد کبھی سعادت نہیں ہے"۔ پھر عذاب کے فرشتے دوزخیوں کو پکڑ کر دوزخ میں لے جائیں گے۔

حقوق دلانے کے ذکر:-

میزانِ عدل کا حال تو معلوم ہو گیا اور یہ بھی اب یہ معلوم ہو گیا کہ بھاری نامہ اعمال والے جنت میں اور ہلکے نامہ اعمال والے دوزخ میں جائیں گے۔ یاد رکھیے کہ حساب کے اور ترازو کے اندیشے سے اُس شخص کو نجات ہوگی جو دنیا میں اپنے نفس کا حساب کرے گا اور آدمی کا نفس سے حساب لینا یہ ہے کہ ہر گناہ کے لیے توبہ کرے اور

جو دوسروں کے قصور کئے ہیں اُن کا تدارک کرے اور حقوق والوں کے دامِ دام کوڑی کوڑی ادا کر دے اور جس کی ہتک اپنی زبان یا ہاتھ سے کی ہو، یاد دل سے بدگمان ہوا ہو تو اُسے معاف کر دے اور لوگوں کے دل خوش رکھے، یہاں تک کہ مرے تو اس طرح کہ کوئی حق اس پر کسی کا نہ ہو۔ ورنہ حقدار قیامت میں اس کو آگھیریں گے، کوئی ماتھے کے بال اور کوئی گریبان پکڑ کر کہے گا کہ تُو نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ کوئی کہے گا تُو نے مجھے گالی دی تھی، کوئی کہے گا تُو نے میرا مذاق اڑایا تھا، کوئی کہے گا تُو نے میری غیبت کی، کوئی کہے گا تُو نے خرید و فروخت میں مجھے لوٹ لیا اور تُو نے دغا کیا۔ تُو نے ہمسائیگی کا حق ادا نہ کیا۔ پس جس گھڑی یہ حال ہوگا کہ حقدار بدن میں ناخن گاڑ رہے ہوں گے۔ اُس وقت کیا بنے گا؟ حتیٰ کہ عمر بھر میں جس سے تُو نے ایک درہم کا معاملہ کیا ہوگا، یا ایک مجلس میں کسی کے پاس بیٹھا ہوگا اور اُس کا حق تیرے اوپر رہا ہو گا۔ خواہ غیبت کے باعث یا خیانت کے باعث یا اُس کو کمتر نگاہ سے دیکھنے کے باعث، وہ سب تیرے گرد ہوں گے، تُو اُن کے معاملے میں ضعیف ہوگا اور اپنی گردن اپنے آقا اور مالک کی طرف اس توقع سے اٹھائے گا کہ آج وہ ہی ان لوگوں کو اس سے دُور کر سکتا ہے، اس حالت میں تیرے کان میں آواز جباری آئے گی "آج ہرجی ویسا ہی بدلہ پائے گا جو اُس نے کمایا۔"

اس وقت تیرا دل مارے ہیبت کے نکل پڑے گا اور تباہی کا یقین ہو جائے گا اور وہ قول یاد کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خاتم النبیین ﷺ کی زبانی تجھے بتایا تھا۔

ترجمہ: "اور مت خیال کرو کہ اللہ بے خبر ہے اُن کاموں سے جو یہ کرتے ہیں، ان کو تو چھوڑ رکھا ہے اُس دن کے لیے جس دن آنکھیں دوڑتی ہوں گی، سراو پر اور آنکھ اور دل اڑے ہوئے ہوں گے۔"

ایک ایک حقدار کا حق دلوایا جائے گا، اُس کے بعد جنت یا دوزخ مقدر کی ہوگی، اللہ پھر حق معاف کروائے گا؟۔

ایک مرتبہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا "جانتے ہو مفلس کون ہے؟" صحابہ کرامؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس دینار اور درہم نہیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا "میری اُمت کا مفلس وہ ہوگا جس کے پاس بے شمار نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خیرات کی نیکیاں ہوں گی، لیکن اُس نے بہت سوں کا حق مارا ہوگا، سو وہ سب روزِ محشر گروہ ہو جائیں گے اور فریاد کریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا "آج کے دن اس کے پاس کیا ہے؟" لوگ کہیں گے "یا اللہ اس شخص کی نیکیاں ہمیں دے دے، تو اللہ تعالیٰ اُس کی نیکیاں اُن لوگوں کو تقسیم کر دے گا"، اگر زیادتیاں اور حق پھر بھی باقی رہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "اس کی نیکیاں اب ختم ہو گئی ہیں"، حقدار کہیں گے یا اللہ ہمارے گناہ اس کے سر ڈال دے "اور پھر ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور پھر اُس شخص کو گھسیٹ کر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔" (صحیح مسلم، جلد 6، حدیث نمبر 6579)

پھر ان ہولناکیوں کے بعد اس آیت میں تامل اور غور و فکر کر "جس دن ہم اکٹھا کر لائیں گے پرہیزگاروں کو رُحمن کے پاس اور بانک کر لے جائیں گے نگہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے۔" (سورہ مریم، آیت نمبر 86-85)

شفاعت :-

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اگلوں، پچھلوں، سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا، چالیس برس آسمان کی طرف کو آنکھیں کیے کھڑے رہیں گے اور منتظر حکم ہوں گے، آفتاب قریب ہوگا اور آدمیوں پر غم اور کرب اتنا ہوگا کہ برداشت نہ کر سکیں گے، تب آدمی ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا نوبت آگئی ہے کسی ایسے کو تلاش کرو جو آج اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کرے، لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے کہ آج رب تعالیٰ اپنی جباری اور قہاری کی صفت پر ہے، تُم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، حضرت نوح علیہ السلام بھی یہی کہیں گے "آج اللہ تعالیٰ سے کون کلام کر سکتا ہے؟" تُم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یہی جواب دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جواب دے کر لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیج دیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دے کر لوگوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس بھیج دیں گے، حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "پھر لوگ میرے پاس آئیں گے، میں سجدہ میں جا کر رب کی حمد و ثنا کروں گا، مجھے کہا جائے گا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ اپنا سر اٹھاؤ، سوال کرو، سوال پورا کیا جائے گا" آپ خاتم النبیین ﷺ فرمائیں گے "یا رب اُمّتی، یا رب اُمّتی" حکم خداوندی ہوگا "اے محمد خاتم النبیین ﷺ آپ خاتم النبیین ﷺ کی اُمت میں سے جو لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جانے والے ہیں انہیں جنت کے سیدھے دروازے سے جنت میں جانے کا اشارہ کر دیجیے اور باقی دروازوں میں آپ خاتم النبیین ﷺ کی اُمت کے لوگ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہوں"

۔ (صحیح بخاری شریف، حدیث نمبر 4476)

اس بات کو ایک دفعہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اس طرح واضح کیا تھا:

"خوب سن لو کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور کچھ فخر نہیں، میں اٹھانے والا ہوں لوائے حمد کو قیامت کے دن اور کچھ فخر نہیں (روزِ محشر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا) میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں اور میری سفارش قبول ہوگی اور کچھ فخر نہیں، میں لوگوں میں سے سب سے پہلے جنت کے دروازوں کے کڑے ہلاؤں گا اور خدا تعالیٰ میرے لیے جنت کے دروازے کھول دے گا اور میں اندر جاؤں گا اور فقراء، مومنین میرے ساتھ ہوں گے اور کچھ فخر نہیں اور میں سب اگلوں اور پچھلوں سے بزرگ تر ہوں اور کچھ فخر نہیں۔" بغیر حساب کتاب کے جانے والے جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو باقی لوگوں کو ان کا نامہ اعمال دے دیا جائے گا، پل صراط سامنے ہوگا، تمام لوگوں کو اسی پر سے گزرنا ہوگا۔"

حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے سنا "پل صراط دوزخ کے اوپر واقع ہے اور جو شخص کہ رسولوں میں سے اپنی اُمت کو لے کر سب سے پہلے پل صراط پر اترے گا وہ میں ہوں، اُس روز سوائے رسولوں کے اور کوئی نہیں بولے گا اور سب پیغمبر یہی کہتے ہوں گے "الہی بچا، الہی بچا" پل صراط پر کانٹے سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکس ہوں گے۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے لوگوں سے پوچھا "بھلا تم نے سعدان کا کتنا دیکھا ہے؟" لوگوں نے عرض کیا "ہاں"، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "وہ اس شکل کے ہوں گے (یعنی سعدان کی شکل کے) مگر ان کی بڑائی کی مقدار اور تعداد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور وہ آدمیوں کو موافق اُن کے اعمال کے چھیں گے، پس بہت سے تو اپنے عمل کے باعث ہلاک ہو جائیں گے اور بہت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر ان کی نجات ہوگی۔" (صحیح بخاری)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "آدمی دوزخ کے پل پر سے گزریں گے، اس پر کانٹے اور آنکڑے ہوں گے، کہ لوگوں کو دائیں اور بائیں سے لپٹیں گے اور اس کے دونوں طرف فرشتے کھڑے ہوں گے جو کہتے ہوں گے "الہی بچا، الہی بچا"۔ پس بعض لوگ تومش بچکی کے گزریں گے، بعض ہوا کی طرح اور بعض دوڑتے ہوئے گھوڑے کی طرح اور بعض بھاگتے ہوئے، بعض چال چلتے ہوئے، بعض گھٹنوں کے بل، بعض چوڑوں کے بل گھیٹتے ہوئے اور بہت سوں کو آنکڑے پکڑ پکڑ کر دوزخ میں ڈالتے جائیں گے۔" (صحیح مسلم)

تو اے غافل انسان

یہ پل صراط کے احوال و مسائل شفاعت کے لیے جمع ہونا، ایسے افکار ہیں کہ ان میں بہت مشغول رہ، اس لیے کہ قیامت کے احوال سے زیادہ تڑو شخص بچے گا جو دنیا میں اس کا فکر زیادہ کرے گا، کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندے پر 2 خوف جمع نہیں کرے گا، تو جو کوئی ان احوال سے دنیا میں ڈرے گا وہ آخرت میں ان سے مامون رہے گا اور یہاں خوف سے مراد وہ خوف ہے جس کے باعث آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رہے اور ہمیشہ اُس کی اطاعت کرے۔ اور آخرت کے احوال کی کنجی بجز لا الہ الا اللہ کے کچھ نہیں۔ مگر اس کا صرف زبان سے کہنا کارآمد نہیں، بلکہ اس کا سچ جاننا بھی ضروری ہے اور سچ جاننا اسی طرح ہے کہ آدمی کا مقصد سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کچھ نہ ہو، اس کے ساتھ ہی آپ خاتم النبیین ﷺ کی محبت کو لازم پکڑنا ہے، سنت کی پیروی کرے اور نیک بختوں کی دلداری کرے، شاید اسی طرح آپ خاتم النبیین ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے۔

- (1) یا اللہ اُمّتِ محمدی خاتم النبیین ﷺ پر نظرِ کرم کر
- (2) یا اللہ اُمّتِ محمدی خاتم النبیین ﷺ کے احوال کی اصلاح فرما
- (3) یا اللہ اُمّتِ محمدی خاتم النبیین ﷺ کو معاف کر دینا
- (4) یا اللہ اُمّتِ محمدی خاتم النبیین ﷺ کو بخش دینا (آمین)

عزیزیل سے۔ شیطان۔ ابلیس تک

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی مشہور تفسیر ”درمنثور“ میں ابلیس کے عابد و زاہد ہونے سے راندہ درگاہ ہونے تک پوری داستان دلچسپ انداز میں ذکر کی ہے۔

ابلیس کا نسب:- فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ابلیس جنات میں سے ہے۔ اس کے والد کا نام چلیپا تھا اور کنیت ابوالغویٰ تھی۔ اس کے باپ چلیپا کا چہرہ بر شیر جیسا تھا۔ وہ نہایت قدآور اور بہادر تھا اور اس کا لقب شاشین تھا۔ اس کی قوم اسے شاشین کے نام سے مخاطب کرتی تھی (جس کے معنی دل ہلا دینے کے ہیں)۔ شاشین کی تمام قوم پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور قوم کا بچہ بچہ شاشین کا احترام کرتا تھا، کیونکہ اس نے جنات کی بے تحاشہ قویں مختلف فتوحات سے اپنے زیرِ کر لیں تھیں۔

ابلیس لعین کی ماں کا نام تبلیث تھا اور اس کی ماں کا چہرہ بھیڑیے کی مادہ کی طرح تھا اور اس کا لقب ذبی تھا۔ وہ بھی اپنے شوہر کی طرح نڈر اور نہایت دلیر اور طاقت ور تھی اس نے بھی اپنے خاوند کے ہمراہ بے شمار جنگیں جیتی تھیں۔

اس حد تک بہادر تھی کہ ساری قوم جنات کے بچے بچے کی زبان پر تھا کہ تبلیث کے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی طاقت ہمیں زیر نہیں کر سکتی۔

جنات قوم کی سرکشی جب حد سے بڑھ گئی اور ان کے جھگڑے فساد سے جب زمین لرز اٹھی تو آسمانوں سے فرشتوں کو حکم آ گیا کہ جاؤ ان سرکش جنات کو مار پھینکو۔

بقول ابلیس کے ”میری ماں تبلیث نے فرشتوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے عیش عیش کرا گئے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ جنات اور فرشتوں کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ اور خود میرا یعنی ابلیس کا یہ خیال تھا کہ ماں جان کی بعد از قیاس بہادری کے مقابلے میں فرشتوں کی کوئی حیثیت نہیں اور فرشتوں نے ان کے مقابلے میں آکر بہت غلطی کی ہے اب فرشتوں کو بڑی عبرت ناک شکست ہوگی۔ لیکن معلوم نہیں کیا ہوا کہ ہم کمزور پڑ گئے۔ اور فرشتے غالب آتے رہے اس عجیب و غریب جنگ کا سماں کچھ ایسا ناقابل فہم تھا کہ ساری قوم حیرت میں تھی۔ فرشتوں کا وار ہم پر خوب پڑ رہا تھا لیکن ہمارا وار فرشتوں پر کچھ ایسا کمزور اور بزدلانہ پڑ رہا تھا کہ جو بچہ بچہ میری ماں کی بہادری کے گن گاتا تھا۔ آج ان ہی کو فرشتے دردناک طریقوں سے مار رہے تھے۔ اور آخر کار میری ماں اور میرا باپ دونوں اس جنگ کے دوران مارے گئے۔ میں اس وقت شادی شدہ تھا۔ میری بیوی اور میرا بیٹا مڑہ بھی اس جنگ میں مارے گئے۔“

چونکہ ابلیس کے باپ کا چہرہ شیر کی طرح اور ماں کا چہرہ بھیڑیے کی طرح تھا لہذا علم قیافہ کی رو سے ابلیس میں دونوں خصوصیات ہیں۔ یعنی وہ نہایت ہی سرکش اور مکار ہے۔ اس کے ساتھ وہ نہایت خود غرض فریبی اور دھوکے باز بھی ہے۔

فرشتوں اور قوم ابلیس اور جنات کے درمیان جو جنگ ہوئی تھی اس میں جو جنات قیدی بنائے گئے تھے ان قیدیوں میں شہزادہ ابلیس بھی موجود تھا۔

فرشتے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو ان کو حکم ہوا (ابلیس) کی بہترین تربیت کرو۔ چنانچہ فرشتوں نے ابلیس کی تربیت بہترین انداز سے کی اسے اللہ تعالیٰ کے مرتبہ اور جاہ و جلال سے آگاہ کیا۔ عبادت و ریاضت کے طریقے اور آداب سکھائے۔ یہاں تک کہ ابلیس بہترین عبادت گزار بن گیا۔ پھر ابلیس 80 ہزار برس تک فرشتوں کا ساتھی رہا، 40 ہزار برس تک جنت کا خزانچی رہا، 30 ہزار برس تک مقربین کا سردار رہا، اور اس نے 14 ہزار برس تک عرش کا طواف کیا۔

یہاں تک کہ:

پہلے آسمان والوں نے اس کو ”عابد“ کہا۔ دوسرے آسمان والوں نے اس کو ”زاہد“ کہا۔

تیسرے آسمان والوں نے اس کو ”عارف“ کہا۔ چوتھے آسمان والوں نے اس کو ”ولی“ کہا۔

پانچویں آسمان والوں نے اس کو ”تقی“ (متقی) کہا۔ چھٹے آسمان والوں نے اس کو خاشع (خشوع کرنے والا) کہا۔

ساتویں آسمان والوں نے اس کو ”عزیزیل“ کا لقب دیا۔

کچھ ہی عرصے میں یہ اپنی فطری تیزی اور طراری کی وجہ سے سب کچھ سیکھ گیا اور وہی فرشتے جو کبھی اسکے استاد تھے بحکم خداوندی اس سے علوم عالیہ میں مدد لینے لگے۔

رفتہ رفتہ عزیزیل اپنی قابلیت کے باعث فرشتوں کا استاد بن گیا۔ (سبحان اللہ قدرت بھی کیسے کیسے جو بے دکھا سکتی ہے) گویا (ابلیس) اپنی عبادت و زہد میں اتنا مقرب ہوا کہ ابلیس سے عزیزیل کے مرتبے پر پہنچ گیا۔ (بحوالہ تفسیر درمنثور، آخری حصہ)

اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے ایک دستور رہا ہے کہ وہ اپنی ایک رائے رکھتا ہے اور اس کو سب سے الگ تھلگ رکھتا ہے اور اس کے کام کی کسی کو بھی خبر نہیں ہو پاتی۔

فرمان الہی ہے: ترجمہ: ”میں جسے چاہتا ہوں عزت دیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں ذلت دیتا ہوں“۔ (سورہ آل عمران، آیت نمبر 26)

پیدائش آدم علیہ السلام اور خلافت الہی:- ایک دن عزراہیل اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کرتا ہوا جب ساتویں آسمان کی سیر کرتا ہوا لوح محفوظ تک پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ لوح محفوظ پر ایک عبارت لکھی ہوئی ہے۔

”ہمارا ایک بندہ ایسا ہے جسے ہم بے شمار قسم کی نعمتوں سے مالا مال کریں گے۔ اور زمین سے اس کو آسمان پر پہنچا دیں گے اور پھر آسمان سے اس کو جنت میں لے جائیں گے اس کے بعد ہم اسے ایک خاص کام پر مامور کریں گے لیکن وہ انکار کر دے گا اور بغاوت پر آمادہ ہو جائے گا۔“

عزراہیل اس عبارت کو پڑھ کر حیرت زدہ ہوا اور اپنے دل میں خیال کرنے لگا کہ ایسا احسان فراموش کون ہو سکتا ہے؟ دوبارہ عبارت پر غور کیا۔ تو عبارت کے قریب ہی نہایت واضح الفاظ میں لکھا ہوا تھا: ”أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ یہ پڑھ کر وہ تقریباً دو ہزار سال تک روتا رہا۔ اور خود پر ہی لعن طعن کرتا رہا کہ ایسا بد بخت کون ہے جو رب تعالیٰ کا نافرمان ہے؟ اس نے گھبرا کر رب تعالیٰ کے پاس حاضری دی اور کہا ”رب تعالیٰ وہ شیطان رجیم کون ہے؟ جس سے پناہ مانگنی چاہیے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وہ ہمارا ایک بندہ ہے جو بے شمار نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ لیکن ہمارا ایک حکم نہ ماننے کے باعث مردود بارگاہ ہو جائے گا۔“ عزراہیل نے عرض کی ”باری تعالیٰ میں اس ملعون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”مُسَوِّفٌ تَرَاهُ“ (یعنی تو جلد اسے دیکھے گا)

عزراہیل اس سوچ بچار میں ہزار سال تک مبتلا رہا پھر اسے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہو رہا ہے۔ اس پتلے کا سرمکہ معظمہ کی مٹی سے، گردن بیت المقدس کی مٹی سے، سینہ عدن کی مٹی سے اور پشت و شکم ہندوستان کی سرزمین کی مٹی سے، ہاتھ مشرق کی خاک اور پیر مغرب کی زمین کی مٹی سے تیار ہوں گے۔ اور باقی گوشت پوست وغیرہ تمام زمین کی مجموعی خاک سے بنیں گے۔ اور اس کے علاوہ اس میں آگ، پانی اور ہوا کو بھی شامل کیا جائے گا۔ (مختلف جگہوں کی مٹی شامل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس پتلے کی نسل مختلف شکلوں میں نمودار ہو سکے گی۔ اور عناصر کے شامل کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس پتلے کی نسل چہار طبائع کا حسین امتزاج ہوگی۔ کیونکہ ہر چار عناصر میں سے ایک عنصر دوسرے عنصر کی موجودگی میں قائم رہ نہیں سکتا۔ مثلاً آگ اور پانی یکجا نہیں رہ سکتے اس طرح مٹی اور ہوا یکجا نہیں رہ سکتے۔ یہ صرف قادر مطلق کا ہی کمال ہے کہ جس نے ان چار عناصر کو یکجا کر رکھا ہے) اور یہ جامع العجائب الغرائب پتلہ صانع مطلق نے اپنے ہاتھ (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) سے بنایا پھر جب پتلے کو تیار کر لیا گیا۔ تو پتلے کو زمین پر بھیج دیا گیا۔

عزراہیل فوراً اس پتلے کو دیکھنے کے لیے زمین پر پہنچا تا کہ دیکھ سکے کہ اس کی اندرونی اور بیرونی ساخت (External and Internal Shape) کیسی ہے؟ اور اس کے اندر کس قسم کی (Machinery Mechanism) یعنی نظام رکھا گیا ہے۔ (ظاہر ہے کہ وہ حیران تھا کہ خالق قدرت نے اپنے دست قدرت سے جو کچھ بنایا ہے وہ کیا چیز ہے؟)

اس لیے سب سے پہلے عزراہیل نے پتلے کو ٹھونک بجا کر دیکھا۔ تو پتلے سے ایک بڑی ہی عجیب و غریب آواز پیدا ہوئی۔ جب بیرونی مشاہدے کے بعد عزراہیل کسی بھی حتمی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو اپنی مخصوص طاقتوں کے ذریعے پتلے کے اندر داخل ہو گیا۔ (شائد اسی لیے کہا گیا ہے کہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ گردش کرتا ہے۔) تا کہ پتلے کا اندرونی مطالعہ کر سکے۔ دوران سیر اس کو بہت سی نئی معلومات حاصل ہوئیں اور عزراہیل نے اپنی طویل عمر میں جو کچھ دیکھا تھا وہ سب کچھ اس پتلے میں موجود تھا۔ چنانچہ جب وہ رگ رگ کی سیر کرتا ہوا قلب تک پہنچا تو قلب کچھ اس طرح بند کیا گیا تھا کہ ابلیس اپنی مخصوص طاقتوں اور مخفی علوم کے جاننے کے باوجود قلب کو نہ کھول سکا۔ اس لئے شیطان انسان کے دل میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دل تو رحمن کی آماجگاہ ہے۔

انسانی قلب کبھی بھی ناری غذا نہیں لیتا چالیس سال تک یہ قلب (اگر اس کو نوری غذا نہ ملے تو) اپنی طاقت سے زندہ رہتا ہے۔ اور اگر چالیس سال کے بعد بھی اس کو نوری غذا نہ ملے تو پھر یہ مرجاتا ہے۔ ایسے قلب کے لیے کہا جاتا ہے کہ: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے اس قلب پر اپنی مہر لگا دی ہے۔“ (یعنی اب یہ دل مر چکا ہے۔) (سورہ البقرہ، آیت نمبر 7)

پس دل میں راستہ نہ پانے کی وجہ سے عزراہیل سمجھ گیا کہ اس پر اسرار ڈبیہ میں کوئی خاص خزانہ پوشیدہ ہے۔ جسے مجھ سے پوشیدہ رکھنے کے لیے مکمل انتظام کیا گیا ہے۔ اس لئے ابلیس کو انسان کے دل پر کوئی اختیار نہیں کہ وہ زبردستی اسے کھینچ کر اپنی راہ پر لے آئے۔ اس کا کام صرف انسان کو بہکانے اور پھسلانے سے چل سکتا ہے۔ (بحوالہ۔ تفسیر درمنثور)

شیطان:- شیطان "شطن" سے بنا ہے۔ شیطان کے معنی 'دور ہونا'، متحرک و دراز۔

شیطان چونکہ خیر سے دور ہے اور شر کے اندر متحرک ہے شیطان اللہ سے دور ہے اور ہر بھلائی سے دور ہے۔ وہ جنت سے دور اور دوزخ سے بہت قریب ہے۔ سورۃ نحل کی آیت نمبر 98 ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ ترجمہ: "تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ چاہو شیطان مردود سے۔" حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے "اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو تعوذ پڑھو یعنی (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم)۔" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "ابلیس ملعون کے لیے اعوذ باللہ پڑھنے سے زیادہ سخت چیز اور کوئی نہیں۔" سورۃ نحل، آیت نمبر 99 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھروسہ رکھتے ہیں تو شیطان کا ان پر قابو نہیں چل سکتا،" (کہ وہ ان کو سیدھے راستے سے بھٹکا دے)۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو اور آپ خاتم النبیین ﷺ کی امت کو شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا تاکہ دوزخ سے دور اور جنت سے نزدیک ہو جائیں اور جزا اور سزا کے مالک کے چہرے کو دیکھ سکیں۔

گویا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ: "بیشک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں، اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔" (سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 65) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

پہلی آیت: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ترجمہ: "میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا۔" (سورۃ الحجر، آیت نمبر 42) جب بندے پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبودیت کا نشان ہو تو شیطان کو اس پر غلبہ کا موقع نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے تو صاف طور پر بندے کو مطلع فرما دیا ہے کہ: دوسری آیت: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا طٰٓئِفًا يَّذُوْعُوْا حِزْبًا لِّیَّکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝

ترجمہ: "بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اس سے دشمنی رکھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے بلاتا ہے کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔"۔ (سورۃ فاطر، آیت نمبر 6) تیسری آیت: وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا کَثِیْرًا اِطٰٓءُوْا اَقْلَمَ تَکُوْنُوْا نٰفِقٰوْنَ ۝

ترجمہ: "اور بیشک اس نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے؟"۔ (سورۃ یس، آیت نمبر 62)

اللہ نے شیطان سے بچنے کے لئے تعوذ پڑھنے کے لئے کہا ہے:

تعوذ یا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے سے چار فائدے بندے کو حاصل ہوتے ہیں۔

1۔ دین و ہدایت پر استقامت۔ 2۔ شیطان مردود کے شر اور فساد سے بچاؤ۔

3۔ اللہ کی پناہ کے مضبوط قلعہ اور قرب کے مقام میں پناہ۔ 4۔ پیغمبروں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ امن کے مقام تک رسائی۔

بعض کتب سابقہ میں آیا ہے کہ جب شیطان مردود نے اللہ سے کہا "میں تیرے ان بندوں کو، کچھ دوائیں سے پکڑوں گا کچھ بائیں سے، کچھ آگے سے، کچھ پیچھے سے، کچھ اوپر سے، کچھ نیچے سے اور تو ان میں سے بہت سوں کو ناشکر گزار پائے گا۔" تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے اپنی عزت اور عظمت کی قسم میں ان کو حکم دوں گا کہ تیرے اغوا سے بچنے کے لیے میری پناہ میں آنے کی درخواست دیں۔ اور جب وہ مجھ سے درخواست کریں گے (یعنی اعوذ باللہ پڑھیں گے تو) میں اپنی ہدایت کے ذریعے دائیں جانب سے اور اپنی عنایت کے ذریعے بائیں طرف سے اپنی نگہداشت کے ذریعے ان کی پشت سے اور اپنی اعانت کے ذریعے ان کے سامنے سے ان کی حفاظت کروں گا اے ملعون تیرا ہکانا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔"

بعض احادیث میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "جو بندہ ایک مرتبہ اللہ کی پناہ مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ دن کو اس کی حفاظت فرماتا ہے۔" (غنیۃ الطالبین) حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "اللہ کی پناہ طلب کر کے گناہوں کے دروازوں کو مقفل کر دو اور بسم اللہ پڑھ کر اطاعت و بندگی کے دروازوں کو کھول دو۔" (غنیۃ الطالبین)

روایت ہے "مومن کو گمراہ کرنے کے لیے ابلیس (لعین) روزانہ 360 لشکر بھیجتا ہے جب مومن بندہ اللہ کی پناہ مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے دل کی طرف 360 مرتبہ نظر فرماتا ہے اور ہر مرتبہ نظر فرمانے سے شیطان کا ایک لشکر تباہ ہو جاتا ہے۔" (غنیۃ الطالبین)

یہ تو پناہ میں آنے کے لیے درخواست پر بندے پر 360 مرتبہ نظر فرماتا ہے ورنہ اسکی ایک ہی نظر کرم سے ابلیس لعین کے 360 کیا ہزاروں لشکر جل کے خاکستر

ہو جاتے ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ درخواست بندے کی طرف سے ایک مرتبہ اور اللہ کا جواب 360 مرتبہ یہ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے پر بہت ہی زیادہ عنایت اور فضل و کرم کی طرف اشارہ ہے)

شیطان کن چیزوں سے ڈرتا ہے:- وہ چیز جس سے شیطان ڈرتا اور بھاگتا ہے وہ یا تو "استعاذہ" ہے (تعوذ) یا پھر "عارفوں کے دل کی نور معرفت کی شعاع ہے"۔ اگر تم عارفوں میں سے نہیں ہو تو پھر متقیوں کی محبت لازم ہے یہاں تک کہ تم عارفوں کے درجے تک پہنچ جاؤ۔ اور جب بندہ عارفوں کے درجے میں آجائے گا تو اسکے دل کی نورانی شعاع شیطان کی شوکت کو توڑ ڈالے گی اسکے شر کو تباہ کر دے گی اور ہماری ذات کے اندر اس کا جو لشکر کا فرمانی کے لیے موجود ہے اسکے پاؤں اکھڑ جائیں گے اور پھر بسا اوقات ایسا ہوگا کہ بندہ اپنے ساتھیوں کا اور اپنے پیروکاروں کا نگہبان بن جائے گا جیسا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر شیطان تمہیں کسی راستے پر چلتا دیکھتا ہے تو اسے چھوڑ کر وہ کسی دوسرے راستے پر چل پڑتا ہے۔" (صحیح بخاری و مسلم)

شیطان جب کسی بندے میں اپنی عداوت اور مخالفت کو مسلسل پاتا ہے اور بندے کی سچائی اس پر ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ اس سے مایوس ہو کر اسکو چھوڑ دیتا ہے لیکن پوشیدہ طور پر چھپتا چھپاتا آتا رہتا ہے لہذا بندے کو چاہیے کہ سچائی پر سختی سے قائم رہے اور شیطان کے داؤ سے ہوشیار رہے اس لیے کہ اسکی دشمنی حقیقی اور پرانی ہے اور وہ گوشت پوست میں خون کی طرح رواں رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں روایت ہے کہ کبر سنی میں دعا مانگا کرتے تھے: "الہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں زنا کروں یا کسی کو قتل کر دوں" کسی نے دریافت کیا کہ اس عمر میں یہ ایسا خوف ہے۔ آپؓ نے فرمایا "کہ کیوں نہ خوف کروں جبکہ شیطان زندہ ہے۔ بندہ نیک عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسکے اور جنت کے درمیان اتنا وقفہ رہ جاتا ہے جتنا دودھ دھونے کی دودھاریں تو اس سے کوئی ایسا عمل ہو جاتا ہے کہ اسکو دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔"

اب دیکھئے موت اور بندے کے درمیان جب صرف اتنا وقت کہ دودھ دوہنے کی دودھاریں تو اس قلیل وقت میں بندہ نزع کے عالم میں ہوگا اب اس وقت وہ اٹھ کر تو عمل نہیں کرے گا کہ بندے کا ایمان سلب کر لیا جائے گا اس لیے آخری وقت تک شیطان سے پناہ مانگنی چاہیے۔

ایک بزرگ کے لیے مشہور ہے کہ مرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں سے کسی کو روکتے ہوئے محسوس کرتے اور منہ سے کہتے "ابھی نہیں" جب انہیں ذرا سا ہوش آیا تو ان کے بچوں نے پوچھا "ابا جان کیا موت کو دفع کر رہے ہیں؟" فرمایا "نہیں"۔ "شیطان بار بار تنگ کرتا ہے کہ آخر تو مجھ سے چھوٹ ہی گیا تو اسے اپنے پاس سے ہٹا رہا ہوں کہ ابھی نہیں، ابھی تو میری جان میرے جسم میں موجود ہے۔"

اسی طرح ایک بزرگ کا قصہ لکھا گیا ہے ان سے موت کے فرشتے نے سوال کیا کہ "حضرت مکان کے دروازے پر شہادت کی موت پسند فرمائیں گے یا اپنے اس کمرے کے دروازے پر مغفرت کی موت پر جس میں آپ ہیں" تو بزرگ نے فوراً جواب دیا کہ "اپنے کمرے کے دروازے پر مغفرت کی موت۔ اس لیے کہ مکان کے دروازے تک جاتے جاتے معلوم نہیں شیطان کسی بُرے خیال کا وسوسہ ایسا نہ ڈال دے کہ مغفرت سے بھی جاؤں" تو یہ تھا ہمارے بزرگوں اور اسلاف کا شیطان سے ڈرنا کہ ہر وقت اس بات کا کھکا ہی لگا رہتا تھا کہ شیطان انہیں بہکا نہ دے۔

شیطان سے بچنے کی تدابیر:- جن کلمات کے ساتھ شیطان سے جنگ کرنے اور اسکو دور کرنے پر استقامت حاصل ہوتی ہے وہ کلمہ اخلاص اور رب العزت کا ذکر کرنا ہے۔

1- رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد ربانی کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" میرا قلعہ ہے جو شخص یہ کلمہ کہے گا میرے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو اس قلعہ میں داخل ہو جائے گا ہر عذاب سے محفوظ ہو جائے گا۔ (کتاب التوحید 22-صواعق محرّمہ ابن حجر مکی)

نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "جس نے پورے اخلاص کے ساتھ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ [الترغیب والترہیب: 2/340، مجمع الزوائد: 1/23] شیطان عذاب کا وسیلہ ہے بندہ جب کلمہ توحید پڑھتا ہے تو کلمہ توحید کے تقاضے یعنی واجبات کے ادا کرنے اور ممنوعات کے ترک کا لباس پہن لیتا ہے اور جب شیطان یہ لباس اسکو پہننے دیکھتا ہے تو اس سے دور بھاگ جاتا ہے اور اسکے پاس آنے کی جرات نہیں کرتا۔

2- بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔ روایت میں ہے کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا تھا کہ "شیطان ہلاک ہو"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ایسا نہ کہو کیونکہ اس طرح شیطان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے اور کہتا ہے "مجھے اپنی عزت کی قسم میں نے تجھ پر غلبہ پالیا"!

لیکن (جب ایسی صورت میں) تم بسم اللہ کہو گے تو شیطان کا نفس ذلیل ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ مکھی سے بھی زیادہ چھوٹا ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 2306)

3۔ شیطان سے مقابلہ کرنے کی ایک اہم صورت یہ ہے کہ اللہ کے فضل کے علاوہ دنیا والوں سے کسی قسم کا طمع نہ رکھے نہ دنیا والوں کی مدد کی، نہ انکے مال کی، نہ ان کی تعریف کی، نہ ان کے بھتے اور گروہ کی، نہ ان کے تحفے اور ہدیوں کی کیونکہ دنیا اور دنیا والے سب شیطان کی فوج اور اس کے چیلے ہیں۔ بس اللہ پر توکل کر کے دنیا سے بے نیاز ہو جائے۔ جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کا خیال رکھے۔ حدیث شریف ہے کہ "جس کو یہ پرواہ نہیں کہ اس کا کھانا کہاں سے آتا ہے (یعنی حلال ہے یا حرام) تو اللہ تعالیٰ بھی پرواہ نہیں کرتا کہ اسکو دوزخ کے کونسے دروازے سے دوزخ میں داخل کرے۔" (غنیۃ الطالبین)

بس بندے کو چاہیے کہ تمام باتوں کا خیال رکھے اور وہ اعمال کرے کہ شیطان ناامید ہو جائے اور جب بندہ ان باتوں پر عمل نہیں کرتا تو شیطان اسکے دل اور سینے پر سوار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَغْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نَقِيضٌ لَهُ شَيْطَانٌ فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿۳۶﴾ (سورۃ الزخرف، آیت نمبر 36)

ترجمہ: "اور جو شخص رحمن کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں پس شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔" کبھی نماز میں وسوسہ ڈالتا ہے، کبھی ایسی باطل نفسانی خواہشوں میں مبتلا کر دیتا ہے جو حرام یا مباح ہوتی ہیں اور کبھی وہ بندے کو فرائض کی بجا آوری، نیک اعمال، سنن واجبات، عبادات اور اطاعات کے بجالانے میں رخنہ ڈالتا ہے جس کے نتیجے میں بندے کو دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑتا ہے اور اس کا حشر شیطان کے ساتھ ہوتا ہے۔ بسا اوقات آخری عمر میں اس کا ایمان بھی چھین لیا جاتا ہے جس کے باعث وہ قیامت کے دن جہنم کے اندر فرعون، ہامان اور قارون کے معیت میں ہوگا ہم اللہ تعالیٰ سے ایمان کے چھن جانے سے اور ظاہر و باطن میں شیطان کی پیروی کرنے سے پناہ مانگتے ہیں۔

شیطان کی اولاد:- ان کو بنی آدم علیہ السلام کے بہکانے پر مامور کیا ان سات کے نام یہ ہیں:

(i) **مدحش:-** اسکو علماء کے ورغلائے پر مقرر کیا گیا ہے چنانچہ وہ علماء کو مختلف خواہشات کی طرف لے جاتا ہے۔

(ii) **حدیث:-** دوسرے کا نام "حدیث" ہے جو نماز پر مقرر کیا گیا ہے نمازیوں کو ذکر الہی سے ہٹا کر ادھر ادھر بولے میں لگا دیتا ہے اور انکو جمائی اور اونگھ میں مبتلا کر دیتا ہے پس اس طرح نمازیوں میں سے کوئی سو جاتا ہے اور جب کوئی کہتا ہے "سو گئے" تو وہ کہتا ہے "نہیں میں تو نہیں سویا" اس طرح وہ نماز میں بغیر وضو کے داخل ہو جاتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد خاتم النبیین ﷺ کی جان ہے کہ ان میں سے کوئی نمازی اس حال میں نکلتا ہے کہ اسکو آدھی نماز کا کیا بلکہ چوتھائی نماز کے دسویں حصہ کا ثواب بھی نہیں ملتا بلکہ ایسی نماز کا گناہ ثواب سے بڑھ جاتا ہے۔

(iii) **زلیعون:-** شیطان کی تیسری اولاد کا نام زلیعون ہے یہ بازاروں میں مقرر ہے وہ لوگوں کو کم تولنے اور جھوٹ بولنے پر اکساتا ہے۔ مال بیچتے وقت دوکانداروں کو مال کی جھوٹی تعریف پر ابھارتا ہے تاکہ اپنا مال فروخت کر کے روزی کمائے۔

(iv) **بکر:-** شیطان کی چوتھی اولاد وہ لوگوں کو گریبان چاک کرنے، منہ نوچنے اور مصیبت کے وقت واویلا کرانے پر مقرر ہے (لوگ مصیبت پڑنے پر ہائے واویلا کرتے ہیں) تاکہ مصیبت کے اجر و ثواب کو (فریاد و فغان کرواکے) ضائع کرادے۔

(v) **منشوط:-** پانچویں کا نام منشوط ہے یہ دروغ گوئی، چغل خوری، طعن و تشنیع کرنے پر مقرر ہے۔

(vi) **واسم:-** یہ شرم گاہوں پر مقرر ہیں چنانچہ یہ مرد اور عورت کی شرم گاہوں پر پھونک مارتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ زنا میں مبتلا ہوں۔

(vii) **اعور:-** یہ چوری پر مامور ہیں۔ یہ چور سے کہتا ہے "مال چوری کر کہ چوری تیرے فاقے دور کر دے گی۔ تیرا قرض ادا ہو جائے گا اور تیری تن پوشی بھی ہو جائے گی۔ بعد میں تو بہ کر لینا"۔ لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی شیطان سے غافل نہ رہے اور اپنے کاموں میں اس سے بے خوف ہو کر نہ بیٹھ جائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہے "وضو پر ایک شیطان مقرر ہے جس کا نام ولھان ہے تم اس سے اللہ کی پناہ مانگو۔" (سنن ابن ماجہ) نماز کی صفوں میں ملکر کھڑے ہونے کی بھی آپ خاتم النبیین ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے تاکہ شیطان بکری کے بچے (حذف) کی طرح صفوں میں نہ گھس آئے۔ (حذف) حجاز کی ان چھوٹی چھوٹی بکریوں کو کہتے ہیں جنکی ندم ہوتی ہے اور نہ کان۔ ایسی بکریاں "یمین" کے مقام "جرش" میں پیدا ہوتی ہیں۔ (مسند احمد)

حضرت عثمان بن عفوف نے فرمایا کہ انہوں نے رسول خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا "میری نماز اور میری قرأت میں شیطان خلل ڈالتا ہے"۔ حضور خاتم النبیین ﷺ

نے ارشاد فرمایا "اس کا نام" خنزب" ہے۔ جب تم کو اس کا احساس ہو تو اللہ کی پناہ مانگو (اعوذ باللہ پڑھو) اور بائیں طرف کو تین بار تھکا کر دو۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا "کہ میں نے ایسا ہی کیا ہے اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا ہے"۔ (صحیح مسلم)

ایک مشہور حدیث میں رسول خاتم النبیین ﷺ کا ارشاد اس طرح آیا ہے کہ "تم لوگ ایسی عورتوں کے گھروں میں داخل نہ ہو، جن کے شوہر گھروں پر نہ ہوں، اس لیے کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے اندر ایسے ہی دوڑتا ہے جیسے خون جسم میں دوڑتا ہے"۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ! کیا حضور خاتم النبیین ﷺ کے لیے بھی ہے؟" فرمایا "میں بھی اس کے بغیر نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے"۔ (جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (سورہ الکھف، آیت نمبر 50)

"تو کیا تم شیطان اور اس کی ذریت کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے اور ظالموں کے لیے کتنا بڑا بدلہ ہے"۔

ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو شیطان اور اس کی ذریت کی اطاعت اللہ کی عبادت کے بجائے اختیار کرتے ہیں بلاشبہ انہی کے ساتھ یہ بھی دوزخ میں رہیں گے بشرطیکہ انہوں نے توبہ نہ کی، نصیحت کو قبول نہ کیا۔ اپنے نفس کی رہائی اور خلاصی کی کوشش نہ کی۔ بُرے اعمال، بُرے رفقاء اور شیطانی لشکر کو نہ چھوڑا۔ پس لازم ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اطاعت الہی کی پابندی کرے ان علماء اور اہل معرفت کی محبت اختیار کرے جو اللہ کے حکم کے موافق عمل کرنے والے اور اللہ کی طرف بلانے والے، اس کی رضا کی طرف راغب کرنے والے، اسکے فضل کے امیدوار اور اسکے قہر سے ڈرانے والے ہیں اور جنکو اللہ کی پکڑ کا خوف رہتا ہے، دنیا سے رغبت نہیں رکھتے، آخرت کے طالب رہتے ہیں، جو راتوں کو نماز میں کھڑے رہنے والے، دن کو روزہ رکھنے والے اور گزشتہ بیکار زندگی پر نوحہ کرنے والے، آئندہ کے لیے توبہ انصوح کرنے والے، تمام گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کرنے والے، خالق کائنات پر توکل کرنے والے، شب و روز کے اوقات میں عبادت کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو طوق و سلاسل دینی مصائب اور جہنم کی آگ کے خوف سے محفوظ و مامون ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے شیطان کی پیروی سے منہ موڑا اور ظاہر و باطن میں اللہ کے احکام کی پیروی کی پس جزا دینے والا انکے اعمال کے مطابق انکو جزا اور احسان فرمانے والا اللہ انکو ثواب عطا فرمادے گا۔

فَوْقَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّيْنَهُمْ نَصْرَةً وَسُرُورًا ۝ وَجَزَّاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَخَرِيْرًا ۝ (سورۃ الدھر، آیت نمبر 12-11)

ترجمہ: "پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس دن کے شر سے بچا لیا تازگی، اور سرور ان کے سامنے لایا اور صبر رکھنے کے عوض انکو جنت اور حریر کا لباس عطا فرمایا"۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۝ فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (سورۃ القمر، آیت نمبر 55-54)

ترجمہ: "بلاشبہ پرہیزگار لوگ جنتوں اور نہروں میں۔۔۔۔۔ اپنے قدرت والے بادشاہ کے پاس صدق کے مقام میں ہوں گے"۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ۝ (سورۃ الرحمن، آیت نمبر 46)

ترجمہ: "اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے (خصوصیت کے ساتھ) اس کو دو جنتیں ملیں گی"۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ۝ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 201)

ترجمہ: "یقیناً جب کبھی شیطان پرہیزگاروں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے تو اس وقت وہ خدا کو یاد کرتے ہیں اور ان کو حق و باطل کا فرق فوراً معلوم ہو جاتا ہے"۔

عداوتِ شیطان

صاحبِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ علماء اور صلحاء سے محبت رکھے ان کی صحبت اختیار کرے۔ ضروری ہے کہ دینی معلومات حاصل کرتا رہے۔ ان کی نصیحت کو وظیفہ عمل بنائے۔ برے اعمال سے دور رہے اور شیطان کو دشمن سمجھے۔ فرمانِ خالق کائنات ہے کہ

أَنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا "بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے لہذا اسے دشمن قرار دو"۔ (سورۃ فاطر، آیت نمبر 6)

اللہ کی عبادت کر کے شیطان سے دشمنی کا اظہار ہوتا ہے اور نافرمانی سے شیطان سے بیچ کر رہو۔ جب تم کوئی کام کرو تو شیطان کا خاص دھیان رکھو اس لیے کہ ریاکاری کے روپ میں حملہ آور ہوتا ہے اور برائیوں کو خوب صورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس لئے ہر حالت میں اللہ کی پناہ اور مدد کے طلب گار رہنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے ایک خط کھینچا پھر فرمایا "یہ اللہ کی راہ ہے" پھر اُس کے دائیں بائیں کئی لکیریں کھینچی پھر فرمایا: "تمام راستے ایسے ہیں جن پر شیطان بیٹھا دعوت دے رہا ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے آیت تلاوت فرمائی (سورۃ انعام، آیت نمبر 153)

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَنَفَّرَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ

ترجمہ: "اور یہ میرا سیدھا راستہ بھی ہے تم اسی پر چلنا دیگر راستوں پر نہ چلنا (یعنی ان میں تمیز کرنا) اگر تم نے دوسرے راستے اختیار کیے تو اللہ کی راہ سے الگ ہو جاؤ گے۔" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے شیطان کے متعدد راستوں سے متنبہ فرمایا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا۔ شیطان نے ایک لڑکی کو بیمار کر کے اس کے ماں باپ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ لڑکی کو اس راہب کے پاس علاج کے لئے لے جاؤ۔ راہب نے لڑکی کو اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا۔ لیکن بعد ازاں وہ لڑکی والوں کے بے حد اصرار پر لڑکی کو اپنے پاس رکھنے پر راضی ہو گیا۔ جب راہب اس لڑکی کا علاج کر رہا تھا تو شیطان نے اسے مباشرت پر ابھارا اور جب وہ مباشرت سے حاملہ ہو گئی تو شیطان نے اسے کہا "اسے قتل کر دو اور اس کے گھر والوں سے کہہ دو کہ علاج ہو رہا تھا لیکن اس کی موت آپہنچی۔" جب لوگ آئے تو راہب نے کہا "لڑکی مر گئی ہے۔ جب لوگوں نے راہب کو پکڑ لیا تا کہ قتل کر دیں تو شیطان نے کہا "تمہارے چھٹکارے کا صرف ایک راستہ ہے کہ تو مجھے دوبار سجدہ کرے۔" جب راہب نے کر دیا تو شیطان نے کہا "میں تجھ سے بیزار ہوں" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (سورۃ الحشر، آیت نمبر 16)

كَمْثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلنَّاسِ اكْفُرُوا فَلَمَّا كَفَرُوا قَالِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ

ترجمہ: "شیطان کی طرح جس نے انسان سے کہا کفر کر جب اس نے کفر کیا تو شیطان نے کہا میں تجھ سے بری ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب۔" شیطان نے امام شافعیؒ سے پوچھا "اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جس نے مجھے جیسا چاہا پیدا کیا اور جو چاہا مجھ سے کرایا۔ اس کے بعد وہ مجھے چاہے جنت میں بھیج دے یا جہنم رسید کرے کیا ایسا کرنے والا عادل ہے یا ظالم۔" امام شافعیؒ نے تھوڑے دیر سوچنے کے بعد فرمایا "اے آدمی اگر اس نے تجھے اس طرح پیدا کیا ہے جیسا کہ تو چاہتا ہے تو اس نے تجھ پر ظلم کیا اور اگر اس نے تجھے اس طرح پیدا کیا جیسا کہ وہ چاہتا تھا تو یاد رکھ اس سے پریش نہیں ہوگی جو وہ کرتا ہے۔" یہ سن کر شیطان شرم سے پانی پانی ہو گیا اور کہنے لگا کہ "یہ سوال کر کے میں ستر ہزار اہدوں کو گرماہی کے گڑھے میں دھکیل چکا ہوں۔"

یاد رہے قلب انسان ایک قلعہ ہے شیطان انسان کا دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ قلعہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لے۔ قلعہ کی حفاظت کے لئے دروازوں کی حفاظت ضروری ہے۔ جسے حفاظت کرنا نہ آتا ہو وہ کیسے حفاظت کرے گا؟ وسوساں شیطانی سے دل کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ اس واجب پر عمل اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب تمام شیطانی گزرگاہوں سے واقفیت ہو، ان گزرگاہوں سے واقفیت بھی لازمی ٹھہری، یہ گزرگاہیں انسان ہی کی پیدا کردہ ہیں جیسے غصہ، شہوت، غصہ عقل پر غالب آ کر شیطانی لشکر کے حملہ کی راہ ہموار کرتا ہے۔ جب انسان غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو شیطان اس سے اس طرح کھیلتا ہے جس طرح بچہ گیند سے کھیلتا ہے۔ ایک اللہ کے بندے نے شیطان سے پوچھا "تو انسان پر کیسے قابو پاتا ہے؟" شیطان نے کہا "میں اس پر غصہ اور شہوت کے حالات میں قابو پاتا ہوں۔" شیطان کے متعدد راستوں میں سے حسد اور لالچ کے راستے بھی ہیں۔ حرص اور لالچ انسان کو اندھا بنا دیتے ہیں۔ حرص میں ہر بری چیز کا حسن اور خوشنما چہرہ بنا کر شیطان پیش کرتا ہے، شہوت غالب آتی ہے اور انسان ہر برائی کو قبول کرتا چلا جاتا ہے۔

کشتی نوح میں شیطان:- روایت ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی میں سوار ہوئے تو آپ نے ہر جنس کا جوڑا سوار کرایا تھا۔ جب اپنے احباب کے ہمراہ سوار ہوئے تو ایک اجنبی بوڑھے کو دیکھ کر آپ نے پوچھا "تجھ کو کس نے کشتی میں سوار کیا؟" اس نے کہا "میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھیوں کے دلوں تک رسائی کر

سکو۔ پھر ان کے دل میرے ساتھ اور جسم آپ کے ساتھ ہوں۔" حضرت نوحؑ نے کہا "اے اللہ کے دشمن تو ملعون ہے یہاں سے نکل جا"۔ ابلیس نے کہا "پانچ باتیں ایسی ہیں جن کے ذریعے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں"۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو بذریعہ وحی بتلادیا کہ "اسے کہہ کہ تمہاری تین باتوں کے ضرورت نہیں باقی دو باتیں بتا دو"۔ شیطان بولا کہ "وہ دو ایسی ہیں کہ مجھے جھٹلانے میں میری مدد کرتی ہیں۔ وہ حرص اور حسد ہیں۔ حسد کی بدولت میں خود ملعون اور مردود قرار پایا۔ حرص نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکال باہر کیا، اب میں لوگوں کو حرص کے ذریعے شکار کرتا ہوں"۔

شہوت بھی شیطان کا ہتھیار ہے۔ خوب سیر ہو کر کھانا اگرچہ پاکیزہ رزق کیوں نہ ہو شہوتوں کو ابھارتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت یحییٰؑ نے شیطان کو بہت سے پھندے اٹھاتے ہوئے دیکھا، پوچھا "یہ کیا ہیں؟" شیطان نے کہا "یہ شہوت کے پھندے ہیں جن کے ذریعے میں انسان کا شکار کرتا ہوں"۔ آپ نے پوچھا "کیا مجھ پر بھی تو نے کبھی کوئی پھندا ڈالا؟" شیطان نے کہا کہ "جب آپ خوب سیر ہو کر کھالیتے ہیں تو میں آپ کو نماز اور ذکر الہی سے سست کر دیتا ہوں"۔ آپ نے پوچھا "کوئی اور؟" شیطان نے کہا "بس اتنا ہی کافی ہے"۔ تب آپ نے قسم کھائی کہ آئندہ کبھی سیر ہو کر نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے جواباً قسم کھائی کہ "آئندہ کسی اہل ایمان کو نصیحت نہ کروں گا"۔

شیطان کا ایک اور راستہ دنیا کے مال و متاع پر فریفتگی ہے۔ جب انسان کو ان کی طرف مائل دیکھتا ہے تو انہیں اور زیادہ حسین انداز میں پیش کرتا ہے۔ انسان مکان کے تعمیر اور اس کے دروہام کی آسائش پر ٹکا رہتا ہے۔ اسے خوبصورت لباس، بہترین سواریوں اور طویل عمر امیدوں کے فریب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب کوئی یہ راہ اختیار کر لیتا ہے تو اس راہ سے واپسی مشکل ہو جاتی ہے۔ اور پھر انسان کی عمر بھی کتنی ہے ان ہی دلفریبیوں میں الجھا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس شیطانی راہ پر چلتے ہوئے اس کا آخری وقت آجاتا ہے اور وہ خالی ہاتھ اس ناپائیدار دنیا کو خیر آباد کہتا ہوا روانہ ہو جاتا ہے۔

طمع اور لمبی امیدیں رکھنا شیطان کا ایک اور راستہ ہے۔ حضرت صفوانؓ بن سلیم کہتے ہیں کہ "شیطان حضرت عبد اللہ بن حنظلہؓ کے سامنے آیا اور کہنے لگا "میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا "مجھے تیری نصیحت کی ضرورت نہیں"۔ شیطان نے کہا "سنو تو سہی اگر اچھی ہو تو قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔ جب تم غصہ میں غضبناک ہو جاؤ تو اپنے آپ کا دھیان رکھو کیونکہ جب کوئی غضبناک ہوتا ہے تو پھر میں اس پر غالب آجاتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ جو کچھ مانگنا ہے اللہ سے مانگو"۔

شیطان کا ایک اور راستہ جلد بازی ہے۔ یہ جلد بازی ثابت قدمی چھوڑ دینے سے ہوتی ہے۔ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "بر باری اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور جلد بازی شیطانی فعل ہے۔" (مشکوۃ المصابیح)

ہر وہ چیز جو انسان کی ضروریات سے زائد اس کے پاس جمع ہو وہ شیطانی اماں گاہ بن جاتی ہے۔

حضرت ثابت بنانیؓ کا قول ہے "جب ختم المرسلین ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری ہوئی تو شیطان نے اپنے تمام شاگردوں کو جمع کیا اور کہا کہ "آج کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے جاؤ جا کر معلوم کرو آسمانی راستے ہمارے لیے کیوں بند کر دیئے گئے ہیں؟" تمام چیلے ہر طرف پھیل گئے۔ ابلیس خود بھی یہ راز معلوم کرنے کے لئے نکلا آخر کار اس نے معلوم کر لیا کہ "آپ خاتم النبیین ﷺ کو معبود فرمایا گیا ہے"۔ اب ابلیس نے اپنے تمام لشکر صحابہ کرامؓ کے پیچھے لگا دیئے لیکن بہت عرصے تک صحابہ کرامؓ پر کام کرنے کے بعد شیطان کا یہ لشکر اپنے سر پر خاک ڈالتا ہوا ابلیس کے پاس ناکام و نامراد واپس آگیا۔ ابلیس نے پوچھا "کیا ہوا؟" انہوں نے کہا کہ "یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) ہمارے قابو میں آنے والے لوگ ہی نہیں ہیں۔ ان پر ہمارے کسی ہتھکنڈے کا اثر ہی نہیں ہوتا"۔ ابلیس نے کہا کہ "واپس جاؤ تم کام کرتے رہو عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کریں گے"۔ اس کے بعد ابلیس کا یہ لشکر تابعین اور تبعہ تابعین کے زمانے میں اسی طرح اپنے سروں پر خاک ڈالتا ہوا حاضر ہوا۔ ابلیس نے پوچھا "کیا ہوا؟" انہوں نے بتایا کہ "ان لوگوں پر ہمارا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہم بہت محبت اور کوشش سے کچھ لوگوں کی عبادت میں کاہلی، سستی ڈالنے میں یا کوئی چھوٹی موٹی غفلت کروانے میں اگر کامیاب ہو بھی جاتے ہیں تو رات کے وقت یہ لوگ اتنا روتے اور اتنی توبہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا ثواب دگنا کر دیتا ہے اور ان کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ ان کے نامہ اعمال سے ان کی کاہلی، سستی اور غفلت ختم کر دی جاتی ہے"۔ ابلیس نے کہا "تم کام کرتے رہو عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کریں گے جو گناہ کو گناہ نہیں سمجھیں گے اور جب گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھا جائے گا تو توبہ کون کرے گا؟ اس وقت تمہاری دال خوب گلے گی"۔ سواب وہ وقت آگیا ہے کہ کسی بھی گناہ کو چاہے وہ بے پردگی ہو، ناچ گانا، جھوٹ، فحاشی، غیبت، عیب جوئی، طنز، طعنہ زنی غرض کسی بات کو گناہ ہی نہیں جانا جاتا تو پھر توبہ کیسی؟ اب شیطان بہت کامیاب ہو گیا ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یحییٰؑ ایک پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے شیطان کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے کہا "اے یحییٰؑ تو نے دنیا کو کیوں مرغوب نہ جانا؟" "حضرت یحییٰؑ نے اسے پکڑ کر اس کی گدی میں ایک مکار سید کیا اور فرمایا "یہ لے جایہ تیرے لیے دنیا ہے۔"

شیطانی راستوں میں سے ایک راستہ فقر و فاقہ اور پھر بخل ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں اللہ کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے سے روکتی ہیں۔ انسان کو ذخیرہ اندوزی، خزانے بھرنے اور پھر عذاب الیم کی طرف لے جاتی ہیں۔ بخل کی بدولت بخیل بازاروں کا چکر لگاتا رہتا ہے تاکہ مزید مال و دولت جمع کرتا رہے۔ وہاں شیطان اس کی گھات میں رہتا ہے۔ شیطان کا ایک راستہ انسان کو مذہب سے اکتاہٹ اور پھر نفرت، خواہشات کی پیروی، مخالفین سے بغض اور حسد اور انہیں حقارت سے دیکھنا ہے۔ یہ چیزیں عابد اور فاسق دونوں کو ہلاک کر دیتی ہیں۔

حضرت حسنؑ کا ارشاد ہے کہ شیطان نے کہا "میں نے افراد امت محمدیہ خاتم النبیین ﷺ کو بھول بھلیوں میں بھٹکا یا مگر انہوں نے استغفار سے مجھے شکست دی۔ بعد ازاں میں نے انہیں ایسے گناہوں میں پھنسا یا ہے کہ وہ اب استغفار نہیں کریں گے۔ وہ ان گناہوں کو گناہ نہیں سمجھیں گے اور جب گناہ کو گناہ نہیں سمجھا جائے گا تو استغفار کیسا؟ یعنی میں نے انہیں ایسی خواہشات میں پھنسا دیا ہے جن کو وہ گناہ نہیں سمجھتے۔"

شیطان کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ خواہشات ہی ہر گناہ کی طرف راغب کرتی ہیں۔ لہذا ان سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے۔ شیطان نے ایک راستہ مسلمانوں میں بدگمانی پھیلانے کا بنا رکھا ہے۔ لہذا اس بد بخت سے اور دیگر بد بختوں سے بچنے کا واحد طریقہ بدگمانیوں سے بچنا ہے۔ اگر ہم کسی کو دیکھیں کہ عیب جوئی کرتا ہے اور بدگمانی پھیلاتا ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ خود بھی بد باطن ہے۔ اس سے باخبر رہ کر دوسروں کو اس سے بچانا چاہیے۔ لہذا ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایسے شخص کی باتوں پر توجہ دینے کی بجائے اس کو روکے اور اس شیطانی راستہ کو بند کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے دل کو محفوظ قلعہ بنائے۔

ابن اسحاقؒ سے روایت ہے کہ جب قریش مکہ نے صحابہؓ کو ہجرت کرتے اور دیگر قبائل کو مسلمان ہوتے دیکھا تو انہیں خیال آیا کہ "کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ بھی ہجرت کر جائیں۔ اور پھر اجتماعی طاقت پیدا کر کے ہمیں شکست دے دیں۔" لہذا ان کا خیال رکھا جائے (یہ نکلنے نہ پائیں) قصی بن کلاب کا مکان دارالندو کہلاتا تھا۔ اس جگہ پر اہم امور کے فیصلے ہوتے تھے۔ یہاں چالیس سال سے کم عمر کا آدمی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ صرف اہل قریش کے بزرگ لوگوں کی اجتماع گاہ تھی۔ یہاں ہفتہ کے دن قریش اکٹھے ہوتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہفتہ کے دن کو مکہ و فریب کا دن قرار دیا۔ ایک ہفتے کو یہ لوگ اکٹھے ہوتے تو دیکھا کہ دروازے پر ایک باوقار بوڑھا آدمی کھلے اوٹھے ریشمی ٹوپی پہنے کھڑا ہے کہنے لگا "میں محمدؐ سے آیا ہوں، جو مشورہ تم کر رہے ہو میں نے سنا ہے میں اب اس لیے آیا ہوں کہ تمہارا فیصلہ سن سکوں شاید میں تمہیں کوئی بہتر مشورہ دے سکوں۔" قریش کی اجازت پر وہ اندر چلا گیا۔ ابوالبختری جو بدر میں واصل جہنم ہوا۔ اس نے مشورہ دیا "محمد خاتم النبیین ﷺ کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ ڈالو۔ دروازے بند کر کے انتظار کرو۔ اس جیسے شاعروں کا جو حشر ہوا وہ اس کا بھی ہو جائے گا۔" اس بوڑھے نے کہا "یہ کوئی اچھی رائے نہیں ہے اگر تم ایسا کرو گے تو وہ کسی نہ کسی طرح نکل کر اپنے صحابہ کے پاس پہنچ جائے گا پھر خطرہ ہے کہ وہ تعداد بڑھ جائے گی اور تم پر حملہ آور ہوگی تمہاری چیزیں چھین لیں گے اور کوئی مشورہ کرو، ربیعہ بن عمرو العامری نے رائے دی "محمد خاتم النبیین ﷺ کو جلاوطن کر دو جہاں چاہیں چلے جائیں ہمیں پرواہ نہیں بس ہمارے ہاں نہ رہیں، بوڑھے شخص نے کہا "تم نے اس کی باتیں سنیں ہیں۔ تم اسے جلاوطن کر کے مطمئن ہو جاؤ گے۔ لیکن اس نے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں۔ کسی بھی قبیلے کو اپنے ساتھ ملا کر تمہاری سلطنت چھین لے گا۔ پھر تمہارے بارے میں جو چاہے گا کرے گا یہ مشورہ اچھا نہیں ہے کوئی اور ترکیب کرو۔" ابو جہل نے کہا "میں تمہیں رائے دیتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم ایسا کرو گے، میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلے سے ایک مضبوط اور صاحب حسب نسب نوجوان کو حاصل کرو۔ ہر نوجوان کو ایک تیز تلوار دو۔ اس کے بعد سب ایک ہی وار کر کے ایک دم خاتمہ کر دیں اور قتل کر کے ان سے نجات حاصل کر لیں۔ اس طرح ان کا خون بہا بھی تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا۔ اس طرح بنو عبد مناف (ہاشمی) تمام عرب سے جنگ مول نہ لے سکیں گے اور ہم دیت دے دیں گے۔" بوڑھے نے کہا "اس سے بہتر کوئی مشورہ نہیں ہے، سب قتل کا عہد کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ بوڑھا شخص ابلیس تھا۔ اس موقع پر سورہ الانفال، آیت نمبر 30 نازل ہوئی۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَشْيُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ

ترجمہ: "اور جب کافر آپ (خاتم النبیین ﷺ) کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے کہ آپ (خاتم النبیین ﷺ) کو قید کریں یا قتل کریں۔"

اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی "آج رات آپ اپنے بستر پر استراحت نہیں فرمائیں گے۔" اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کو سب کچھ بتایا۔ اور سردارانِ نبیاء خاتم النبیین ﷺ کو اللہ نے ہجرت کا حکم دیا۔

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت علیؑ کو تمام باتیں بتائیں اور لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ آپ خاتم النبیین ﷺ کے بستر پر چادر اوڑھ

کر لیٹ گئے جو آپ خاتم النبیین ﷺ جمعہ یا دو عیدین کے موقع پر اڑھا کرتے تھے۔ اس طرح آپؐ نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ اس سلسلے میں حضرت علیؓ سے چند اشعار مروی ہیں۔

ترجمہ: "میں نے اپنی جان سے اس کی حفاظت کی جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل ہے۔ جو ہر طواف کرنے والے اور حجر اسود کو چومنے والے سے بہتر ہے۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ کو قریش مکہ کے فریب کا پتہ چلا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب سے ان کو فوراً اُچھلایا۔ رسول پاک خاتم النبیین ﷺ نے غار ثور میں اللہ تعالیٰ کے حفاظت میں رات انتہائی سکون سے گزاری میں قریش کے روبرو سویا ہوا تھا۔ اس طرح کہ میں خود قتل و قید کے لئے پوری طرح آمادہ کئے ہوئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کے نوجوانوں کو اندھا کر دیا اور رسول پاک خاتم النبیین ﷺ ان پر مٹی پھینک کر یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل آئے:

فَأَغْشَيْنَهُمْ فَهْمٌ لَا يُبْصِرُونَ ترجمہ: "جس سے ہم نے ان کو ڈھانک دیا سو وہ نہیں دیکھتے۔" (سورۃ یس، آیت نمبر 9)

پھر جہاں چاہا آپ خاتم النبیین ﷺ وہاں چلے گئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے جانے کے بعد ان لوگوں کے پاس ایک اور شخص آیا اس نے انہیں بتایا کہ "تم یہاں کیا کر رہے ہو وہ تو تمہارے سروں پر مٹی ڈال کر نکل گئے ہیں۔" یہ ابلیس تھا۔ یہ سن کر ہر آدمی نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ اس پر مٹی تھی۔ مکان کے اندر جھانک کر دیکھا وہاں کوئی لیٹا ہوا تھا۔ جب چادر اٹھائی تو وہ حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا اس شخص نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو ہجرت کی اجازت فرمائی اور جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ خاتم النبیین ﷺ سے کہا کہ "آپ ابو بکر صدیقؓ کو اپنا ہجرت کا ساتھی منتخب فرمائیں۔" حاکمؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کا فرمان ہے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا "میرا ہجرت کا ساتھی کون؟" انہوں نے کہا "ابو بکر صدیقؓ"۔ اور حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "تم میرے بعد ہمیں رہنا اور لوگوں کی امانتیں واپس کر کے آنا۔" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں "ہم ہجرت کے دن گھر پر دو پہر کے وقت بیٹھے ہوئے تھے اور خوب گرمی تھی۔"

طبرانی نے حضرت اسماءؓ بنت صدیق اکبرؓ کے نام سے روایت کی ہے کہ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ مکہ مکرمہ میں ہمارے گھر دن میں دو بار صبح شام تشریف لاتے تھے۔ ہجرت کے دن خلاف معمول دو پہر کو آپ خاتم النبیین ﷺ تشریف فرما ہوئے۔ میں نے کہا "ابا جان رسول پاک خاتم النبیین ﷺ سر ڈھکے ہوئے اس وقت تشریف لا رہے ہیں۔" حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا "آپ خاتم النبیین ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ خاتم النبیین ﷺ کسی خاص وجہ سے تشریف لا رہے ہیں۔" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اندر تشریف لائے تو ابو بکرؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کے لئے چار پائی خالی کر دی۔ اس پر آپ خاتم النبیین ﷺ تشریف فرما ہوئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ "گھر میں اگر کوئی غیر ہے تو اسے باہر بھیج دو۔" سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا "حضور خاتم النبیین ﷺ گھر میں صرف میری بیٹیاں ہیں۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اللہ نے مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے تم میرے ساتھ رہو گے" سیدنا صدیق اکبرؓ نے آپ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ "یہ میرے پاس دو سواریاں ہیں ایک سواری آپ پسند فرمائیے۔" آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "میں قیمتاً لوں گا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ ہجرت میں مال کی قربانی بھی جان کی قربانی کے ساتھ ہو۔"

سیدنا عائشہؓ صدیقہؓ کا فرمان ہے "ہم نے جلدی جلدی سامان سفر درست کیا حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور اپنے والد صدیق اکبرؓ کے لئے بہترین سامان سفر باندھ کر اسے ایک تھیلے میں ڈال دیا۔" سیدنا اسماء بنت ابوبکرؓ کا کہنا ہے "میرے والد پانچ ہزار درہم ہمراہ لے کر نکلے تھے جب قریش انہیں نہ پاسکے تو کھوج لگانے والوں کو پتہ چلا ان کے لئے بھیجا مگر ناکام رہے۔ اس پر پتہ بتانے والے کے لئے سواوٹ انعام رکھا۔" حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور صدیق اکبرؓ نے غار ثور میں تین راتیں گزاریں۔ اس غار میں ثور بن عبد مناف ٹھہرا تھا۔ اس وجہ سے اسے غار ثور کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ جو نبی حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور صدیق اکبرؓ غار ثور میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر کیکر کا درخت پیدا کر دیا۔ جس نے غار کے منہ کو ڈھانپ لیا۔ مکڑی نے جال تن دیا اور باہر کبوتروں نے گھونسلا بنا کر انڈے دے دیئے۔ یہ سب کچھ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ اور صدیق اکبرؓ کو دشمنوں سے بچانے کے لئے کیا گیا۔ ان کبوتروں کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجر عطا کیا کہ آج حرم کعبہ میں ان ہی کی نسل ہے اور کوئی بھی ان کا شکار نہیں کر سکتا۔ قریشی نوجوان ڈنڈے لاٹھیاں اور تلواریں سنبھالے آپ خاتم النبیین ﷺ کی تلاش کو نکل گئے۔ چند ایک غارتک پہنچ گئے۔ انہوں نے درخت کی پھیلی ہوئی شاخیں مکڑی کے جالے اور کبوتروں کے انڈوں کو دیکھا اور کہنے لگے "اگر کوئی اس غار میں داخل ہوتا تو کبوتروں کا یہ گھونسلا ٹوٹ جاتا اور کبوتر اڑ جاتے۔" امیہ بن خلف نے کہا "یہ جال تو محمد خاتم النبیین ﷺ کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔" اس معجزہ سے اللہ تعالیٰ نے قوم قریش کو کس طرح شکست دی یہ آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "جب ہم غار میں تھے میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا "اگر یہ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو یقیناً یہ ہمیں دیکھ لیں گے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "ابوبکر ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے"۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے "جب ابوبکرؓ نے یہ خدشہ ظاہر کیا تو آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا "اگر یہ ادھر سے داخل ہوں گے تو ہم ادھر سے نکل جائیں گے"۔ صدیق اکبرؓ نے جب غار کی دوسرے جانب نگاہ کی تو دیکھا کہ قریب سمندر بہہ رہا ہے اور کنارے پر کشتی بندھی ہوئی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ جب حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے ہمراہ صدیق اکبرؓ چل رہے تھے تو کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ کے آگے ہوتے کبھی آپ خاتم النبیین ﷺ کے پیچھے۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے بتایا کہ "مجھے گھات میں بیٹھے دشمن کا خیال آتا ہے کہ میں آگے ہو جاتا ہوں کہ اگر کوئی وار کرے تو مجھ پر ہو۔ جب پیچھے سے خطرہ محسوس کرتا ہوں تو پیچھے ہو جاتا ہوں"۔ جب غار کے قریب پہنچے تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پہلے میں غار میں داخل ہوں گا تا کہ غار کو صاف کر دوں"۔ اندر پہنچ کر غار کو صاف کیا۔ کہیں سوراخ نظر آیا کپڑا پھاڑ کر اسے بند کر دیا یہاں تک کہ سارا کپڑا ختم ہو گیا۔ حضور پاک خاتم النبیین ﷺ غار میں داخل ہوئے۔ صدیق اکبرؓ کی گود میں سر رکھا اور سو گئے۔ آپؓ نے اپنی ایڑھی ایک سوراخ کے منہ پر رکھ کر اسے بند کر رکھا تھا اس سوراخ سے سانپ نے آپؓ کو ڈس لیا آپؓ کے آنسو بہہ نکلے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے چہرے پر پڑے آپ خاتم النبیین ﷺ نے پوچھا "ابوبکرؓ کیا بات ہے؟" عرض کیا "یا رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سانپ نے ڈس لیا ہے"۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے لعاب دہن لگایا اور زہر کا اثر زائل کر دیا۔ مکہ مکرمہ سے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جمعرات کو روانہ ہوئے اور پیر کے دن باہر آئے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ تین رات غار میں رہے۔ یہ ربیع الاول کی یکم تھی 12 ربیع الاول بروز جمعہ آپ خاتم النبیین ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے۔

موت کے وقت شیطان کا حملہ:- ذکرِ یامی ایک زاہد بیمار ہو گیا۔ اس پر سرکرا کا عالم طاری تھا۔ اس کے دوست نے اسے کلمہ طیبہ پڑھنے کو کہا۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ دوست نے اس طرف جا کر تلقین کی اس نے ادھر سے ادھر منہ پھیر لیا۔ جب دوست نے تیسری مرتبہ کلمہ کے لئے کہا تو اس نے کہا "میں نہیں کہتا یہ الفاظ سن کر دوست بے ہوش ہو گیا"۔ اسے ہوش آیا تو زاہد آنکلیں کھول چکا تھا۔ دوست نے سب واقعہ کہہ سنایا کہ "تم نے یہ کیا کہا؟" زاہد نے کہا "شیطان میرے پاس پانی کا پیالہ لا کر کہنے لگا تجھے پانی کی ضرورت ہے"۔ میں نے کہاں "ہاں" شیطان نے کہا "کہو عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کے بیٹے ہیں۔ میں نے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ دوسرے طرف گیا اور یہی الفاظ دہرائے میں نے منہ پھیر لیا۔ تیسری مرتبہ اس نے کہا کہو میں نے کہا نہیں کہتا۔ اس پر وہ پانی کا پیالہ زمین پر پھینک کر بھاگ گیا۔ میں نے تو یہ الفاظ شیطان کو کہے تھے"۔ پھر وہ کلمہ شہادت کا ذکر کرنے لگا۔ (یعنی کلمہ شہادت پڑھنے لگا)

عمر بن عبد العزیزؒ سے روایت ہے کہ "کسی نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے شیطان کا طریق کار دکھا دے کہ وہ کس طرح وسوسے دل میں ڈالتا ہے"۔ اس نے خواب میں ایک ایسا آدمی دیکھا جس کا اندر اور باہر شیشے کی طرح صاف تھا۔ شیطان کو دیکھا کہ "اس کے بائیں کندھے پر بیٹھا اس نے باریک ناک کو اس کے دل میں داخل کیا اور وسوسے ڈالنے لگا۔ جب وہ ذکر اللہ کرتا تو وہ پیچھے ہٹ جاتا"۔

اے خالق ارض و سما بواسطہ ختم المرسلین خاتم النبیین ﷺ ہمیں شیطان مردود کے تسلط سے بچا۔ حاسد زبان سے نجات عطا فرما اور اپنے ذکر و شکر کی توفیق عنایت فرما۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیاطین جنات

مخلوق کی تین قسمیں بتائی ہیں:

(1) انسان (2) فرشتے (3) جنات

(1) انسان : اشرف المخلوقات ہے۔ تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔

(2) فرشتے: یہ نورانی مخلوق ہیں۔ اور اپنے مخصوص اوصاف اور کمالات کے ساتھ ان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار انتظامی اختیارات عطا فرمائے ہیں۔

(3) جنات: جنات آگ سے پیدا کی گئی مخلوق ہے۔

انسانوں کے اندر جو خبیث لوگ ہوتے ہیں اور جنات کے اندر جو خبیث جنات ہوتے ہیں وہ شیطان کہلاتے ہیں۔ یہ الگ سے کوئی مخلوق نہیں ہے۔ یہ بدی بد ہیں اور یہ ہر قسم کی خیر سے دور ہیں۔

قرآن پاک سورۃ کہف، آیت نمبر 50 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: ”مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا وہ جنوں میں سے تھا۔ تو اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔“

جنات کی اس قسم کے اندر تکبر، غصہ، بغض، کینہ، غرور اور اپنے آپ کو سمجھنے کا بے جا فخر ہوتا ہے۔ سرکشی اور شرارت ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر شریر اور سرکش جن، انسان اور حیوان کو شیطان کہتے ہیں یہ انسان کے دل میں وسوسے ڈال کر انسانوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

شیطان میں اس سے زیادہ سرکش کو ”مادر“ اور حد سے زیادہ سرکش کو ”عفریت“ کہا جاتا ہے۔ ان تمام تر خصوصیات کے حامل صرف شیطان ہی نہیں انسان بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن پاک نے یہ بات صراحت کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ شیاطین جنات میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔

چنانچہ سورۃ الانعام، آیت نمبر 112 میں فرمان الہی ہے:

ترجمہ: ”(ہم نے) شیطان سیرت انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا ہے اور وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں (ملع کی ہوئی) خوش آئندہ چکنی چڑی باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔“

قرآن پاک میں جنوں کی زبانی اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ سورۃ جن، آیت نمبر 11 میں ہے:

ترجمہ: ”اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے۔“

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو حکم ہوتا ہے ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان کے فرشتوں کو وہ حکم بتا دیتے ہیں۔ (بالا آخر آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہیں) اس وقت شیطان اس خبر کو خفیہ طور پر سن کر بھاگتے ہیں۔ اور اپنے دوست کا ہنوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں اور اس میں 100 فیصد جھوٹ اور ملا دیتے ہیں۔“ (بخاری 4/135)

جنات خاص طور پر سرکش جنات انسانوں کو بہت ستاتے ہیں۔ یہ انسانوں کے بری طرح پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اور جن کے پیچھے پڑ جائیں ان کا جینا دشوار کر دیتے ہیں۔ کچھ جنات تو انسانوں کی نسلیں تک تباہ کر دیتے ہیں کیونکہ جنات کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ جب ایک نسل ختم ہو جاتی ہے تو یہ دوسری نسل کو ستانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ایک ناختم ہونے والا سلسلہ بن جاتا ہے۔

اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جنات شیاطین کا کام انسانوں کو ستانا ہے۔ یہ کس کس طرح سے ستاتے ہیں اور کس طرح سے وسوسے ڈالتے ہیں اس سلسلے میں عبقری کے مضمون ”جنات کا پیدائشی دوست“ لاہوتی صاحب کی زبانی سنئے۔ وہ بتاتے ہیں کہ: ”جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ رمضان کے بعد شادیوں کا سلسلہ انسانوں اور جنات میں چلتا ہے۔ جنات کی اکثریت شادیوں میں اپنے اخراجات کم سے کم رکھتے ہیں۔ جنات مسلمان ہوں یا غیر مسلم شروع ہی سے ان کی ریت شادیوں میں خرچہ کم کرنے کی ہے۔ یہ سنت کے مطابق سادگی کو پسند کرتے ہیں۔ میں ایک دفعہ ان کی شادی میں گیا تو ان سے پوچھا ”آپ شادیوں پر بہت زیادہ اخراجات کا اہتمام نہیں کرتے کیوں؟“ یہ جن لکڑی کا کام کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی تعمیر کا کام بھی کرتے تھے۔ وہ کہنے لگے ”دراصل ہمارے ہاں ایک بات شروع سے چلی آرہی ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جو خرچہ شادی میں غیر شرعی ہوگا اور جس شادی میں میوزک، گانا، بجانا، ناچنا ہوگا، پھولوں اور سجاوٹ پر بے جا خرچ کیا جائے گا۔ ایسی شادیاں اکثر کامیاب

نہیں ہوتیں۔“ یہ گفتگو میں نے ان کی سنی تو مجھے احساس ہوا کہ وہ بہت سمجھ دار ہیں۔ اور ان لوگوں کے دل میں بہت زیادہ یہ احساس ہے کہ بڑوں کی ریت روایت کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہر کام سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خاص طور پر انہوں نے مرد اور عورت اکٹھے ہو کر جو ناچ گانا کرتے ہیں اس سے نفرت کا اظہار کیا۔ اس لئے جنات کی زیادہ تر شادیاں سادگی سے ہوتی ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا ”انسان بہت کم ہیں جو سادگی اختیار کرتے ہیں۔ اور سادگی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ انسانوں کے ہاں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے مزاج میں تصنع ہے، بناوٹ ہے اور جو زمانے کو دکھانے کے لئے شادیوں پر بہت زیادہ خرچہ کرتے ہیں۔“ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ جو کچھ یہ جن کہہ رہا ہے بالکل سچ اور حقیقت بتا رہا ہے۔

پھر لاہوتی صاحب نے بتایا ”پچھلے ہفتے ٹھٹھہ جیل کے داروغہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی کہ میرے بیٹے کی شادی ہے آپ اس میں ضرور تشریف لائیں۔ میں نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ میں بہت عرصے سے ٹھٹھہ جیل نہیں جا سکا تھا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ وہاں پر کچھ قیدیوں سے ملاقات بھی کر لوں گا۔ اور قیدیوں سے ان کے حالات بھی پوچھوں گا کہ وہ کس گناہ میں اور کس جرم کی پاداش میں قید ہوئے؟ اس سے یہ ہوگا کہ میں اپنے قارئین کو یہ بتا سکوں گا کہ جنات کہاں اور کیسے کیسے ہمارا نقصان کرتے ہیں؟“

ایک سواری آئی جو بہت بڑی چیل کی شکل کی تھی وہ آکر میرے گھر کی چھت پر بیٹھ گئی۔ میں جب جنات کی دعوت پر ان کی شادیوں میں یا ان کے بلانے پر ان کے پاس جاتا ہوں تو خوشبو بہت زیادہ استعمال کرتا ہوں۔ کیونکہ خوشبو نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کو پسند تھی۔ یہ فرشتوں کی غذا ہے اور وہاں پر نیک صالح جنات کی بھی غذا ہے۔ میں نے خوشبو لگائی اور جنات کی سواری میں جا بیٹھا۔ سواری پر ان کے دو خادم موجود تھے سواری کی اگلی نشست پر میں بیٹھا اور پچھلی نشست پر ان کے دو خادم بیٹھے جو حفاظت کے لئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب سواری بہت اونچی فضاؤں میں اڑتی ہے اور دائیں بائیں چونکہ ہوا میں جنات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ (ان کے حملوں سے بچنے کے لئے) سواری پر دو طاقت ور جنات حفاظت کے لئے ہوتے ہیں تاکہ کوئی دیو، جن وغیرہ نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں خود بھی مسنون دعائیں پڑھتا ہوں اور حفاظت والے اعمال کر لیتا ہوں۔ سال ہا سال سے یہ رابطہ ہے اور سال ہا سال سے یہ سلسلہ ہے۔ آج تک سواری کے دوران کوئی کسی قسم کا نقصان یا حملہ نہیں ہوا۔

تھوڑی ہی دیر میں ہم ٹھٹھہ کے ویرانے میں، بیابان اور دور پرے تک پھیلے ہوئے قبرستان میں چلے گئے۔ اور وہاں جا کر ہم اترے۔ وہاں بہت بڑا مجمع تھا۔ جو استقبال کے لئے آیا ہوا تھا اور دروغہ جیل خود آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کمرے میں آرام کے لئے بٹھایا میں نے کچھ دیر آرام کیا۔

صبح ناشتہ کے بعد تقریب کا آغاز ہوا۔ تقریب یہ تھی کہ بہت سے جنات جمع تھے اور سب سورۃ یس اور سورۃ رحمن پڑھ رہے تھے۔ یاد رہے کہ میں جب بھی جنات کی شادی میں شامل ہوا ہوں تو وہ سورۃ یس اور سورۃ رحمن بہت زیادہ پڑھتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ یہ دوسو تیس زیادہ پڑھنے کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے بتایا ”دونوں سورتیں ہمیشہ شریر جنات، شیاطین، جادو کے اثرات، شرپسندی اور نظر بد سے بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔ اس لئے ہم ان کی تلاوت کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ اس کی برکت یہ ہوتی ہے کہ ہمارے ہاں طلاقیں نہیں ہوتی۔ جھگڑے کم ہوتے ہیں۔ سکون، چین اور راحت ہوتی ہے۔ ایسی شادی کرنے والوں کی اولادیں اچھی زندگی گذارتی ہیں۔“ شادی میں سورۃ یس اور سورۃ رحمن کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے۔ فضول رسومات اور فضول خرچی نہ کی جائے۔ تو ایسی شادیاں ہمیشہ کامیاب ہوتی ہیں۔ ایسی شادیوں کی وجہ سے نسلوں کو فقر، غربت، تنگدستی اور بے اولادی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس لئے شادی میں سورۃ یسن اور سورۃ رحمن بہت پڑھنی چاہئے۔ پھر ان کا ایک مخصوص نغمہ ہوتا ہے وہ چند جنات مل کر پڑھتے ہیں۔ بہت ہی انوکھی سُر ہوتی ہے۔ ان کی آپس کی آوازوں کا ملاپ ہوتا ہے دراصل یہ نئے جوڑے کے لئے ایک زبردست دعا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہوتی ہے۔

”تم خوش رہو، خوش حال رہو، آباد رہو، شاد رہو، تمہیں خزاں کی ہوا اور فضا نہ چھوئے ہمیشہ بہاریں تمہیں چھوتی رہیں، ہمیشہ خوشیاں اور خوشحالیاں تمہیں چھوتی رہیں۔ زندگی میں ہمیشہ شاد آباد رہو۔“ اس طرح کا ایک لمبا سا نغمہ ہوتا ہے لیکن جنات اس کو پڑھنے میں کسی قسم کی جلدی یا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ اس میں ساز نہیں ہوتا، گانا بجانا نہیں ہوتا۔ بہت سے جنات واہ واہ اور سبحان اللہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ اور کچھ رو رہے ہوتے ہیں اور باقی سب خاموشی سے سن رہے ہوتے ہیں۔ مخصوص آواز والے جنات ہوتے ہیں۔ اور شادی میں شرکت کرنے والے بہت سے جنات ان مخصوص جنات کی آواز سننے کے لئے آتے ہیں۔ اور بعد میں اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ یا ان میں سے بعض اس شادی میں مدعو نہیں ہوتے۔ میزبان جنات کے ہاں ایسے جنات کا آنا ناگواری کا باعث نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف نغمہ سننے کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے کہ اس نغمے میں درد، سوز اور دعا ہوتی ہے۔

پھر نغمہ کے بعد نکاح ایجاب قبول ہوتا ہے اور اس کے بعد کھانا۔ میں نے چونکہ صبح کا ناشتہ کیا ہوا تھا اس لئے تھوڑا سا کھانا کھالیا۔ اس کے بعد میں نے داروغہ جیل سے

خواہش ظاہر کی ”میں چاہوں گا کہ جیل کے کچھ جنات قیدیوں سے ملوں۔“ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگے ”کچھ پرانے قیدی آپ کو یاد کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں نیکی کی تلقین کی تھی، کچھ نصیحتیں کی تھی اور واعظ بھی کیا تھا۔ بہت خوش ہیں۔ اکثر یاد کرتے ہیں ہم پیدل ہی چلتے ہیں ساتھ ہی جیل ہے۔“

جیل کی ایک بہت بڑی دیوار ہے لیکن یہ دیوار نہ اینٹوں کی ہے، نہ لوہے کی ہے، نہ پتھروں کی ہے۔ بلکہ یہ ایک طاقتور حصار ہے جس کو کوئی طاقتور دیو، جن یا جادوگر کبھی نہیں توڑ سکتا۔ وہ ایک خاص دیوار ہے اس کے دروازے ہیں اس کے دروازوں کے اندر بھی ایک دیوار ہے۔ کوئی شخص ان دروازوں سے باہر نہیں نکل سکتا۔

جنات چونکہ ایک سخت جان اور ناری مخلوق ہیں۔ اس لئے ان کی سزائیں بھی بہت سخت ہوتی ہیں۔ اس مرتبہ میری خواہش تھی کہ ایسے قیدی سے ملوں جس کا جرم سب سے بڑا ہو۔ میں نے دروغہ سے اس کا اظہار کیا تو وہ مجھے ایک ایسی بیرک میں لے گیا جس کے گرد سخت کانٹے تھے اور کانٹوں کے حصار سے انہوں نے بیرک کو بند کیا ہوا تھا۔

انہوں نے بتایا ”دراصل یہ خطرناک جنات کی بیرک ہے اور ان بیرکوں میں جنات مسلسل سزاؤں میں ہیں۔ یہ وہ جنات ہیں جنہوں نے انسانی عورتوں کو بے ابرو کیا اور انسانی شادیوں میں جا کر ان کے دلوں میں ایسے وسوسے ڈالے کہ وہ شادیوں کے نام پر عیاشی، گانا بجانا، عورتوں اور مردوں کا اکٹھے ہو کر ناچنا، ان کو گناہ کی طرف مائل کرنا۔ یہ ان کا جرم تھا۔ ہمارے جناتی قانون کے مطابق ایسا کرنا جرم ہے۔ ایسے بے شمار مجرم بھاگ جاتے ہیں۔ جو پکڑے جاتے ہیں۔ وہ اس جیل کی خطرناک قید میں موجود ہیں ہم اس لئے آپ کو یہاں لائے ہیں کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ مجھے کسی خطرناک قیدی سے ملوائیں۔“

ہم نے جیل کا دروازہ کھولا۔ کانٹوں کی دیوار ہٹائی۔ ہم اندر داخل ہوئے ایک خطرناک جن زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ نہ مل سکتا تھا نہ اٹھ سکتا تھا۔ اس کے کراہنے کی آواز آرہی تھی۔ دروغہ جن کے حکم سے اس کے آدھے جسم کو زنجیروں سے آزاد کیا گیا۔ باقی اس کے پاؤں اور آدھا جسم زنجیروں میں جکڑا رہا۔ وہ مودب ہو کر بیٹھ گیا۔ دروغہ جن کے پاس ہر قیدی کی پوری داستان ہوتی ہے کہ اس جن نے کیا کیا جرم کئے ہیں اور کیا کچھ کرتا رہا ہے؟ جسکی سزا میں یہاں قید کر دیا گیا ہے اور سزا بھگت رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا ”آپ کس جرم میں قید ہیں؟“ اس نے جواب دیا ”میرا جرم یہ ہے کہ میں انسانوں کی شادیوں میں جاتا، لطف اندوز ہوتا، ناچنے والوں کے ساتھ ناچتا، گانے والوں کے ساتھ گاتا۔ خاص طور پر جہاں عورتیں اور مرد اکٹھے ناچتے گاتے یا عورتیں اور مرد اکٹھے ہو کر فلمیں یا تصویر بناتے ہیں ان کے دل میں وسوسے ڈالتا اور ان کے شوق کو مزید ابھارتا۔ تم کتنے اچھے لگ رہے ہو۔ لوگ میری بات مان کر مزید فحاشی کے گانے گاتے، قہقہے لگاتے اور رات بھر یہی کرتے۔ میں لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ”شادی پر ناچ گانا نہ ہو تو رونق نہیں ہوتی۔ پیسے نہیں ہیں تو کیا؟ قرض لے لو اور بعد میں اتر جائے گا۔“ لوگ قرض لیتے پھر مصیبت میں پھنس جاتے ہیں ایسے لوگوں کی شادی میں میں لڑکوں کے دل میں یہ بات ڈالتا کہ فلاں فلاں لڑکی کتنی خوبصورت ہے اس طرح لڑکی اور لڑکیوں کو گناہ میں ڈھکیل دیتا۔ میں نے شادیوں کے دوران انسان کی انسان سے ہی ابروریزی کر دائی ان کو اس کا کچھ بچھتا دانتک نہ ہوتا۔ میں صرف یہی کرتا تھا۔ ہمارا کام تو بس وسوسہ ڈالنا اور تماشا دیکھنا ہے۔“

”تم یہ کام کرتے کیسے ہو؟“ اس نے کہا ”میں ایک نیم کے درخت پر رہتا تھا۔ ایک دن میرے کان میں ڈھولک کی آواز آئی۔ میں نے دیکھا عورتیں اور لڑکیاں ڈھولک بجا رہی ہیں، ابٹن لگا رہی ہیں۔ میں نے اس ڈھولک کی آواز میں شامل ہو کر اس کو مزید سر بیلایا۔ اور ان کے دل میں ڈالاکہ ڈھولک سے کچھ نہیں ہوتا، ناچنا بھی ہوگا۔ ایک نے ناچنا شروع کر دیا۔ میں نے ڈھولک کی آواز کو اور تیز کر دیا۔ وسوسہ ڈالا اور ان سب کا جسم تھرکنے لگا۔ رات گزرتی رہی، مرد بھی جمع ہوتے رہے۔ اس رات میں نے تین زنا کروائے۔ اس ایک زنا میں ناجائز حمل ٹھہرا جو انہوں نے چھپایا۔ تیسرے ماہ اس حمل کو ختم کر داتے ہوئے اس لڑکی کی جان چلی گئی۔ وہی گھر جو چند ماہ پہلے خوشیاں کا گہوارہ تھا۔ ناچ ناچ کر اور قہقہے لگا لگا کر لوگ لوٹ پھوٹ ہو رہے تھے۔ اسی گھر میں اس لڑکی کی میت پڑی تھی۔ اس کی شادی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ شادی اس کے سگے بھائی کی تھی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ہم لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ہم وسوسے ڈالتے ہیں۔ گناہ میں مبتلا کر کے خوشی اور لوگوں کو تکلیف میں دیکھ کر ہمیں تسلی ہوتی ہے۔ کوئی خوش ہو، خوش حال ہو، نیکی، ایمانداری، اور تقویٰ کی طرف چل رہا ہو اور اس کے پاس وسائل ہوں تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کے پاس وسائل کیوں ہیں؟ ان کے پاس چیزیں کیوں ہیں؟ ہمیں انسانوں کی نعمتوں سے چڑھ جاتی ہے۔ ہمیں تکلیف ہوتی ہے کہ یہ انسان نیکی کی طرف کیوں جا رہا ہے؟ انسانوں کی سادہ شادیوں، شادی میں قرآن پاک کا ذکر اور تسبیح کیوں کیا گیا؟ اور شادی سکون سے کیوں ہو رہی ہے؟ ایسی شادیوں میں ہمارا داد و نہیں چلتا۔ میں ایسی شادیوں پر خاص طور پر عورتوں کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہوں کہ ذکر اور قرآن کی محفل کے بعد ناچ گانے میں کیا حرج ہے؟ اس میں مجھے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ کیونکہ پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے ہی قرآن ختم، دعا ختم بس پھر میوزک، ہنسی، ہٹھے شروع۔ ہمیں انسانوں کے منہ پھاڑ پھاڑ کے ہنسنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ کیونکہ ہم ہر بدمعاش سے خوش ہوتے ہیں تیل، مہندی کی فضول رسمیں ہم مسلمانوں کے ہاں دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔“ پھر اس نے بتایا ”ایک ترکیب ہم اور چلاتے ہیں۔ تصاویر اور موویز بنانے والے لڑکوں اور آدمیوں کو ہم عورتوں کے قریب کرتے ہیں۔ اور نہ پوچھیے اندر جا کر کیا ہوتا ہے۔ خاص طور پر فوٹو شوٹ کے وقت لڑکے دہن کے جسم کو آرام سے چھو لیتے ہیں۔ میں اکثر

ان لڑکوں کا رابطہ عورتوں سے کرواتا ہوں۔ اور پھر مودی بنانے والے لڑکے اور گھر کی خواتین گناہوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ یہ گناہوں میں ڈوبے رہیں۔ میری شرارت یہی ہوتی ہے کہ میں لوگوں کو عیاشی، فضول خرچی کی طرف مبتلا کرتا رہوں۔ پھر میں خود بھی اس عیاشی سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ ایک نفرت دلانے کا کام میں یہ کرتا ہوں کہ ان کے عیاشیوں کے بعد جب آہستہ آہستہ ان میں جھگڑا، نفرتیں اور تنگ دستی کا زمانہ آتا ہے۔ تو میں یہ وسوسہ ڈالتا ہوں کہ یہ تو سراسر جادو ہے۔ فلاں جگہ جاؤ۔ پھر جادو گروں کے چکر اور ان کے گھناؤنے عمل میں عورتوں اور مردوں کو پھنسا دیتا ہوں۔ پھر میں بعض اوقات خواب میں یہ نقشے بھی دکھاتا ہوں کہ تیری فلاں رشتہ داری مخالفت کرتی ہے۔ اور پھر شک یقین میں بدل جاتا ہے۔ آپس میں نفرتیں بڑھ جاتی ہیں۔ ذہن الجھ جاتے ہیں۔ پھر یہ لوگ مشکلات میں گھر جاتے ہیں۔ پھر انہیں شیطانی وسوسے کے ذریعے میں انہیں ایسے لوگوں کے پاس بھیجتا ہوں جو بظاہر قاری بنے بیٹھے ہیں، بظاہر عامل اور تعویذ دینے والے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مال اور حسن کے شکاری ہوتے ہیں۔ کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ وہ کتنے گندے اور گھناؤنے ہوتے ہیں۔“

میں شریر جن کی باتیں سن رہا تھا اور مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ شریر جنات کس حد تک انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ابلیس کے یہ چیلے کس طرح کام کرتے ہیں۔ ہمیں کیوں خیال نہیں آتا؟ اور ہم شادیوں کے نام پر اپنی نسلوں کے لئے پریشانی خود خریدتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی دین دار ہمیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے تو ہم چڑ جاتے ہیں ہماری ایسی شادیوں میں آدھے سے زیادہ کھانا تو یہ شریر شیطان خوب مزے اڑا اڑا کر کھا جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے جو ہمیں ان چیزوں سے نفرت دلوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ شریر شیطان دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں کہ آئے بڑے پاس اپنے آپ کو معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں اور پھر ایسے لوگوں سے ہمارا رابطہ اور تعلق ہی ختم کروا دیتے ہیں۔ تاکہ ہم کبھی بھی نیکی کی طرف اور ٹھیک راستے کی طرف نہ جاسکیں۔ ہم کیسے لوگ ہیں؟ ہم کیوں برباد نہ ہوں؟ ہم کیوں شیطان کا ترلقمہ نہ بنیں؟ ہم کیسے سیدھا راستہ پائیں گے؟ ہم نے قرآن چھوڑ دیا؟ ہم نے وسوسے ڈالنے والے شریر جنات جن سے بچنے کے لئے قرآنی راستے کو بھلا دیا۔ قرآن نے ہمیں بتا دیا ہے ”یہ شیطان دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں“۔ ان سے بچنے کے لئے سورۃ الناس پڑھا کرو۔

ہم اس جن سے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک دروغ بیل کے ایک خادم نے اطلاع دی کہ ”حضور ساتھ ہی تیسری بیرک میں جس جن کو ہم نے اذیت دی تھی وہ بہت زیادہ تڑپ رہا ہے کہیں وہ مر نہ جائے“۔ موجودہ جن کو پھر زنجیروں میں باندھنے کا حکم دے کر دروغ جن نے مجھ سے ساتھ والی بیرک میں چلنے کو کہا۔ ہم وہاں گئے تو میں نے دیکھا کہ ایک جن لوہے کی نوک دار تاروں میں لپٹا ہوا ہے۔ اور نوک دار تاریں اس کے جسم میں پیوست ہیں۔ خون نکل رہا تھا۔ اور وہ تڑپ رہا تھا۔ میں نے دروغ جن سے پوچھا ”اس کا جرم کیا ہے؟“ وہ کہنے لگا کہ ”علامہ صاحب یہ جنات انسانوں کی شادیوں کو بدتر بنانے میں انکے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔ خفیہ مشورہ دیتے ہیں۔ لوگ ان کی باتوں میں آتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کا سارا کچھ گنوا دیتے ہیں۔ اور انہیں تکلیف میں مبتلا دیکھ کر، پریشان دیکھ کر یہ خوش ہوتے ہیں۔ یہ وہ جنات جن کے داؤ صرف انسانوں ہی پر چلتے ہیں۔ یہ انسانوں کو گمراہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کا یہی انداز اور یہی مشغلہ ہے۔ ہماری جنات کی دنیا میں اس چیز کو بہت محبوب سمجھا جاتا ہے۔ یہ سراسر گناہ کے کام ہیں۔ ایسے لوگوں کو جو ہمارے ہاتھ آجائیں، ہم مجرم سمجھتے ہیں۔ اور انہیں ہمیشہ کے لئے قید کر دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آسکتے۔“ میں نے دروغ جن سے کہا ”کیا میں اس سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟“ انہوں نے کہا ”بالکل کر سکتے ہیں“۔ انہوں نے اس جن کو ٹھوک ماری اور کہا ”یہ سب مکر کر رہا ہے۔ فریب کر رہا ہے۔ چل اٹھ کر بیٹھ“۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کہا ”تم اپنا کوئی واقعہ سناؤ“۔ اس نے تھوڑی دیر اپنی سانس درست کیں پھر مجھے ایک واقعہ سنایا۔ ”یہ ایک نیک خاندان کی کہانی تھی۔ وہ غریب لوگ تھے کچا گھر تھا۔ غربت اور تنگدستی تو تھی لیکن وہاں درود بہت پڑھا جاتا تھا۔ قرآن پاک پڑھا جاتا تھا۔ ذکر کیا جاتا تھا۔ ان کی خواتین بچی چلاتی تھی۔ تو ذکر کرتیں، لمبی بلوتیں تو ذکر کرتیں۔ گھر کے ہر کام کے ساتھ ان کو درود و سلام اور ذکر کی عادت تھی۔ ان کے آدمی محنت کرتے لیکن ذکر اللہ بھی کرتے۔ ایک نسل گزر گئی۔ محنت اور لگن اور ذکر اللہ کی برکت سے اگلی نسل میں کچھ دولت آ گئی۔ انہوں نے بیٹی کی شادی کی لیکن بہت سادگی سے۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن میں ان کی تلاوت، نماز، اور ذکر کی وجہ سے ان کے دل میں وسوسہ نہ ڈال سکا۔ یہ شادی ہو گئی۔ وہ لوگ اس طرح خوشحال رہنے لگے۔ میں ہی دل میں انکے خلاف بھڑکتا اور انتقام کی کوشش میں لگا رہا۔ یہ ان کا پہلا بیٹا تھا۔ اس کی بعد بیٹیاں بھی ایسی سادگی سے بیاہ گئی اور میں منہ دیکھتا رہ گیا۔ اب ایک سب سے چھوٹا بیٹا رہ گیا۔ یہ نماز روزہ، تلاوت اور ذکر میں کمزور تھا۔ یہ جب جوان ہوا تو میں نے پہلے ہی دن سے اس کو گمراہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ پہلے تو نماز میں سستی کروائی پھر تلاوت اور ذکر بھی گیا۔ بس میرا داؤ اس پر چلنے لگا۔ شادی کے موقع پر اس نے کہا ”سادگی سے شادی نہیں کروں گا۔ میرے دوست کیا کہیں گے؟ میری شادی میں گانا، آتش بازی، تیل مہندی سب کچھ ہوگا۔ فوٹو شوٹ بھی ہوگا“۔ بوڑھے والدین بے بس ہو گئے۔ بڑے بھائی اور بہنوں نے سمجھانے کی کوشش کی تو ان کے ساتھ بدتمیزی کی والد کے کہنے پر استاد نے سمجھایا تو گھر والوں کو خودکشی کی دھمکی دے دی۔ اب میں نے والدین کے دل میں وسوسہ ڈالے“ یہ گھر سے بھاگ جائے گا، خودکشی کر لے گا تو

زمانہ کیا کہے گا؟ آپ کا دور اور تھا اب ان کا دور اور ہے۔ سادگی کا زمانہ گیا۔ آج سادگی کو غربت کہا جاتا ہے معاشرے کے ساتھ چلیں۔ بیٹا ہاتھ سے نکل گیا تو ساری عمر بیٹھ کر رونا۔ زنجیروں میں جکڑا ہوا شیر جن مزید کہنے لگا ”ادھر میں والدین کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا اور ادھر لڑکے کے دل میں کہ شادی کو سارے روز ہوتی ہے۔ میں تو ایسی شادی کروں گا کہ زمانہ دیکھے گا۔ آتش بازی کروں گا۔ ایسی کہ دنیا چھتوں پر کھڑی ہو کر دیکھے گی۔ ناچ ہوگا، گانا ہوگا خوب موجِ مستی ہوگی۔“ اس کے دل پر میرا خوب وار چل رہا تھا۔ اس لئے اس کے دل میں روزانہ نئی سے نئی بات ڈالتا رہا۔ میں نے اس کے دوستوں کو بھی بھڑکا دیا۔ دوستوں نے کہا ”یار ہم تیری شادی پر خرچ کریں گے تو کیوں گھبراتا ہے؟“

والدین ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے گھر میں جیتھی، پردہ تھا، حجاب تھا۔ ان کی عورتوں کو غیر مردوں نے دیکھا نہیں تھا۔ وہ کیسے تیل مہندی کی تقریبات کرواتے اور خواجہ سراؤں کو بلاتے؟ کیسے میوزک اور ناچ گانا کرواتے؟ کیسے نوٹ نچھاور کرتے؟ بیٹا موموی کے نام پر غیر مردوں کو ساتھ لاتا اور وہ بہو بیٹیوں کی تصاویر اتارتے۔ اس غم نے انہیں بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ میں ان کے دل میں ڈالتا ”تم قرآن، ذکر اور دوسرے ورد کرتے رہو، اسے اس کے حال پر اس کو چھوڑ دو۔ گھر کو کیوں قبرستان بنانا چاہتے ہو؟“

آخر کار والدین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر زمانے نے دیکھا کہ جس گھر میں ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی صدائیں ہوتیں تھیں۔ اور جس گھر میں ہمیشہ ذکر، تسبیح اور تلاوت ہوتی تھی۔ اور جو گھر ہمیشہ لوگوں کو یہ کہتا تھا کہ شادیاں کرنی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نام کو نہ بھولنا اللہ کے ذکر کو نہ بھولنا۔ اس گھر میں طوائفیں ناچیں، میوزک کے شور میں اور لڑکوں اور ناچنے والیوں نے وہ وہ حرکتیں کی کہ پھر اسی گھر پر بے حیائی کا لیل لگا۔ صرف ایک نوجوان کی وجہ سے اس نے سارے خاندان کو بدنام کیا۔ یہ وہی خاندان تھا جس خاندان نے ساری زندگی لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا اور نیک بننے کو کہا۔ لوگ کہنے لگے ”اس خاندان کو کیا ہو گیا؟“ والد سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہوا۔ وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ اور قریب ہی ایک مسجد میں اس نے ڈیرے ڈال لئے۔ ماں نے موموی بنانے والے مردوں کو خاندان کی کچھ عورتوں کے ساتھ دیکھا۔ (جن کو میں نے وسوسے ڈال کر مردوں کے ساتھ رہنے پر آمادہ کر لیا تھا) ماں سے یہ منظر برداشت نہ ہوا کمرے میں جا کر چار پائی پر لیٹی اور بے ہوش ہو گئی۔ پھر ماں ہوش میں نہ آئی۔ ماں کو ہسپتال پہنچایا اور بہنوں کو زبردستی اور رشتہ داروں کے ساتھ لے کر بارات لڑکی والوں کے ہاں گئی۔ وہاں پر خوب دھماکا پڑی۔ کبھی کبھی لڑکے کا ضمیر ماں، باپ کے لئے جاگتا تو میں اسے تھپکایاں دے کر سلا دیتا۔ ”وقتی ٹینشن ہے ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم اپنی بیوی کو کہنا خدمت کر کے ان کی تمام تکالیف ختم کر دے گی۔“

شادی ہو گئی۔ بہو گھر آئی۔ ماں، باپ کو زبردستی راضی کیا گیا۔ اب میں نے بہو پر کام کرنا شروع کر دیا۔ ”یہ گھر تو مریضوں کا گھر ہے میں تو اس گھر میں نہیں رہوں گی۔ ماں باپ آپ کے ہیں میرے نہیں ہیں۔ آپ ان کی خدمت کریں۔“

باپ پر فالج کا اٹیک ہوا۔ ایسا کہ بستر پر ہی پیشاب پخانہ کرنے لگے۔ انہیں کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ پھر وہ نیم غنودگی میں چلے گئے۔ اب جن رونے لگا۔ اور کہنے لگا مجھے پھر بھی ترس نہ آیا۔ میں نے بیٹے کے دل میں یہ بات ڈالی ”اپنی خوشیاں تم نے دیکھ لی تو جب میری خوشیوں کا وقت آیا بیمار پڑ گئے۔“ پھر وہ اپنی بدتمیزیوں اور گمراہیوں میں بڑھتا چلا گیا۔ جن نے ایک قبضہ لگایا۔ کہنے لگا ”وسوسہ ڈالتے وقت ہم اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور انسانوں کے دل بند کر دیتے ہیں۔ ہم ایسی شادیوں میں بے پردگی عروج پر لاتے ہیں۔ چہرہ کھلا، بال کھلے، گلا کھلا، لباس وہ جن میں سے بدن جھلکے، ایسے موقعوں پر ہم جنات میں سے اکثر ان خواتین کے بالوں، اور ان کے جسموں سے کھیلے ہیں۔ ان کے اندر گناہوں، بدکاریوں، بدنظری اور بے حیائی کے جذبات ابھارتے ہیں۔ پھر یہی بے حیائی ان کے نطفے میں ہم شامل کر کے ان کی نسلوں میں عریانی، فحاشی، ویرانی اور بدتمیزی پیدا کرتے ہیں اس طرح آئندہ آنے والی نسلوں کا پل پل ویران ہو جاتا ہے۔“

یہ سب باتیں کہنے اور سننے کے بعد وہ جن مجھ سے معافی مانگنے لگا۔ دروغہ جن نے اس مجرم جن کو باندھنے کا حکم دیا اور ہم وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیا اس جن کا قصور ایسا ہے کہ اس کو معاف کیا جاسکے؟

مندرجہ بالا واقعات صرف اور صرف اس لئے بتائے اور سنائے گئے ہیں کہ ہم انسان اچھی طرح سمجھ لیں کہ شیاطین جنات کس کس انداز میں ہمیں خوار کرتے ہیں اور ہماری نسلیں خراب کر سکتے ہیں؟

موجودہ زمانے میں شیاطین جنات نے کچھ نئے اور ماڈرن انداز میں مسلمانوں کے اوقات کو ضائع کرنے کے ذرائع تلاش کر لئے ہیں۔ ٹیلیفون، موبائل فون چیٹنگ وغیرہ۔ موبائل فون پر گندے مناظر دیکھنے میں آج کل لوگ گھنٹوں ضائع کر دیتے ہیں۔ بچے ماں باپ سے اور ماں باپ بچوں اور عبادات سے غافل بس موبائل فون پر دل بہلاتے رہتے ہیں۔ ایک اور خرابی شیاطین نے نوجوان مردوں اور عورتوں کی آپس میں دوستی اور گھنٹوں باتیں یا میسجنگ میں لگا کر یہ وقت برباد کرنے کا فیصلہ

کر لیا ہے۔ ان باتوں میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی تخصیص نہیں۔ گھر خراب ہو رہے، خاندان بگڑ رہے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت خراب ہو رہی ہے۔ لیکن کسی کو بھی ذرا برا برا حساس نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ چار ہزار سال کے بعد انسانیت ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کو فراموش کر چکی ہے۔

پہلی فراموشی عبادت رب کی تھی۔ یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کو ماننے اور اس کو یاد کرنے سے غافل ہو گئے تھے۔ اور موجودہ فراموشی ملاقات رب یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کی فراموشی ہے۔

آج کے موبائل فون بھی ہمارے لئے بتوں کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ ہم ہر وقت اور ہر گھڑی ان بتوں کو اپنے ہاتھ میں، اپنی جیب میں یا اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ قرب قیامت دیکھئے کہ آج سے 10 پندرہ سال پہلے حج پر جانے کے بعد یہ بات بہت ہی اچھی معلوم ہوتی تھی کہ ہر سعودی کے ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے وہ بات کرتے وقت بات کرتے اور جب دوسرا بات کرتا تو یہ تسبیح کرتے اور بات کو سنتے۔ آج قرب قیامت پر شیاطین کی برتری دیکھئے کہ کس خوبی سے کام کرتے ہوئے آج اس نے دنیا کے تقریباً 95 فیصد لوگوں کے ہاتھوں سے تسبیح چھین کر پھینک دی ہے اور انتہائی پیار سے انہیں موبائل فون تھما دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آج سے چار ہزار برس قبل کا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب ایک رب کی عبادت کا تصور ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں جا بسایا۔ تاکہ ایک اللہ کو ماننے والے دوبارہ یہاں جمع ہو سکیں۔ اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی وہ قرآن پاک میں موجود ہے۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا ”اے ہمارے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا (اے میرے) پروردگار ان بتوں نے ہم میں سے بہتوں کو گمراہ کر ڈالا ہے“۔ (سورہ ابراہیم، آیت نمبر 35-36)

آج پھر وہی دور آ گیا ہے۔ آج ہر مومن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی ضرورت ہے۔ دعا یہی ”اے ہمارے رب ہمیں اور ہماری اولاد کو موبائل کی بت پرستی سے بچا“۔

انسان اگر دنیا میں ہی غرق نہ ہوا اور اپنی آنکھیں ذرا بھی کھولے تو وہ دیکھے گا کہ اس کی بقا کا تمام تر نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی صورت میں اس کے ہاتھ میں تھما دیا ہے۔ لیکن ہم یہ بات بھول کر صرف دنیا کی محبت، دنیا کی چیزوں کی لذت اور دنیا میں دل لگا بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے نقشہ کے مطابق زندگی نہیں گزارتے وہ اور انکی نسلیں شیطان کے بھیڑتے چڑھ جاتی ہیں۔ فخر و تکبر، بناوٹ، تصنع اور دنیا پرستی انہیں کھا جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت لوگوں کو ان کی بے بسی یاد دلانے کے لئے وقفے وقفے سے سیلاب، زلزلہ، اور طوفان وغیرہ بھیجتا رہتا ہے۔ اور اس یاد دہانی کا مقصد عذاب دینا نہیں ہوتا۔ ورنہ کون ہے جو اس کے عذاب سے بچ سکے؟ اس یاد دہانی کا مقصد تو صرف انسانوں کو یہ سمجھانا ہوتا ہے کہ ان کے لئے جینے کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس دیئے ہوئے نقشہ کے مطابق زندگی گزاری جائے۔

شیطان ہمیشہ ہمیں اعمال میں گناہ کرنے، توبہ میں تاخیر کرنے اور دنیا و آخرت کو تباہ کرنے والے کاموں کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ نیز وعدہ خدا پر جھوٹے ہونے کا بہتان اور اس کے پورا نہ ہونے پر وسوسہ ڈالتا ہے۔

نفس اور شیطان سے جہاد باطنی جہاد ہوتا ہے۔ جودل اور ایمان کی طاقت سے کیا جاتا ہے۔ پس شیطان سے جہاد کرنے میں اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہوتا ہے۔ کافروں سے جہاد ظاہری طور پر تلوار اور نیزے سے کیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ اس میں بھی ہماری مدد کرتا ہے اس جہاد میں مرکز امید جنت کا حصول ہوتا ہے۔ اور اگر ہم نفس اور شیطان سے جہاد کرتے ہوئے فنا ہو جائیں یعنی ہماری تمام عمر شیطان سے جہاد کرتے ہوئے گزر جائے تو ہماری جزا یہ ہوگی کہ ہم رب تعالیٰ کے دیدار سے سرفراز ہو جائیں گے۔

اللہ سورہ الحجر، آیت نمبر 99 میں ارشاد فرماتا ہے کہ: ترجمہ: ”اپنے رب کی عبادت کرو یقیناً (یعنی موت) کے آنے تک“۔

شیطان اور خواہش نفس کی مخالفت کا نام ہی عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں شیطان اور ہر شر سے محفوظ رکھنے کے لئے، جادو ٹونے سے محفوظ رہنے کے لئے آیت الکرسی، سورہ فلق اور سورہ الناس جیسی سورتیں بتائیں ہیں۔ لیکن آج کل ہم نے ان سورتوں کو زبانی تو رٹ لیا ہے لیکن اس کے مطلب کو نہیں یاد کیا۔ اور اگر مطلب آتا بھی ہے تو کیا وجہ ہے کہ جس موقع پر ہمیں ان سورتوں کو پڑھنے کی ضرورت آتی ہے تو وہاں ہم انہیں کیوں بھول جاتے ہیں؟

قرآن پاک میں رب تعالیٰ بظاہر ہر مقام پر نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے مخاطب ہے لیکن در پردہ وہ ہر مومن سے مخاطب ہے۔ یہ بات ہمیں یاد رکھنی

چاہیے کہ مسلمان وہ ہے جو رب کو ماننے اور مومن وہ ہے جو رب کی مانے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آیت الکرسی میں اپنی واحدانیت کے ساتھ ساتھ ایک خاص بات بتائی ہے کہ ”اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ“۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ قادر مطلق سب کچھ دیکھتا ہے۔ اگر ہم شیطان کے وسوسوں کا شکار ہوتے ہیں تو محض اس لئے کہ ہم نے اس سے بچاؤ کے لئے رب تعالیٰ نے جو کچھ ہمیں بتایا ہے اس پر کبھی عمل کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی بلکہ اس کو سمجھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ قرآن پاک سورۃ فلق، آیت نمبر 3-1 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آیت: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾

ترجمہ: ”میں پناہ لیتا صبح کے پروردگار کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا۔ اور رات کے شر سے جب وہ چھا جائے یا اندھیری ڈالنے والی رات کے شر سے۔“

1- ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”اے عائشہ! پناہ اس کے اندھیرے کی“۔ (ترمذی) یعنی آخری ماہ میں جب چاند چھپ جاتا ہے تو جادو کے وہ عمل جو بیمار کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت کئے جاتے ہیں۔ مزید فرمایا:

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّٰثِ فِي الْغَدَقِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

ترجمہ: ”اور ان عورتوں کے شر سے جو گروہوں پر پھونکتی ہیں اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلیں“۔ (سورۃ فلق، آیت نمبر 4-5)

حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں لبید بن اعصم کی لڑکیاں جادو کرنے کے لئے ڈورہ (دھاگہ) پر منتر پڑھ کر گرہیں لگایا کرتی تھی۔ یہاں ان جادوگر عورتوں سے پناہ مانگی گئی ہے جو جادو کرتی ہیں منتر پڑھ پڑھ کر گروہوں میں پھونک مارتی ہیں۔ اس زمانے میں یہ منتر وغیرہ عورتیں پڑھا کرتی تھیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے سکھایا کہ حاسد کے حسد سے بھی پناہ مانگی ہے۔ حاسد کسی کی خوشحالی اور عزت کو دیکھ کر جلتا ہے اور یہ تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمت و خوشحالی اس کے پاس نہ رہے۔

جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوتا ہے اس کے بدخواہ عموماً زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ حسد والا دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر اتنا جلتا ہے کہ زوالِ نعمت کی تمنا کرتا ہے۔ جس انسان میں یہ جذبہ ہو وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتا بلکہ ناپاک سازشیں کرتا رہتا ہے کیونکہ وہ جلتا رہتا ہے۔

مندرجہ بالا واقعات میں ہم نے دیکھا کہ شیاطین کو ہمارے پاس نعمتیں دیکھ کر جلن ہوتی ہے۔ وہ حسد سے جل بھن جاتے ہیں۔ یہاں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ سے یہود بے حد حسد کرتے تھے۔ اور ہر وقت انہیں یہ خیال رہتا تھا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ کی سیرت اور نیک نامی ختم ہو جائے۔ ان میں خاص طور پر لبید بن اعصم تھا جس نے جل بھن کر آپ خاتم النبیین ﷺ پر جادو کروادیا تھا۔

انسان نہ تو خود ہر حاسد کو پہچان سکتا ہے۔ اور نہ ہی اس کے حسد سے آگاہ ہو سکتا ہے اور اگر ہو بھی جائے تو بسا اوقات ان کا تدارک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لئے اس سورہ میں حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اپنے رب کے دامنِ عافیت میں پناہ لے لو۔ کیونکہ ان حاسدوں کی شرانگیزیوں سے وہی بچ سکتے ہیں جسے اللہ کی پناہ حاصل ہوگی۔ اگلی سورۃ خاص طور پر شیاطین سے بچاؤ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پناہ میں لینے کا طریقہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں جانے کا طریقہ بتایا ہے۔

سورہ فلق میں ان شرانگیزیوں سے پناہ طلب کی گئی ہے جو انسان کی ظاہری حالات اور جسمانی ضروریات کو متاثر کرتی ہیں۔ اس لئے اس کا تعارف رب الفلق (صبح کا پروردگار) سے کرانے پر اکتفا کیا گیا۔

سورہ والناس میں ایمان اور ایقان کو جو خطرات درپیش ہیں، ان سے پناہ لینے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ متاعِ دین و ایمان یقیناً جسم اور جسمانی نعمتوں سے کہیں اہم ہیں۔

اس لئے اللہ نے فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿اس سورہ الناس، آیت نمبر 1﴾ ترجمہ: ”کہہ میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے“۔ (سورہ الناس، آیت نمبر 1) رب پالنے والا ہے۔ تم کہو کہ میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا معاشی کفیل ہے۔ رب کا مطلب ہے معاشی کفیل۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے رب الناس (لوگوں کا پروردگار) کے کلمات سے اپنے تعارف کروایا ہے۔ رب ہے یعنی جملہ معاش کا کفیل ہے۔ آگے فرمایا: مَلِكِ النَّاسِ

ترجمہ: ”سب انسانوں کا مالک“۔ (سورہ الناس، آیت نمبر 2)

یعنی صرف معاشی ضروریات کا کفیل ہی نہیں ہے بلکہ (وہ) بادشاہ ہے سب لوگوں کا اور فرمانروا بھی ہے۔ اس کا حکم ہر وقت، ہر جگہ اور ہر چیز پر فائز ہے کسی کی مجال نہیں کہ

اس کے حکم کی سرتابی کر سکے۔ مزید فرمایا: **إِلَهِ النَّاسِ** ترجمہ: "سب لوگوں کا خدا (سب لوگوں کا معبود ہے)"۔ (سورہ الناس، آیت نمبر 3)

اب یہاں پر ایمان اور ایقان کا مسئلہ ہے۔ تو فرمایا: **قُلْ أَغْوٰذِبُ النَّاسِ ۖ مَلِكُ النَّاسِ ۖ إِلَهِ النَّاسِ** "یعنی" میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب ہے۔ میں اس کی پناہ میں آیا جو سب انسانوں کا بادشاہ ہے۔ میں اس کی پناہ میں آیا جو معبودِ برحق ہے۔ اور جسمانی ضروریات کے لئے صرف ایک جگہ فرمایا: **قُلْ أَغْوٰذِبُ النَّاسِ ۖ** "یعنی" میں پناہ میں آیا صبح کے پروردگار کی۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کو اس کی تینوں صفات و کمالات سے پہچان لیتا ہے یعنی رب ہے، بادشاہ ہے اور معبود ہے تو پھر اسی کی جناب میں فریاد کرتا ہے۔ تو مجھے ہر قسم کی شیطان کی چیرہ دستیوں سے بچا۔ **مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ**

ترجمہ: "(اے میرے رب اے میرے معبود) تو مجھے شیطان کے شر سے بچا"۔ (سورہ الناس، آیت نمبر 4)

خناس پیچھے کھسک جانے والا اس کے شر سے جودل میں برے خیالات ڈال دے۔ بار بار وسوسہ ڈالنے والے اور بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے یعنی بظاہر پسپائی اختیار کرتا ہے۔ لیکن پھر موقع ملتے ہی وہی بات کانوں میں ڈالتے ہیں۔ **الَّذِي يُوسِّسُ فِيْ ضَلٰوٰتِ النَّاسِ**

ترجمہ: "جو وسوسہ ڈالتا (ہی) رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں"۔ (سورہ الناس، آیت نمبر 5)

یعنی کبھی بظاہر ہٹ جاتا ہے لیکن ہٹا نہیں دیک جاتا ہے پھر لوگوں کے دل میں وسوسے ڈالنے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے۔

مِنْ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ترجمہ: "جن اور آدمی سے"۔ (سورہ الناس، آیت نمبر 6)

اور ایسے وسوسے ڈالنے والے جناتِ شیاطین بھی ہیں اور انسان (شیاطین) بھی۔

جس طرح شیاطین جن دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ اسی طرح شیطان صفت انسان بھی ناصح بن کر آتے ہیں۔ اور آدمی کے دل میں چکنی چپڑی باتوں سے وسوسے ڈال دیتے ہیں۔ پھر اگر انسان ان وسوسوں پر یقین کر لیتا ہے یعنی وسوسوں سے اس کا دل بھی اس شیطان صفت انسان کی طرح ہو گیا۔ تو وہ فوراً ہاں میں ہاں ملاتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر وسوسوں کا سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح شیطان انس بھی لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر سننے والا ان سے متنفر ہوتا ہے۔ تو وہاں سے ہٹ جاتے ہیں دیک جاتے ہیں۔ یعنی ان کی چالیں ختم نہیں ہوتیں بس وقتی طور پر پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور جیسے ہی موقع دیکھتے ہیں فوراً دوبارہ وار کرتے ہیں۔

لیکن یاد رکھیں! شیاطین کے حملے اس وقت شروع ہوتے ہیں جب وہ انسان کو ذکر اللہ سے غافل پاتے ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی چور نقب لگا رہا ہو۔ اور کہیں سے کوئی روشنی نمودار ہو جائے تو وہ نقب لگانا بند کر دیتا ہے۔ اور ایک بے جان پتھر کا روپ دھار لیتا ہے۔ اور جب روشنی بجھ جاتی ہے تو وہ پھر اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح شیاطین کی وسوسہ اندازی بڑے ماہرانہ اور عیارانہ انداز سے ہوتی ہے۔ وہ چپکے سے انسان کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر انسان کے دل کی پر فضا کیفیت میں ایک تہلکہ مچا دیتے ہیں۔ اور وسوسہ اندازی کا یہ دھندا جنوں اور انسانوں میں شریں نفوس دونوں کرتے ہیں۔ ان سے بچنا بہت ضروری بھی ہے اور بہت مشکل بھی۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی پناہ بندے کو نہ ملے اس کی متاعِ جان اور متاعِ ایمان محفوظ رہے ہی نہیں سکتی۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہمارے لئے اسوہ حسنہ محمد خاتم النبیین ﷺ میں ایک نمونہ ہے۔ بخاری اور مسلم شریف میں ان دونوں شیاطین جن و انس سے بچنے کے لئے ایک عمل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ترجمہ: "حضور پاک خاتم النبیین ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں دست مبارک جمع فرما کر سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھتے اور اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے (پھونکتے) اور پھر ان مبارک ہاتھوں کو سر مبارک سے لے کر تمام جسم اقدس پر پھیرتے۔ جہاں تک دست مبارک پہنچ سکتے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ تین مرتبہ فرماتے۔" (بخاری و مسلم)

الہی تیری مدد کے بغیر نہ ہماری جان و مال محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ ہی ہمارا ایمان۔ باری تعالیٰ ہماری جان و مال و ایمان کی حفاظت فرماتا۔ (آمین)

انسان کے موکلین

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:

"انسان کے دل میں ہر وقت دو مشورہ دینے والے موجود رہتے ہیں ایک وہ فرشتہ ہے جو نیکی اور حق پر ابھارتا ہے اور دوسرا شیطان ہے جو بُرے کاموں پر ابھارتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور نیکی سے باز رکھتا ہے۔"

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "حقیقت میں یہ دو طرح کے خیالات ہوتے ہیں ایک اللہ کی طرف سے (ارادہ خیر) اور دوسرا شیطان کی طرف سے (تکذیب حق) اللہ اپنے اس بندے پر رحم فرمائے جو ارادے کے وقت توقف کرے اگر وہ اللہ کی طرف سے ہو تو اسکو عمل میں لائے اور اگر شیطان کی طرف سے ہو تو اس سے جہاد کرے۔"

آیت: "مَنْ شَرَّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" (سورۃ الناس، آیت نمبر 4) کی تشریح کرتے ہوئے مقاتلؒ نے بیان کیا ہے "وسوسہ آدمی کے دل پر پھیلتا ہے اگر انسان اللہ کو یاد کرتا ہے تو یہ وسوسہ ڈالنے والا "خناس" پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر انسان غفلت برتتا ہے تو یہ دل پر چھا جاتا ہے یہاں تک کہ آدمی کے دل کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اور جب انسان ذکر الہی کرتا ہے تو وہ اس کے دل سے جدا ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے بلکہ اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔"

حضرت عکرمہؒ کا ارشاد ہے کہ "وسوسوں کے مقام مرد کا دل اور آنکھیں ہیں اور عورت کی صرف آنکھیں ہیں جب وہ سامنے ہو اور اگر عورت پشت پھیر کر جائے تو اس کے سرینوں میں اس کا مقام ہے۔"

إلقائے قلب:- دل میں چھ طرح کے القا ہوتے ہیں۔

(i) - إلقائے نفس (ii) - إلقائے شیطان (iii) - إلقائے روح

(iv) - إلقائے ملک (v) - إلقائے عقل (vi) - إلقائے یقین

(i) - إلقائے نفس:- یہ خواہشات کی تحصیل جائز و ناجائز، رجحانات اور میلانات کے درپے ہو جانے کا حکم دیتا ہے۔

(ii) - إلقائے شیطان:- یہ عقیدہ کے اعتبار سے کفر و شرک کا حکم دیتا ہے نیز وعدہ خداوندی پر جھوٹے ہونے کا بہتان اور اس کے پورا نہ ہونے کی شکایت پر ابھارتا ہے اعمال میں گناہ کرنے، توبہ میں تاخیر اور دنیا و آخرت کو تباہ کرنے والے امور کو اختیار کرنے والا مشورہ دیتا ہے یہ دونوں القا - یعنی إلقائے نفس اور إلقائے شیطان - دونوں بُرے ہیں۔ یہ دونوں خطرے یا القاعام مسلمانوں کو لاحق ہوتے ہیں۔

(iii-iv) - إلقائے روح اور إلقائے ملک:- یہ دونوں حق تعالیٰ کی اطاعت اور اس کا ہر حکم بجالانے کا جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں سلامتی کی صورت میں ہوتا ہے حکم دیتے ہیں اور یہ ہر اس چیز کو لاتے ہیں جو شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ دونوں القاعمعمور اور قابل ستائش کے مطابق ہے اور یہ خواص المسلمین میں پائے جاتے ہیں عام میں نہیں۔

(v) - إلقائے عقل:- یہ کبھی اس بات کا حکم دیتا ہے جو نفس اور شیطان کے موافق ہوتی ہے اور کبھی ایسی بات کا حکم دیتا ہے جو القاء روح و ملک کے موافق ہوتی ہے یہ القا اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اور اس سے تخلیق کائنات کا استحکام وابستہ ہے تاکہ عقل صحت مشاہدہ اور نیک و بد کی تمیز کے ساتھ خیر یا شر کو اختیار کرے اور نتیجہ میں عذاب یا ثواب اس کے لیے - نقصان کا باعث یا باعث سودمندی ہوں۔ چونکہ جس طرح اللہ نے انسان کے جسم کو اپنے احکام کے نزول کے محل اور لامتناہی وارداتوں کا مرکز بنایا اسی طرح عقل کو نیک و بد کی کوئی (معیار) بنایا ہے عقل بھلائی اور بُرائی کو لے کر جسم میں داخل ہوتی ہے عقل اور جسم دونوں مکلف (حساب اختیار) ہونے کے محل ہیں احوال کی تبدیلی کا مقام ہیں اور راحت کی لذت یا عذابِ علیم کی قربت کے تعین کے ذرائع ہیں (عذاب کی تکلیف اور ثواب کی لذت اس کے ذریعے سے پہنچائی جاتی ہے)

(vi) - إلقائے یقین:- یہ روحِ ایمان ہے منزلِ علم ہے اللہ کی طرف سے اس کا نزول اور صدور ہوتا ہے۔ یہ القا صرف ان سینوں میں پیدا ہوتا ہے جو مرتبہ ایمان (کامل ایمان) کو پہنچ جاتے ہیں جیسے صدیقین شہداء، ابدال اور مخصوص اولیاء کرام۔ یہ القا مخفی طور پر نازل ہوتا ہے اور اس کی آمد بہت (دقیق ہوتی ہے مگر برحق ضرور ہوتی ہے اس کا صدور علم لَدُنْہی، اختیار بالغیب اور اسرار الامور کے ہاتھ ہوتا ہے کہ مقام ان بندوں کو ملتا ہے جو اللہ کے محبوب و مرغوب ہوں اسکے منتخب ہوں۔ فنا فی اللہ ہوں اور اپنے ظواہر سے بھی غافل ہو گئے ہوں فرض اور سنت ہائے مؤکدہ کی ادائیگی کے علاوہ انکی ظاہری عبادات کا رخ باطن کی طرف ہو گیا ہو (ہر وقت باطنی عبادات میں غرق ہوں سوائے فرض اور مؤکدہ سنتوں کی ادائیگی کے)۔ یہ لوگ ہر وقت اپنی باطنی کیفیات کی نگہداشت کرتے ہیں اور اللہ انکی ظاہری تربیت کا خود ہی کفیل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتا ہے (کہ وہ اس طرح کہتے ہیں)۔ اِنَّ وَلِيَ اللّٰهِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ یَتَوَلٰی الصّٰلِحِیْنَ ۝

ترجمہ: ”یقیناً میرا کارساز تو اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی وہی نیکیوں کا کارساز ہے“۔ (سورۃ الاعراف، آیت نمبر 196)

پس اللہ تعالیٰ ان کا ذمہ دار ہوتا ہے وہی ان کے کام پورے کرتا ہے وہی اسرارِ غیب کے مطالعہ میں ان کے قلوب کو مشغول رکھتا ہے وہی اپنے قرب کے جلوؤں سے ان کے دل کو روشن رکھتا ہے اس نے ان حضرات کو اپنے ساتھ مکالمے کے لیے انتخاب کر لیا ہے اپنی ذات پاک کو خاص طور سے ان کے سکون و طمانیت کو مرجع بنا دیا ہے۔

پس ہر روز ان کے علم میں اضافہ، معرفت میں زیادتی، نورانیت میں کثرت اور قرب الہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ حضرات ہمیشہ باقی رہنے والی اور کبھی نہ ختم ہونے والی راحت، غیر منقطع نعمت اور لامتناہی مسرت میں غرق رہتے ہیں اور اس دارِ فنا میں ان کے قیام کی مدت اختتام کو جان پہنچتی ہے تو ان کا اختتام بڑا پر شکوہ ہوتا ہے جیسے ایک دلہن جلد عروسی سے نکل کر صحن میں آجائے اور ایک ادنیٰ حالات سے اعلیٰ حالات میں پہنچ جائے دنیا ان کے لیے جنت ہوتی ہے اور آخرت میں ان کو آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیف میسر ہوگا یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا میسر آئے گا نہ ڈر ہوگا نہ دربان ہوگا، نہ حجاب ہوگا، نہ کوئی دربان روکنے والا، نہ کوئی ٹوکنے والا ہوگا، نہ کوئی احسان رکھنے والا، نہ احسان اٹھایا جائے گا، نہ دکھ ہوگا، نہ تکلیف اور نہ اس لذت کا اختتام ہوگا اور نہ انقطاع۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنَّتٍ وَّ نَهْرٍ ۝ فِیْ مَقْعَدٍ صٰدِقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

ترجمہ: ”بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں صدق کے مقام میں قدرت رکھنے والے بادشاہ کے پاس ہوں گے“۔ (سورۃ القمر، آیت نمبر 54-55)

جن لوگوں نے دنیا میں نیک کام کیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کی تو آخرت میں اس کے عوض وہ ان کو جنت، عزت کی سلامتی، اور نعمت عطا فرمائے گا اور چونکہ دنیا میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پاکی اور صفائی میں زیادتی کی اور اس کے برخلاف عمل سے اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بقا و عطا کے گھر میں زیادہ عطا فرمایا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ رب کریم کی طرف نظر کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارباب بصیرت اور اہل دانش کو اس کی خبر دی ہے۔

نفس اور روح:- نفس اور روح القائے شیطان و ملک کے دو مقامات ہیں (فرشتہ) ملک دل میں تقویٰ کا القا کرتا ہے اور شیطان نفس میں بدکاری کی تحریک کرتا ہے۔ نفس بدکاری میں اعضاء کو استعمال کرنے کی دل سے خواستگاری کرتا ہے۔ عقل اور خواہش جسم کے اندر نفس کے مقام ہیں اور دونوں اپنے حاکم کی رضا کے مطابق جس میں اپنا عمل کرتے ہیں یعنی ”توفیق خیر یا توفیق شر“۔

نفس سے جہاد کرنا (جہاد اکبر):- شیطان سے جہاد باطنی ہوتا ہے جو دل اور ایمان کی طاقت سے کیا جاسکتا ہے پس جب ہم نفس سے جہاد کریں گے تو حق تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ شامل حال ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہوگا کافروں سے جہاد ظاہری طور پر نیزے اور تلوار سے ہوتا ہے اور بادشاہ دو جہاں اس جہاد میں ہمارا مددگار ہوتا ہے اس جہاد میں ہمارا مرکز امید حصول جنت ہے اگر کافروں سے جہاد کے دوران ہم شہید ہو گئے تو ہماری جزا دار البقا ہے یعنی (بہشت جاودان ہے) اگر ہم نفس سے جہاد کرتے ہوئے فنا ہو گئے اور ہماری تمام عمر اس کی مخالفت میں صرف ہو جائے تو ہماری جزا یہ ہوگی کہ ہم رب العالمین کے دیدار سے سرفراز ہو جائیں گے۔ اگر کافر ہم کو مار ڈالے تو ہم شہید ہو گئے اور اگر نفس کی بیروی و اطاعت کی حالت میں نفس نے ہم کو مارا تو راندہ درگاہ حق ہو جائیں گے۔ کافروں سے جہاد کی تو ایک حد و غایت ہے لیکن شیطان اور نفس سے جہاد کی کوئی حد و غایت نہیں۔ نفس غصے کی حالت میں درندہ ہوتا ہے، گناہ کرتے وقت بچہ ہوتا ہے، فراوانی نعمت کے وقت فرعون ہوتا ہے، بھوک کی حالت میں دیوانہ ہوتا ہے، اور پر شکم ہو تو مغرور گدھا ہوتا ہے۔

اللہ اور انسان کے درمیان ایک ہی حجاب ہے جس کا نام نفس ہے۔ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا اصل اور سب مجاہدوں کا کمال ہے۔

مُصَنَّفہ کی تمام کُتُب

عبدیت کا سفر ابدیت کے حصُول تک	مقصدِ حیات	خاتم النبیین ﷺ محبوبِ ربِّ العلمین مُحسِنِ انسانیت (۲۰۱)	خاتم النبیین ﷺ محبوبِ ربِّ العلمین
فلاح	راہِ نجات	مُختصراً قُرآنِ پاک کے علوم	تعلُّق مع اللہ
تُو ہی مجھے مِل جائے (جلد.۲)	تُو ہی مجھے مِل جائے (جلد.۱)	ثواب و عتاب	اہل بیت اور خاندانِ بنو اُمیہ
عشرہ مبشرہ اور آئمہ اربعہ	کتاب الصلوٰۃ و اوقات الصلوٰۃ	اولیاء کرام	مختصر تذکرہ صحابہ کرام مختصر تذکرہ انبیاء کرام
عقائد و ایمان	اسلام عالمگیر دین	آگہی	حیاتِ طیبہ
تصوُّف یا رُوحانیت (جلد.۲)	تصوُّف یا رُوحانیت (جلد.۱)	کتابِ آگاہی (تصحیح العقائد)	دینِ اسلام (بچوں کے لئے)